فدائی حملوں اور اسلامی جہاد کی شرعی حیثیت پر ایک فقید المثال کتاب

الفداء والجہاد فی الاسلام

اسلام میں خودکش حملوں کی شرعی حیثیت

تصنیف

شیخ المشائخ، پیرِ طریقت، رہبر شریعت

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مکتبہ آوازِ حق

التماس

حضرت قبلہ شیخ المشائخ پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ تحریر دراصل اُن کی زیر سرپرستی شائع ہونے والے جریدہ ماہنامہ آوازِ حق میں ماہ بہ ماہ قسط وار شائع ہوتی رہی۔ جس کا پہلا ایڈیشن 2010ء میں حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات میں ہی کتابی صورت میں چھپ کر مارکیٹ میں آ گیا تھا۔

زیرِ نظر تحریر چونکہ حضرت قبلہ شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ نے اپنے وصال سے تقریباً پندرہ سال پہلے سپردِ قلم کی تھی لہٰذا اس کتاب میں مذکور تاریخی وقائع کو اسی پیرایہ اور سیاق میں دیکھا اور پڑھا جائے۔ نظر ثانی کا باقی ماندہ حصہ نہایت عرق ریزی اور احتیاط کے ساتھ مکمل کیا گیا ہے۔

اور اس کتاب کی تدوین واشاعت میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ جات میں بھی ہر ممکن احتیاط برتی گئی ہے تاہم ادارہ کسی بھی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے اور اس کی نشان دہی کے لیے قارئین کا ممنون ہوگا۔

اِس کتاب کے حوالہ سے قارئین کے ذہن میں کوئی اشتباہ ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے بھی ادارہ ہٰذا سے رابطہ کیا جا سکتا ہے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اُس کا ازالہ کیا جا سکے۔

منجانب:۔
صاحبزادہ ڈاکٹر مولانا صدیق علی چشتی

کتاب پڑھنے کی دعا

دینی یا اسلامی کتاب پڑھنے سے پہلے ذیل میں دی ہوئی دُعا پڑھ لیجئے انشاءاللہ جو کچھ پڑھیں گے یاد رہے گا۔ دُعا یہ ہے:

اللھم افتح علینا حکمتك وانشر علینا رحمتك یاذالجلال والاکرام

ترجمہ:۔اے اللہ ہم پر علم وحکمت کے دروازے کھول دے اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما، اے عظمت اور بزرگی والے۔(مستطرف، ج۱، ص۴۰، دارالفکر بیروت)

قیامت کے روز حسرت

فرمانِ مصطفیٰ ﷺ:۔سب سے زیادہ حسرت قیامت کے دن اُس کو ہوگی جسے دُنیا میں علم حاصل کرنے کا موقع ملا مگر اُس نے حاصل نہ کیا اور اس شخص کو ہوگی جس نے علم حاصل کیا اور دوسروں نے تو اس سے سن کر نفع اُٹھایا لیکن اس نے نہ اُٹھایا (یعنی اس علم پر عمل نہ کیا)۔(تاریخ دمشق لابن عساکر، ج۵۱، ص138، دارالفکر بیروت)

کتاب کے خریدار متوجہ ہوں

کتاب کی طباعت میں نمایاں خرابی ہو یا صفحات کم ہوں یا بائنڈنگ میں آگے پیچھے ہو گئے ہوں تو ناشر ادارہ سے رجوع فرمائیں۔

فدائی حملوں اور اسلامی جہاد کی شرعی حیثیت پر ایک فقید المثال کتاب

اَلْفِدَآءُ وَالْجِهَادُ فِی الْاِسْلَام

اسلام میں خودکش حملوں کی شرعی حیثیت

تصنیف

شیخ التفسیر والحدیث، پیر طریقت، رہبر شریعت

شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی

بانی، دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر

ناشر:

مکتبہ آوازِ حق، دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر

نام کتاب : الفداء والجہاد فی الاسلام (فدائی حملوں کی شرعی حیثیت)

مصنف : شیخ المشائخ پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظر ثانی : صاحبزادہ ڈاکٹر مولانا صدیق علی چشتی

کمپوزر : عاطف شہزاد چشتی

ناشر : مکتبہ آوازِ حق، جامعہ غوثیہ معینیہ یکہ توت پشاور شہر

تعداد واشاعت ایڈیشن اول : 1100، 2010ء

تعداد واشاعت ایڈیشن دوم : 1100، 2017ء

قیمت : 460 روپے

حضور شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتب سے حاصل ہونے والی آمدنی اور رائیلٹی ادارہ ''آوازِ حق پشاور'' کے لیے وقف ہے۔

کتاب پڑھنے کے آداب

(۱) باوضو ہونا۔ (۲) حمد وصلوٰۃ پڑھنا۔ (۳) تعوذ پڑھنا۔

(۴) تسمیہ پڑھنا۔ (۵) قبلہ رو پڑھنا۔

(۶) جہاں جہاں اللہ کا نامِ پاک آئے وہاں عَزَّوَجَلَّ پڑھنا۔

(۷) اور جہاں جہاں "سیدِ عالم رحمتِ عالم" کا اسمِ مبارک آئے وہاں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم پڑھنا۔

(۸) اور جہاں جہاں صحابہ کرام اور صحابیات کے نام آئیں وہاں رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُم پڑھنا۔

(۹) جہاں جہاں اولیاء کرام کے نام آئیں وہاں رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ پڑھنا۔

کتاب سے مستفید ہونے کی نیتیں

(۱) رضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے لیے اس کتاب کا اول سے آخر کتاب کا مطالعہ کرنا۔

(۲) قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی زیارت کرنا۔

(۳) فرض علوم کو سیکھ کر اُس پر عمل کرنا۔

(۴) دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلانا۔

(۵) حضرت سفیان بن عیینہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ کے اِس قول "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة" یعنی نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ پر عمل کرتے ہوئے ذکرِ صالحین کی برکتیں لوٹنا۔

(۶) اِس کتاب کے مطالعہ کا ثواب ساری اُمت کو ایصال کرنا۔

(۷) سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل اور مشائخ کرام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنا۔ (انشاء اللہ عَزَّوَجَلَّ)

﴿کتاب ملنے کے پتے﴾

☆ نظامیہ کتاب گھر۔ زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور 0301-4377868

☆ دارالنور دکان نمبر ۴ مرکز الاولیس دربار مارکیٹ لاہور 04237247702

☆ مکتبہ غوثیہ۔ یونیورسٹی روڈ، بالمقابل عسکری پارک کراچی 021-34926110

☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور 04237247301

☆ مکتبہ المصطفیٰ چکدرہ 0343-9070902

☆ شبیر برادرز زبیدہ سنٹر ۴۰، اُردو بازار لاہور 042-37246006

☆ مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی 0514907446

☆ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم 03335833360

☆ مکتبہ دارالاحناف کامران مارکیٹ نیواڈا مردان 03119231283

☆ مکتبہ غفوریہ قادریہ طارق آباد تندوڈاک سوات 03449294923

☆ مکتبہ اہلسنت مکہ سنٹر دوکان نمبر ۳، بیسمنٹ نز دلوئر مال تھانہ اُردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رضائے مصطفیٰ پیپل منڈی پشاور، محمد علیم شاہ۔ 0300-5864762

☆☆☆☆☆

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	12
2	حالاتِ مصنف بقلم مصنف	15
3	ابتدائیہ	29
4	فتویٰ کی اہمیت اور مفتیان کرام کی شرعی ذمہ داریاں	30
5	جہاد کی کل ممکنہ صورتیں	37
6	شرعی جہاد کے مراتب یکساں نہیں ہیں	42
7	قرآن وسُنت کے عمومی احکام کا ضابطہ کلیہ ہونا	46
8	اپنی ہلاکت کا یقین ہونا حرام موت کو مستلزم نہیں ہے	47
9	ضروری وضاحت اور تحقیق مقام	48
10	اسلامی جہاد کے جواز کے لیے پہلی شرط کا فلسفہ	49
11	اسلامی جہاد کے جواز کے لیے دوسری شرط کا فلسفہ	50
12	اسلامی جہاد کے لیے تیسری شرط کا فلسفہ	53
13	جہاد کے لُغوی مفہوم کی قرآنی مثالیں	54
14	جہاد کے شرعی مفہوم کی قرآنی مثالیں	55
15	لفظ جہاد ومجاہدہ کے شرعی مفہوم کا کلی مشکک ہونا	58
16	ایک ناقابل فہم روش پر رد	64

17	متضاد شرائط کے حامل جہادوں کی شرعی حیثیت پر فقہی دلیل	65
18	جہاد کی مختلف قسموں کے اپنے اپنے موسم اور تقاضے	68
19	جہاد کی مختلف قسموں کے احکام	74
20	جہاد کا جامع ترین مفہوم	75
21	ایک سوال اور اُس کا جواب	83
22	عصرِ حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل	88
23	ایک اہم مغالطہ اور اُس کا جواب	94
24	اسلامی ریاست اور مسلم قومی ریاست کا فرق	100
25	نظام مصطفیٰ ﷺ کا پوری اُمت کے لیے بمنزلہ گھر ہونا	104
26	پرائیوٹ عسکری تنظیموں کی شرعی حیثیت	107
27	پرائیوٹ عسکری تنظیموں پر جہاد لازم ہونے کی خاص صورت	108
28	خودکشی کا حقیقی مفہوم	110
29	فداکاری کا حقیقی مفہوم	111
30	ایک مغالطہ کا ازالہ	113
31	وضاحت در وضاحت	117
32	گنجے کو خدا ناخن نہ دے	119
33	ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کا فلسفہ	123
34	دہشت گردی کی تعریف	125
35	مصرف جہاد کا امر واقع ہونے کی پہچان و معیار	132

36	مسلم کشی کرنے والوں کا خارج اسلام ہونا	135
37	مذہب کے نام پر مسلم کشی کا سب سے بڑا گناہ ہونا	137
38	مسلم کش دہشت گردوں کا مباح الدم ہونا	138
39	مسلم کشی کے درپے رہنے والوں کا جہنمی ہونا	140
40	مذہبی عصبیت کی موت جاہلیت کی موت ہونا	142
41	ہر کافر مسلح جہاد کا مصرف نہیں ہوتا	143
42	کیا پاکستان کا فیصلہ ناجائز وکفر تھا	146
43	مجاہدین کو کن اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے	156
44	عادتِ الٰہی کا کرشمہ	167
45	امارت اسلامیہ افغانستان اور طالبان کے اسباب عروج وزوال پر ایک نظر	171
46	ایک سوال کا جواب	185
47	یہودی ریاست کا قیام	192
48	یہودیوں کو دی گئی سزاؤں میں مسلمانوں کو سبق	197
49	ایک اشتباہ کا ازالہ	199
50	میزان کی تعریف وحقیقت	205
51	قرآن شریف کتاب تذکیر ونصیحت	210
52	عالم اسلام کے حوالہ سے امریکہ کا کردار	212
53	طالبان اور امریکہ کے حوالہ سے اُسامہ بن لادن کا کردار	214
54	ایک سوال کا جواب	218

55	خود کش حملوں کی مختلف صورتوں کا جائزہ	220
56	شرعی احکام اور تبلیغِ اسلام	224
57	قیام پاکستان اور مسلم خواتین کی جانبازیاں	229
58	وضاحت در وضاحت	231
59	ضمنی فائدہ اور علماء عصر کو سبق	233
60	کیا مسلم کُشی افضل الجہاد ہو سکتی ہے؟	236
61	ایک اشتباہ اور اُس کا ازالہ	238
62	فتنہ خوارج کا تسلسل	242
63	فتنہ خوارج کا دوسرا ظہور	243
64	فدائی حملوں کی جائز صورتیں	254
65	فلسطینی مسلمانوں کے فدائی حملے	255
66	اہل حق کے وجود مسعود سے زمین خالی نہیں ہوتی	256
67	ایک اشتباہ اور اُس کا ازالہ	259
68	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فدائی حملے	262
69	فدائی حملوں کی جائز صورتوں کا جائزہ	267
70	دورِ ملوکیت کے ستم بالائے ستم	271
71	امام سرخسی کی عبارت سے فدائی حملوں کی مزید صورتوں کا ثبوت	272
72	سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۷ سے فدا کاری کے جواز پر استدلال	273
73	آیت کریمہ سے فدا کاری کے جواز پر استدلال کی نوعیت	277

74	فصوص الحکم کے بصیرت افروز نکات	281
75	مہر آباد شریف کی حسین یادیں	284
76	فداکاری کے جواز پر دوسری آیت سے استدلال	295
77	اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسانوں کی ملکیت میں فرق	298
78	ایک اشکال اور اُس کا جواب	305
79	آیت کریمہ سے استدلال کا خلاصہ	306
80	فداکاری کی جائز صورتوں کا امانتداری کے تقاضے ہونے کا مطلب	309
81	امانت الٰہی کی تشریح	310
82	سورۃ احزاب کی آخری آیات سے استدلال کی نوعیت	319
83	اختتامیہ	325

پیش لفظ

عصر حاضر کی عظیم علمی و روحانی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا سے پردہ فرمائے ایک سال ہونے کو آرہا ہے لیکن دنیا کی تمام تر ہمہ ہمی اور مصروفیات کے باوجود آج بھی جب یہ تصور بندھتا ہے کہ مولانا اب ہمارے درمیان نہیں ہیں تو دل کٹنے لگتا ہے۔ اِک کسک اس طرح اُٹھتی ہے کہ اس تکلیف سے دامن چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا مرحوم ہماری تسکین اور راہنمائی کے لیے اپنی کتب کا وہ علمی ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں جو انشاء اللہ العزیز اُن کو کبھی بھی مرنے نہیں دے گا۔ ویسے بھی

گئے کب وہ دل سے ہمارے گئے ہیں ۔۔۔ فقط وہ تو محفل سے اُٹھ کے گئے ہیں

حضرت کی تحریر کا یہ اعجاز ہے یا اُن کے خلوص کی کرامت ہے کہ آج بھی اُن کی تحریر پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے گویا وہ اپنی تحریر کے ذریعہ مجھ سے ہم کلام ہیں۔ جتنی دیر آپ اِن کی تحریر کی دنیا میں رہتے ہیں مولانا اپنے مخصوص جملوں، مخصوص طرزِ ادائی کے سبب آپ کے قریب، بہت قریب رہتے ہیں لیکن جیسے ہی کتاب کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی بے رنگ اور پُرآشوب زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو مولانا ہم سے دور بہت دور چلے جاتے ہیں۔ جیسے وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہوں کہ میرا اور آپ کا ساتھ قال اللہ، قال الرسول تک تھا اور اب آپ جب کہ مطالعہ سے فارغ ہو کر فانی زندگی کی جانب متوجہ ہو گئے تو میں بھی اپنی روحانی زندگی کی جانب لوٹ رہا ہوں۔

ٹوٹ کر ہم کو چاہنے والے ۔۔۔ کس طرح ہم کو چھوڑ جاتے ہیں

''فدائی حملوں کی شرعی حیثیت'' مولانا مرحوم کی وہ تحریر ہے جو رسالہ ''آوازِ حق'' میں قسط در قسط کئی سالوں پر محیط سلسلہ تھا۔ ایک تو رسالہ ''آوازِ حق'' پھر لکھاری خود بھی دبنگ آوازِ حق نتیجہ یہ

نکلا کہ حق کی اِس آواز کو جب زورِ قلم سے مٹانا اور رد کرنا ممکن نظر نہیں آیا تو جان لینے کی دھمکیوں سے اس آواز کو دبانے کی کوشش کی جاتی رہی لیکن جو لوگ اللہ کی خاطر قلم کا جہاد کر رہے ہوں اِن کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آتی۔ حضرت مولانا مرحوم نے ثابت قدمی سے اپنے موقف کا بیان جاری رکھا اور بہ حسن وخوبی نہ صرف انجام تک پہنچایا بلکہ اپنی حیات میں ہی اس کا پہلا ایڈیشن کتابی صورت میں شائع کر دیا تھا۔

مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ استدلال اس قدر علمیت اور جامعیت سے آراستہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دلیل کے لیے دورِ حاضر کے گروہی اختلافات سے آلودہ شخصیات کے حوالہ جات کے بجائے براہِ راست قرآن پاک اور کتبِ احادیث معتبرہ، نیز اُن شارحینِ قرآن وحدیث سے استنباط کرتے ہیں جن کی عظمت وشان ماننا اپنے اور پرائے سب کے لیے قابلِ قبول ہی نہیں بلکہ مجبوری ہوتی ہے۔ چنانچہ اُن کی بلند پایہ تحقیق کا علمی معیار بھی اِس قدر بلند ہو جاتا ہے کہ آپ کی تحریر عام قاری تو کیا اچھی خاصی سطح علمی کے حامل مولانا صاحبان کی بھی ذہنی اور علمی سطح سے خاصی بلند نظر آتی ہے۔

مسئلہ زیر بحث جو بھی ہو آپ اس کے ہر امکانی پہلو پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہیں۔ سوال در سوال اور وضاحت در وضاحت کا ایسا سلسلہ بن جاتا ہے کہ موضوع زیرِ غور سے جُڑے دیگر کئی مسائل بھی کھلتے چلے جاتے ہیں اور مسائل کا حل بھی جزو تحریر ہو جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب میرے دعوے کی بہترین دلیل ہے۔ ابتدائی طور پر یہ جہاد کے موضوع پر ایک فتویٰ تھا جس کے تصدیق اور توثیق مولانا مرحوم سے بھی چاہی گئی تھی۔ لیکن آپ نے اس حوالے سے اور اس کے متعلقات سے ایسی بحث کی کہ یہ بجائے خود تین سو (300) سے زائد صفحات پر مشتمل ایسی کتاب وجود میں آ گئی جس میں جہاد کے لفظی اور اصطلاحی معانی سے کلام کا آغاز کیا گیا۔

جہاد کی اقسام، جہاد کی شرعی حیثیت، نجی عسکری تنظیموں کی شرعی حیثیت، نجی عسکری تنظیموں

پر جہاد لازم ہونے کی خاص صورت، خودکشی کی حقیقت، فداکاری کا حقیقی مفہوم، مسئلہ جہاد کی نوعیت کے اعتبار سے پیدا ہونے والے مغالطوں کی وضاحت ہی نہیں وضاحت در وضاحت، ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کا فلسفہ، دہشت گردی کی تعریف، مسلم کُشی کرنے پر خارج از اسلام ہونا، مذہبی عصبیت کی موت، جاہلیت کی موت، امارتِ اسلامیہ افغانستان اور طالبان کا عروج اور زوال ایک نظر میں، خودکُش حملوں کی مختلف صورتیں، فتنۂ خوارج کا تسلسل، فدائی حملوں کی جائز صورتیں، اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسانوں کی ملکیت کا فرق، اور ایسے کتنے پہلو اس بحث کے نتیجہ میں ہمارے سامنے آ گئے۔

''مَوتُ العَالِم مَوتُ العَالَم'' ایک حقیقت ہے۔ ہمارے ہاں کم علمی اور قحط الرجال کے دور میں ہر علمی شخصیت کے انتقال کے موقع پر یہ قولِ زریں استعمال کیا جاتا ہے لیکن بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ موت العالِم کو موت العالَم کہنے کے لیے عالِم کا علمی قد کاٹھ کم از کم مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہونا لازم ہے بصورتِ دیگر ''مَوتُ العَالِم مَوتُ العَالَم'' جیسا عظیم قول اپنی معنویت کھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

الحمدللہ مولانا مرحوم کا فیض اُن کے جگر گوشہ، اُن کے خلیفۂ مجاز، ان کے شاگردِ رشید و سعید، ان کی علمی باقیات پروفیسر ڈاکٹر صدیق علی چشتی دام اقبالہ کے ذریعہ جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ رب کریم جلّ مجدہ اِن کی عمر میں، ان کی صلاحیتوں میں، اِن کے حسنِ انتظام میں اِن کے علم اور کلام پر اتنی ترقی عطا فرمائے کہ ہم ''کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ'' کے اُصول کو تسلیم کرنے کے بعد دل سے یہ بھی تسلیم کر لیں کہ اب حضرت مولانا پیر محمد چشتی رحمہ اللہ اپنے جگر بند کی صورت میں ہمارے سامنے جلوہ افروز ہیں۔

پروفیسر سید آلِ اظہر

حالاتِ مصنف بقلمِ مصنف

﴿نوٹ:۔زیرِ نظر مضمون حضرت شیخ المشائخ قبلہ پیر محمد چشتی صاحب نے اپنی حیات میں ہی آج سے قریباً پانچ (۵) سال قبل سپردِ قلم کیا تھا۔لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اِس مضمون کو اُسی تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔﴾

آج 2010ء سے تقریباً 73 سال قبل شاگروم میں پیدا ہوا۔ شاگروم نام کا یہ وسیع و عریض گاؤں درہ تریچ کی آخری آبادی ہے ضلع چترال تحصیل ملکھو کا یہ درہ میری پیدائش سے پہلے بھی مردم خیزی میں مشہور تھا جس میں نوابی دور کے علم دشمن ماحول میں بھی محمد جناب شاہ اور قاضی بدر الدین خواجہ جیسی ہستیاں بالترتیب عصری اور مذہبی علوم کی روشنی پھیلا رہی تھیں۔ نوابوں کے تعلیم دشمن ماحول سے آزادی اور ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہو جانے کے بعد بھی چترال کے اِس درہ سے اچھے خاصے اہل علم پیدا ہوئے میری پیدائش ریاستی دور کے جس ماحول میں ہوئی وہ کچھ اِس طرح تھا کہ نوابوں کے بچوں کیلئے ابتدائی تعلیم کا انتظام مقامی طور پر میسّر تھا جبکہ قرآن شریف ناظرہ پڑھنے اور نماز وروزہ جیسے ضروری احکام سے روشناس ہونے کے ساتھ مڈل تک دُنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے پشاور، دہلی، لاہور اور انگلینڈ کا رُخ کیا کرتے تھے جبکہ رعایا کے بچوں کی تعلیم کا قطعاً کوئی انتظام ہی نہیں تھا مگر یہ کہ نوابوں کے کارندوں سے چھپ کر ریاست کی حدود سے نکلنے میں کامیاب ہوتا تو سفر و غربت اور بے وطنی کی صعوبتیں برداشت کر کے مذہبی یا عصری تعلیم کی کچھ روشنی پاتا جن کی تعداد اکائیوں سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

فقدانِ تعلیم کی اِس بدحالی کے ساتھ معاشی زبوں حالی کا یہ عالم تھا کہ نوابوں کی گزر اوقات رعایا سے ظلماً وصول کیے جانے والے غلہ ہائے عشر پر ہوا کرتی تھی تو عام آدمیوں کی معیشت کا کہنا ہی کیا تھا درہ تریچ میں سب سے زیادہ قطعہ اراضی کے مالک ہونے کے باوجود ہمارے خاندان میں بھی عمومی خوراک جو کی روٹی یا باجرہ کی روٹی ہوا کرتی تھی لیکن اِس کے ساتھ ہمارے

خاندان پر ربّ کریم جَلَّ جَلَالَهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ کا خاص کرم یہ تھا کہ ہرن کے گوشت سے ہمارا گھر کبھی خالی نہ ہوتا تھا، میرے دادا جان (نام رحیم ولد عبدالکریم) جو اپنے وقت کے خدارسیدہ بزرگ تھے۔ وفاداری، امانتداری، سخاوت، شجاعت اور صدقِ لہجہ میں مشہور تھے جن کی وفا شعاری کو دیکھ کر مہتر چترال نواب محمد ناصرالملک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ نے اُنہیں امین دربار کے عہدے پر فائز کیا تھا جس کی بدولت اُن کے بیٹوں کو شاگروم سے ملحق بالائی شکارگاہوں کی اختیارداری اور ہر جگہ سے شکار کی اجازت تھی۔ میرے تایا شہزادہ رحیم (مرحوم) سرکاری شکاری ہونے کی بنا پر پورے چترال میں شکاری کے نام سے ہی مشہور تھے میرے (مرحوم) والد اُن سے عمر میں تقریباً تین سال چھوٹے تھے، گھریلو ذمہ داریوں سے زمینوں کی دیکھ بھال تک جملہ انتظامات کے نگران تھے جبکہ میرے چھوٹے چچا امام رحیم (مرحوم) اُن کے نائب و معاون تھے۔ میرے والد محمد رحیم ولد نام رحیم ہرن کے شکار سے لے کر ہر موسم کے پرندوں تک کا شکار کرنے میں پورے درہ تریچ میں اپنی مثال آپ تھے۔ شانِ قدرت ہے کہ شکار کر کے کھانے اور کھلانے والے اِس عظیم شکاری کو اِس حوالہ سے وہ شہرت نہیں ملی جو اُن کے بڑے بھائی شہزادہ رحیم کو ملی۔

علاقائی ماحول اور خاندانی روایات کا شعور پانے کے بعد میں بھی اُس راہ پر چلنے لگا جس پر چلتے ہوئے اپنے بڑوں کو دیکھا تھا لیکن شکار کے حوالہ سے میرے اور میرے بڑے بھائی جان مولانا شیر محمد مدظلہ العالی کا معاملہ اپنے بزرگوں سے مختلف رہا کیوں کہ ہمارے والد مرحوم و مغفور نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف اپنے بڑے بھائی سے کئی گنا زیادہ فعّال اور ہر موسم کے شکار کا بہترین شکاری ہونے کے باوجود اپنے بڑے بھائی جیسی شہرت اِس حوالہ سے نہ پاسکے جبکہ میرے بڑے بھائی میرے مقابلہ میں کئی گنا اچھا شکاری ہوتے ہوئے بھی اِس حوالہ سے میری شہرت کو نہ پہنچ پائے حالانکہ وہ ہر موسم کے اچھے شکاری تھے چھوٹے پرندوں کے شکار کے حوالہ سے میری فنکاری کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی درخت کے نیچے بیٹھ کر گھنٹہ سے دو گھنٹے کے دورانیہ میں پچاس ساٹھ کی تعداد میں

پرندے مار گراتا تھا مجھے مواد پہنچانے اور ذبح کرنے پر مقرر لڑکوں کا کہنا ہے کہ روزانہ کی یہ تعداد دوسو سے بھی زیادہ ہوا کرتی تھی۔ صحیح تعداد کے متعلق حتمی صورت مجھے یاد نہیں ہے۔(وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

یہاں پر شاید قارئین کو اُن پرندوں سے متعلق تعجب ہو کہ اِس کثرت سے آنے والے وہ کیسے پرندے ہونگے اور وہ شکارگاہ کیسی ہوگی؟ تو اِس کے متعلق یہ ہے کہ اُن دِنوں میں یعنی آج سے تقریباً نصف صدی قبل ہر قسم شکار کی بہتات ہونے کی طرح گندم اور باجرہ کی فصل جب پکنے کے قریب ہوتی تھی تو اُسے کھانے کے لیے پرندوں کی یہ نسل کثیر تعداد میں آیا کرتی تھی۔ جس کو کھوار زبان میں شوپچ کہا جاتا ہے جو جسامت میں اندازاً تین چڑیوں کے برابر ہوتا ہے اور رنگت کے اعتبار سے اُن کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک خاکستری سفید، دوسری وہ جس کا سر اور گردن سمیت سینے کا بالائی حصہ سرخ باقی سارا حصہ خاکستری جو خوبصورتی و دلکشی میں اپنی مثال آپ ہے اور گوشت اُس کا بہت لذیذ ہوتا ہے۔ درہ تریچ سمیت چترال کے بالائی حصہ کی تینوں تحصیلوں میں اُس کی کثرت کیساتھ آمد کا موسم ماہ ستمبر ہوا کرتا تھا لیکن دُنیا کی ارتقائی زندگی کے دوسرے شعبوں میں نمایاں تبدیلیاں آنے کی طرح ہر موسم کے شکار میں بھی کافی حد تک تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ کیمیائی کھاد کی وجہ سے گندم کی پیداوار زیادہ ہونے کی بناء پر باجرہ کی کاشت ہی ہمارے علاقہ سے ناپید ہو چکی ہے یہ باجرہ بھی خاص نسل کا ہوتا تھا جس کو کھوار زبان میں اُڑین کہا جاتا تھا جو آج سے نصف صدی قبل ہماری عمومی خوراک ہوا کرتا تھا اور گندم کی فصل ستمبر میں پکنے کے بجائے ترقی کر کے اگست کے اوائل میں ہی تیار ہوتی ہے جس وجہ سے شوپچ کی اُس کثرت سے آمد رہی نہ اُس کے شکار کا رواج۔ اگر کوئی اِکا دُکا دانہ اُڑتا ہوا نظر آتا ہے اُسے ماضی کی یادگار تصور کیا جاتا ہے۔ جس درخت کو میں نے شکارگاہ بنایا ہوا تھا وہ شتلک کی درمیانہ سائز کی لمبائی والا درخت تھا جس کی لمبائی اندازاً ۱۵ سے ۲۰ فٹ تک ہوگی جس کے نیچے اندازاً آٹھ کنال میں پھیلی ہوئی گندم کی فصل اور بعض سالوں میں اُڑین کی فصل ہوا کرتی تھی۔ وہ دلکش و حسین منظر میرے لئے بھولنے کی چیز نہیں ہے جب لیسبرک دَاشپیرُ و سرک شوپچ کا روم (سیل) آ کر اُوپر سے درخت کو ڈھانپتا تھا

اور نیچے سے میں شونجور سے اُنہیں مار گرایا کرتا تھا۔ الغرض اُس وقت کے شکار کے حوالہ سے اپنے ماضی کے رَکن رَکن حسین جھروکوں کا تصور نہیں کرتا بلکہ ایک ایک کے تصور پر کلامِ اِقبال بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ ع

یاد آتا ہے مجھ کو گزرا ہوا زمانہ

مذہبی تعلیم میں آنے کے غیبی اسباب:۔ برادری کی بزرگ ہستی صوفی گل محمد مرحوم کے پاس دوسرے لڑکوں کے ہمراہ قرآن شریف کا ناظرہ سبق پڑھ رہا تھا۔ ایک دن سبق یاد نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ہاتھوں مار پڑی اُنہوں نے کہا کہ ''شیر ڈشمن بتی گوئے تہ کریتو کتابان برے تان اَچاکسیر'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ شیر محمد عالم دین بن کر آئے گا تجھ پر کتابیں لاد کر اپنے پیچھے پھیرائے گا۔ مزید وضاحت اِس کی یہ ہے کہ میرے بڑے بھائی صاحب کا نام شیر محمد ہے جس کو لڑکپن میں شیر کہہ کر پکارا جاتا تھا اور وہ مذہبی تعلیم کے لیے مسافرت میں تھا۔

صوفی گل محمد کی اِس بات کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں نے بھی مذہبی تعلیم کے لیے مسافرت اختیار کی، عرصہ ایک سال تک انگور کلی علاقہ ورسک چارسدہ میں ترکی حاجی صاحب مرحوم کے مدرسہ میں اپنے بڑے بھائی مولانا شیر محمد اور گاؤں کے اور چند لڑکوں کے ہمراہ مولانا عبدالعزیز چترالی (مرحوم) کے درس میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ دوسرے سال میں پشاور شہر میں آ کر اُس وقت کے دارالعلوم سرحد واقع مسجد غلام جیلانی میں داخلہ لیا تقریباً تین سال تک یہیں پر ابتدائی کتابیں حضرت مولانا مفتی عبداللطیف، حضرت مولانا پائندہ محمد عرف کابل اُستاذ، حضرت مولانا محمد عمر چکسر استاذ جیسے کہنہ مشق و مشفق اساتذہ سے پڑھی۔ اِس دوران کے میرے رفقاءِ درس میں سے مولانا محمد وزیر سکنہ نشکو چترال (مرحوم)، مولانا کبیر شاہ سکنہ مدک چترال (حیات)، مولانا حاجی ابراہیم سکنہ ورکوپ چترال (حیات)، مجھے یاد ہیں جو ہر اعتبار سے قابلِ ستائش طلباء تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے اِن تین سالوں میں دارالعلوم کے تمام طلباء میں نمایاں حیثیت رہی کسی بھی کتاب اور کسی بھی امتحان میں کوئی اور مجھ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے نہیں پایا۔ اِس پر

مستزاد یہ کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں طلباء کی نمائندگی کرتے ہوئے عربی زبان میں جو تقریر کیا کرتا تھا وہ مزید شہرت کا سبب بنی۔ تین سال یہیں پر اوسط درجہ تک کتابیں پڑھنے کے بعد اُس وقت کے جامعہ اشرفیہ واقع ہندو متروکہ بلڈنگ نیلا گنبد لاہور چلا گیا لیکن لیٹ پہنچنے کی وجہ سے داخلہ نہ مل سکا تو مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں داخلہ لیا لیکن اسباق میں تسلی نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ کر اُس وقت کے احسن المدارس واقع جامع مسجد الحنفیہ راولپنڈی میں جا کر داخلہ لیا اور مولانا اللہ بخش نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ اور سید عارف اللہ شاہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی نگرانی میں چند کتابیں پڑھ کر سالانہ ماہ رمضان کی تعطیلات میں دورہ تفسیر پڑھنے کے لیے وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حضرت ابوالحقائق مولانا عبدالغفور ہزاروی کے درس تفسیر میں شامل ہوا۔ جس میں (40) شرکاء درس میں سے جن رفقاء کے نام مجھے یاد ہیں، اُن میں:

1. پیر طریقت رہبر شریعت مولانا علاءالدین صدیقی مالک النور چینل انگلینڈ (حیات)۔
2. مولانا عبداللہ شاہ (مرحوم) مہتمم مدرسہ انوارالابرار ملتان۔
3. مولانا حافظ فضل احمد حال امریکہ۔
4. مولانا شیخ الحدیث نور حسین شیخ الدرس جامعہ مراڑیاں شریف گجرات۔
5. مولانا صادق شاہ کشمیری جن کی حیات و ممات کا علم نہیں ہے۔
6. پیر طریقت رہبر شریعت مولانا عابد حسین شاہ م (مرحوم) جو حضرت جماعت علی شاہ محدث علی پوری نارووال پنجاب کے سجادہ نشین تھے۔
7. مولانا مفتی عبدالشکور جو حضرت ابوالحقائق نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ کے صاحبزادے تھے جو اَب مرحوم ہو چکے ہیں۔

وزیر آباد کے دورہ تفسیر میں چالیس (40) دن کا دورانیہ کامیابی کیساتھ گزارنے اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد دوسرے سال مولانا غلام رسول رضوی شیخ الحدیث و بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے درس میں شامل ہوا اِس دوران اُن سے استفادہ کرنے کے علاوہ اُس

وقت کے متعدد مشاہیر علماء لاہور سے بھی مستفیض ہونے کا اچھا موقع مل گیا۔ تعلیمی سال یہیں پر کامیابی کے ساتھ گزارنے اور امتیازی پوزیشن پانے کے بعد حضرت استاذ العلماء دُنیائے تدریس کے تاجدار مولانا عطاء محمد چشتی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے درس میں سیال شریف حاضر ہوا یہیں پر ایک سال کامیابی کے ساتھ گزارنے کے بعد جب استاذ مکرم بندیال کو منتقل ہوئے اُن کی ہمراہی میں وہیں جا کر دو سال تک حضرت کی کفش برداری کی سعادت پائی۔ سیال شریف سے لے کر بندیال شریف تک اِس دورانیہ میں حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحق بندیالوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی، حضرت شیخ المعقولات والمنقولات مولانا غلام محمد تونسوی جیسے قابل فخر رفقاءِ درس کی معیت رہی، بحمدہ سبحانہٗ وتعالیٰ ابتک یہ سب کے سب حیات ہیں، جو علمی امانت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

درس نظامی کی آخری کتابوں کے اختتام پر غالباً 1961ء تھا، ملتان جا کر دورہ حدیث شریف کی تکمیل کے لیے شیخ الحدیث مولانا السید احمد سعید الکاظمی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے درس حدیث میں شامل ہوا، اُسی سال تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی بنیاد بھی رکھی گئی تھی جس کے صدر حضرت غزالی زماں اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام جہانیاں سکنہ ڈیرہ غازی خان مقرر ہوئے تھے اُن ہی کی کوششوں سے 1961ء میں تنظیم المدارس پاکستان کے زیر انتظام مدارس کے اُن طلباء کا تحریری امتحان لیا گیا تھا جو دورہ حدیث پڑھ کر فارغ تحصیل ہونے والے تھے وَن یونٹ کا زمانہ تھا موجودہ پاکستان کے چاروں صوبوں کو ملا کر مغربی پاکستان کہا جاتا تھا، سیاسی آزادی نہیں تھی، فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان (مرحوم) کا دور تھا، ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) ایوب خان کے وزیر خارجہ تھے۔ تنظیم المدارس پاکستان کے اُس تاریخی امتحان میں مجھے ملک بھر سے فارغ تحصیل ہونے والوں میں پہلی پوزیشن پانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جس کے بعد میری تدریسی خدمات حاصل کرنے کیلئے جامعہ غوثیہ کہروڑ پکا ملتان، جامعہ نعیمیہ لاہور، جامعہ سراج العلوم خانپور رحیم یار خان کے منتظمین ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے جبکہ میرے شیخ فی الحدیث حضرت غزالی

زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ مجھے اپنے مدرسہ انوار العلوم ملتان میں ہی مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن خانپور کے حافظ سراج احمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی طلب کو اپنی پسند پر ترجیح دیتے ہوئے مجھے خانپور ضلع رحیم یار خان بھیج دیا۔ جہاں پر تقریباً دو سال تک منتہی طلباء کو پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی جن میں سے مولانا سید محمد فاروق القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ، گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان، مولانا عزیز الرحمٰن درانی سکنہ خانپور، مولانا حافظ محمد خان، مولانا محمد احمد سکنہ خاص رحیم یار خان حال انگلینڈ، مولانا نذیر احمد حال مقیم مکہ معظّمہ، مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم سکنہ دنین چترال کے نام اِس وقت یاد ہیں جبکہ حافظ سراج احمد مرحوم اور اُن کے صاحبزادے مولانا مختار احمد درانی مہتمم مدرسہ سراج العلوم جس اخلاص ومحبت سے پیش آتے رہے، وہ اب بھی مجھے یاد ہے۔

1964ء میں جب جامعہ عباسیہ بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل ہو کر تخصّص فی التفسیر والحدیث کے لیے اُمیدواروں کو امتحان کے لیے بلایا گیا میں بھی اپنے شیخ فی الحدیث کی ہدایات کے مطابق سراج العلوم خانپور کی تدریس سے استعفیٰ دے کر اُس میں شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی توفیق سے اُس تاریخی امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کی جس کا ملک بھر میں چرچا ہوا، سکالر شپ کے خصوصی اعزاز کے ساتھ تخصّص فی التفسیر والحدیث کی کلاسوں سے مستفیض ہونے کے ابھی صرف چھ (6) ماہ گزرے تھے کہ جامعہ انوار العلوم ملتان کے طلباء نے کچھ داخلی سازشیوں کے دخل عمل سے ہنگامہ برپا کیا تو حضرت غزالی زماں نے حالات کنٹرول کرنے کے لیے شیخ الدرس بنا کر انوار العلوم ملتان بھیج دیا۔ شبانہ وروز محنت کر کے جب یہاں پر خوشگوار علمی فضا قائم کرنے میں کامیاب ہوا تو یہاں کے کچھ کہنہ مشق سازشیوں نے میری سادگی اور نوجوانی کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھا کر اعتماد کا ایسا دھوکہ دیا کہ حضرت غزالی زماں اور مفتی مسعود علی القادری رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی سے ہدایات لیے بغیر محض سازشیوں کے دھوکہ میں آ کر موسم گرما کی تعطیلات کا اعلان کر دیا۔ میرا یہ فیصلہ نہ صرف دینی مدارس کے مزاج وروایت کے منافی تھا بلکہ ہر اعتبار سے نامناسب

وغلط تھا مجھے اپنی اِس غلطی کا احساس تب ہوا جب حضرت غزالی زماں نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ کی طرف سے تفصیلی خط گھر کے پتہ پر وصول ہوا، جس میں اِس کے پس منظر سے مجھے آگاہ کرنے کے ساتھ اِس کو نوجوانی کی ناتجربہ کاری اور حاسدوں کی سازش سے بے علمی کا نتیجہ قرار دے کر مجھے جلد از جلد انوار العلوم واپس پہنچنے کا فرمایا گیا تھا۔ حضرت کا یہ مکتوب گرامی اُس وقت مجھے وصول ہوا جب میں بیماری سے نڈھال تھا اور علاج کے لیے میوہسپتال لاہور جانے کی تیاری تھی جس کے بعد حضرت مفتی اعجاز ولی شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ کی وساطت سے میوہسپتال لاہور کے ایک بڑے ڈاکٹر جو پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم کے برادرِ محترم تھے جن کا نامِ گرامی یاد نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ اُس جہاں میں اُنہیں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے کی نگرانی میں زیرِ علاج رہا۔ تقریباً تین ماہ لاہور میں علاج کے اِس دورانیہ میں جامعہ نظامیہ لاہور میں بڑی کلاسوں کو چند اسباق بھی پڑھاتا رہا، اِس دوران مجھ سے استفادہ کرنے والوں میں سے قاری خوشی محمد مرحوم اور مولانا حکیم اللہ اوگی مانسہرہ (ابھی حیات ہے) کے نام اِس وقت یاد ہیں۔

علاج سے فائدہ نہ ہونے پر کچھ تجربہ کار حضرات کے مشورے اور حضرت غزالی زماں کی نگرانی میں حضرت کے ہمسایہ حکیم عطاء اللہ مرحوم سکنہ محلّہ قدیر آباد ملتان کے پاس پہنچا۔ نبض دیکھ کر اُنھوں نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ جگر کی حرارت حد اعتدال سے تجاوز کیے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، ڈاکٹروں کی غلط تشخیص اور بے مصرف گرم دوائیوں نے ''جلتے پر تیل کا کام'' کیا ہے۔ انجام کار حکیم عطاء اللہ مرحوم کے علاج سے چند ہفتوں میں بیماری سے نجات پانے کے بعد تصوف کی جان ''فُصوص الحِکَم'' شریف پڑھنے کا دیرینہ شوق پورا کرنے کے لیے حضرت غزالی زماں کی اجازت سے مہرآباد شریف گوگڑاں، ضلع لودھراں امام الواصلین، افضل العالمین، سند الکاملین، جامع المعقول والمنقول سیدی وسندی ومرشدی امام شاہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ کی خدمت میں مہرآباد شریف پہنچا۔ صحیح النسب بخاری سادات کی یہ بستی کسی وقت ''چاہ نبی والا'' کے نام

سے مشہور تھی، لیکن حضرت امام الواصلین کی علمی شخصیت، قال اللہ قال الرسول کی تعلیم و تبلیغ اور خلق خدا کی روحانی تربیت کی بدولت آہستہ آہستہ بستی کا نام تبدیل ہو کر سیدوں کی بستی مشہور ہونے لگی اور جس روز حضرت پیر مہر علی شاہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے اپنے چہیتے خلیفہ کی احوال پرسی کے لیے یہاں پر قدم رنجہ فرمایا اُس دن سے اِس کا نام مہر آباد شریف پڑ گیا اور یہ دلکش نام اتنا مشہور ہوا کہ نئی نسل کو پرانے نام کا پتہ ہی نہیں ہے یہیں پر ڈیڑھ ماہ میں حضرت امام الواصلین نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف سے فصوص الحکم شریف کا درس سبقاً سبقاً پڑھا۔

درس کے اختتام پر عید الفطر کی صبح کو عید گاہ جانے سے قبل اپنے مبارک ہاتھوں سے میری دستار بندی فرمائی۔ یہاں پر اگر مہر آباد شریف میں قیام کے دوران حضرت کے لیل و النہار کے حوالہ سے اپنے حسین مشاہدات کا تذکرہ کروں یا فصوص الحکم شریف کے درس کے حوالہ سے فیوضات و برکات اور مکاشفات کی تفصیل میں جاؤں تو اِس سے مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن میں نے یہیں پر اپنے ماضی کے جھروکوں کی صرف اور صرف اجمالی جھلک ضبط تحریر میں لانے کے سوا اور کچھ نہ کرنے کا التزام کیا ہوا ہے ورنہ مہر آباد شریف سے میری کافی سے زیادہ حسین یادیں وابستہ ہیں۔ تاہم فرمان الٰہی ''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ''(۱) پر عمل کرتے ہوئے اِس حقیقت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت کے فیض رساں درس میں فصوص الحکم شریف پڑھنے کے بعد شرح صدر کی وہ توفیق مجھے میسّر ہوئی جس کے بعد الٰہیات کے مشکل سے مشکل مسائل آسان ہونے لگے، درس نظامی کے جملہ فنون و کتب میں پوشیدہ رموز کا عقدہ کھلنے لگا اور بالخصوص قرآن و سنت کے معارف تک رسائی کی سبیل میسر ہوئی جسکے بعد فتاویٰ درالمختار کی اُس بات پر مجھے حق الیقین کا درجہ حاصل ہوا جو اُنہوں نے امام مجدالدین فیروز آبادی صاحب القاموس فی اللغۃ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وَمِن خواص كُتُبِه اَنَّ مَن واظَبَ على مطالعتها انشرحَ صدرُه لفك

۱۔ الضحیٰ، 11۔

المُعضلاتِ وَحلّ المشکلات"(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو ہمیشہ اُن کا مطالعہ کرتا ہے اُس کو لاینحل اور مشکل مسائل کا عقدہ کھولنے کے لیے شرح صدر کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

اِس کے بعد حضرت غزالی زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی طرف سے جامعہ غوثیہ سکھر جا کر شیخ الدرس کا منصب سنبھالنے کا حکم ملا۔ تقریباً دو سال تک وہیں پر حضرت مولانا مفتی محمد حسین قادری نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی نگرانی میں خدمات انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اِس دوران حضرت مفتی صاحب مرحوم کی کمالِ شفقت ومحبت کیساتھ نواب وحید احمد خان ایڈووکیٹ مرحوم کا اخلاص اور حاجی محمد یعقوب مرحوم اور اُن کے بیٹوں کی میری ساتھ محبت بھولنے کی چیز نہیں ہے۔

یہاں پر مجھ سے درس پڑھنے والے حضرات میں صرف مولانا شمیم الحسن القادری حال خطیب کشمور، مولانا محمد فاروق مرحوم، مولانا مفتی محمد شریف خطیب روہڑی سکھر، مولانا حبیب احمد شیخ الحدیث جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان کے نام یاد ہیں۔

بعدازاں حضرت غزالی زمان کی ہدایات کے مطابق جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور کی بنیاد 31 دسمبر 1966ء کو رکھ کر حسب استطاعت مذہبی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ اب تک میرے حلقہ درس سے بلاواسطہ علم وعمل کی تربیت حاصل کرنے کے بعد نمایاں خدمات انجام دینے والے حیات حضرات میں مندرجہ ذیل کے نام یاد ہیں:

(1) مولانا ڈاکٹر صدیق علی چشتی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

(2) مولانا سید محمد فاروق القادری، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ غفوریہ گڑھی اختیار خان، ضلع رحیم یار خان۔

(3) مولانا شاہ منیر چشتی، شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ جنیدیہ کارخانو خیبر روڈ پشاور۔

۱۔ فتاویٰ الدرالمختار، ج 1، ص 358، مطبوعہ مجتبائی دھلی۔

(4) مولانا سید محمد عرفان المشہدی خطیب یورپ۔

(5) مولانا حبیب احمد نقشبندی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان۔

(6) مولانا محمد قاسم چشتی شیخ الدرس دارالعلوم جامع مسجد العربی النہان، خاران بلوچستان۔

(7) مولانا مفتی غلام صدیق قادری خطیب اعظم کوہ دامن اضاخیل متنی سرحد۔

(8) مولانا محمد صدیق نقشبندی شیخ الدرس دارالعلوم غوثیہ خالو غازی ہری پور۔

(9) مولانا پیر سید شیخ الدرس دارالعلوم قادریہ غفوریہ طارق آباد سوات۔

(10) مولانا قاری محمد انور بیگ امجدی چشتی قادری خطیب الجامع السنہری مسجد پشاور و مہتمم مدرسہ حدیقۃ القرآن پشاور۔

(11) مولانا محمد یعقوب القادری خطیب بروٹھہ اٹک۔

(12) مولانا سید منیر اللہ شاہ قادری خانقاہ قادریہ گڑھی بلوچ پشاور۔

(13) مولانا محمد درود پکتیا افغانستان

(14) مولانا محب الرحمٰن فاروقی ملکھو چترال۔

(15) مولانا قاری عطاء اللہ خطیب بلیم چترال۔

(16) مولانا جہاں شاہ رائین چترال۔

(17) مولانا محمد ضیاء الدین کراچی، اُستاذ جامعہ وقاریہ نارتھ ناظم آباد کراچی۔

(18) مولانا اخونزادہ عبد الرحمٰن لوگر افغانستان۔

(19) مولانا سید محمد صدیق بخاری خطیب شاہور جنوبی وزیرستان۔

(20) مولانا سید افضل مہتمم مدرسہ اسلامیہ حیات العلوم جلال آباد افغانستان۔

(21) مولانا حبیب اللہ خان شیخ الدرس دارالعلوم قادریہ اسبنڑ لوئر دیر۔

(22) مولانا عزیز الرحمٰن درانی خان پور ضلع رحیم یار خان۔

(23) مولانا نعمت اللہ استاذِ جامعہ شمس العلوم نقشبندیہ خاران بلوچستان۔

(24) مولانا شادی خان چشتی خطیب ڈوڈا لکی مروت۔

(25) مولانا صاحبزادہ عبدالولی مہتمم مدرسہ جامعہ مومنیہ قادریہ ماشوگگر ضلع پشاور۔

(26) مولانا صاحبزادہ حمدُ اللہ سجادہ نشین حاجی محمد امین عمرزئی چارسدہ۔

(27) مولانا میاں محمد عمر انبار مہمند ایجنسی۔

(28) مولانا محمد اسحاق صدیقی شیخ الدرس فیضان مدینہ ایبٹ آباد۔

(29) مولانا الشیخ محمد عبداللہ خطیب داوٗدزئی پشاور۔

(30) مولانا محمد صاحب الحق کٹھانہ پاتراک کوہستان ضلع دیر۔

(31) مولانا عبدالقادر چشتی خطیب کالام ضلع سوات۔

(32) مولانا احسان الملک باچا خطیب راموڑہ چکدرہ۔

(33) مولانا صاحبزادہ فضلِ منان خطیب کوہاٹ۔

(34) مولانا نور عزیز چشتی لیکچرار ڈگری کالج بروک وسپور چترال۔

(35) مولانا حبیب اللہ چشتی خطیب پڑانگ غار تنگی۔

(36) مولانا کلیم اللہ اُستاذ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور۔

(37) مولانا قاری محمد حکیم مہتمم وخطیب جامعہ نجم النساء، گلبہار پشاور،......الحمدللہ علی توفیقہ اِفاضہ و تربیت کا یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

عمر کی اِس منزل میں ماضی کے نشیب و فراز کے آئینہ سبق سے جن تلخ و شیرین تجربات کا احساس کررہاہوں اُنہیں آئندہ کی امانتِ حیات کو با مقصد بنانے کے لیے رہنما اُصول سمجھ کر سفرِ حیات طے کررہا ہوں، جن کی کچھ جھلکیاں یہ ہیں۔

جوانی کی عمر میں جو کام مجھے کرنے چاہیے تھے اور جن کو بہتر انداز میں انجام دے سکتا تھا وہ نہ کر

پایا، جس کی سب سے بڑی وجہ مذہبی تعصب سے آلودہ معاشرہ ہے، تحقیق دشمن ماحول اور محدودیت کا زندان ہے، سیاست نا آشنا معاشرہ کا حصہ ہونا ہے، اپنے وجود میں موجود خداداد صلاحیتوں سے بے اعتنائی اور زنگ آلود ماحول کی خرابی سے نا تجربہ کاری تھی۔ اے کاش! عمر کی اِس منزل میں پہنچ کر تجربہ کی جو روشنی محسوس کر رہا ہوں یہ اگر جوانی میں مجھے حاصل ہوتی تو ؏

ہم بھی آدمی تھے بڑے کام کے

○ اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کا بے حد احسان ہے کہ عصبیت کے اُس حصار سے نکال کر حق پرستی، حق جوئی اور حق بینی کی شاہراہِ استقامت پر چلنے کی توفیق دی، لقمۂ حلال نصیب فرمایا، صبرو استقامت اور قناعت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

○ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت مجھ پر یہ بھی ہوئی کہ ابناءِ جنس کی روش کے برعکس کسی مذہبی ادارہ، انجمن، مدرسہ اور کسی بھی فورم کو حصولِ دُنیا کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ عائلی مصارف سے اضافی وسائل کو دینی مدرسہ سے لے کر تبلیغِ حق کی راہ میں صرف کرنے کی توفیق شامل حال رہی، تقریر سے لے کر تحریر تک اور خطابت سے لے کر تدریس تک حسبِ استطاعت جس کی توفیق مل رہی ہے ۔اُسے دُنیاوی لالچ، شہرت، معاوضہ، نام ونمود وغیرہ کسی بھی دُنیوی مفاد سے بالاتر رہ کر حَسْبَةً لِلّٰہ انجام دینے کی بھی توفیق مل رہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان دراحسان اور کرم بالائے کرم سمجھتا ہوں۔

○ رب کریم جَلَّ جَلَالُہٗ کی مجھ پر خصوصی عنایت یہ بھی رہی کہ قناعت کی توفیق سے مجھے نوازا ہے کہ عائلی زندگی میں مابہ الکفاف سے زیادہ کی خواہش کبھی نہیں کی۔ ضروریاتِ زندگی کے تمام گوشوں میں کفایت شعاری کی اِس توفیق کا ثمرہ ہے کہ کئی بار گزراوقات مشکل سے ہونے کے باوجود کسی کو بھی اپنی بے استطاعتی پر مطلع ہونے نہیں دیا، اپنے کسی بھی قریبی دوست احباب اور عقیدت کیشوں کا زیرِ احسان نہ ہوا، ہر حال میں ورثۂ نبوت، محراب ومنبر کے تقدس اور علمی وقار

کے تحفظ کو پیش نظر رکھا۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے قائم کردہ دارالعلوم کے مصارف کے لیے حکومتی امداد یا اہل ثروت کی زکوٰۃ و خیرات کو بھی کبھی خاطر میں نہیں لایا، دُنیا سے استغناء کی یہ توفیق ربِ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ وعمّ نوالہ کی مجھ پر خصوصی عنایت کے سوا اور کچھ نہیں ہے ورنہ ؎

مَن انم کہ مَن دانم

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحَابَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ

پیر محمد

چِشْتِي طَرِيْقَةً، وَالْحَنَفِي مَسْلَكًا، وَالْمُسْلِم مَذْهَبًا،

وَالْچَتْرالِي مولدًا، وَالْبِشَاوَرِي مَسْكَنًا

☆☆☆☆☆

ابتدائیہ

11 ستمبر 2001ء کو نامعلوم ہاتھوں سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے تجارتی سینٹروں کے خاک میں ملنے کے بعد اُس نے افغانستان میں طالبان حکومت اور اُسامہ بن لادن کو اِس کا ذمہ دار قرار دے کر افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، جس کو کامیاب کرنے کے لیے پاکستان سے تعاون مانگا۔ اِس حوالہ سے فیصلہ کرنا حکومتِ پاکستان کے لیے امتحان سے کم نہیں تھا کیوں کہ امریکہ جیسے خونخوار بھیڑیے نے اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لیے افغانستان پر حملہ کرنے کا حتمی فیصلہ کیا ہوا تھا جس کے لیے خود کو مظلوم ظاہر کر کے مغربی ممالک سمیت عرب ممالک کے سربراہان بھی اعتماد میں لیا ہوا تھا اور پاکستان کی طرف سے تعاون نہ ملنے کی صورت میں ہندوستان کا تعاون حاصل کر کے افغانستان کے ساتھ پاکستان پر بھی ہر طرف سے حملہ کرانے کی ٹھانی ہوئی تھی۔ ایسے میں پاکستان کی فوجی حکومت کا امریکی مفاد کے حق میں فیصلہ نے جہاں ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کو حکومتی فیصلہ کے خلاف آواز اُٹھانے کا موقع دیا وہاں علماءِ کرام ومفتیانِ اسلام نے بھی حکومتی فیصلہ کے حوالہ سے اظہارِ خیال فرمایا اور مختلف اداروں کے دارالافتاء سے اِس حکومتی فیصلہ کو طالبان کی حکومت کے مقابلہ میں کفار کے ساتھ مودت اور صریح کفر قرار دیا جبکہ بعض نے اِس پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے امریکہ کے ساتھ مسلح جہاد کی فرضیت کے بارے میں فتویٰ جاری کیا۔ افراط وتفریط کے اِس عالَم میں سرگودھا پنجاب سے ایک مفتی صاحب نے بھی فتویٰ جاری کیا جس کی ایک کاپی تصدیق وتوثیق کی غرض سے میرے پاس بھی بھیجی گئی، جس پر میرے ایک اُستاذ بھائی اور ثقہ عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا **محمد اشرف سیالوی** کی تصدیق بھی ثبت تھی۔ اِس فتویٰ کا لُبِ لباب و مدعا یہی تھا کہ پاکستان کی فوجی حکومت نے طالبان حکومت کے خلاف امریکہ کا ساتھ دے کر اہل

کفر کے ساتھ وِداد کا ارتکاب کیا ہے جس کے خلاف عالمِ اسلام کو مل کر مشترکہ جدوجہد کرنی چاہیے۔ اِس کے ساتھ ایک اور تفصیلی استفتاء جو **"جہاد اور فدائی حملوں کی شرعی حیثیت"** معلوم کرنے سے متعلق آیا ہوا تھا۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ بالترتیب اِن دونوں کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالوں۔(فَاقول وَ بِاللّٰہِ التَّوفِیقِ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّابَعْدُ فَقَدْقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی کَلَامِہِ الْمَجِیْدِ

"وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی"(۱)

ترجمہ:۔اور تم کو کسی قوم کی عداوت اِس بات پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

فتویٰ کی اہمیت اور مفتیانِ کرام کی شرعی ذمہ داریاں

کسی بھی منصف مزاج انسان سے مخفی نہیں ہے کہ کسی کی مخالفت کی وجہ سے اور اُسے مغلوب کرنے یا نقصان پہنچانے کے لیے انصاف کے خلاف کام پر انسان کا اپنا ضمیر بھی مطمئن نہیں ہوتا چہ جائیکہ دوسروں کو تسلی ہو جائے۔ خلافِ انصاف، خلافِ احتیاط اور عدل کے منافی ہر کردار کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ اِس حوالہ سے دارالافتاء سے وابستہ حضرات اور اصحابِ محراب ومنبر پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیوں کہ بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ "مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی"۔

محراب ومنبر سے اُٹھنے والی آواز کو اور دارالافتاء سے جاری ہونے والے فتویٰ کو مسلم معاشرہ میں نظامِ مصطفی ﷺ کا حصہ اور دینِ اسلام کی تعلیم وتبلیغ کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اِس کا سہو

۱۔ المائدۃ:8۔

نسیان، غفلت و جہل اور بے احتیاطی و بے انصافی پر مبنی ہونے کے برے اثرات فتویٰ جاری کرنے والوں تک محدود نہیں ہوتے بلکہ دینِ اسلام کے خلاف ظاہر ہونے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں التباس الحق بالباطل ہو سکتا ہے، جس کو تسلیم کرنے کے لیے کوئی مسلمان تیار نہیں ہے کیوں کہ یہ یہود و نصاریٰ کے قسیسین و ربانی اور احبار و رہبان کا کردار تھا کہ اُن کے علماءِ سُو اور غیر معیاری مشائخ دین عیسوی و موسوی کے مطابق فتویٰ جاری کرنے کے بجائے اُلٹا فتویٰ کو اپنی من پسند کے تابع کر کے عوام کی گمراہی کا سامان کیا کرتے تھے جس پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“(۱)

اے کتابیو! حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے۔

دارالافتاء اور روحانیت کے حوالہ سے یہود و نصاریٰ کے غیر معیاری علماء و مشائخ کے اِس قابلِ مذمت کردار کا دُنیا کو تجربہ ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دینِ محمدی ﷺ کے ذمہ دار حضرات کو اِس سے بچنے کی تلقین کرنے کے ساتھ التباس الحق بالباطل کا موجب بننے والے ہر قول و عمل سے اجتناب کرنے کا حکم دے کر سورۃ مائدہ، آیت نمبر 8(۲) کو اصحاب محراب و منبر اور دارالافتاء کے ذمہ داروں کے لیے معیار قرار دیا کہ فتویٰ صادر کرنے میں ذاتی پسند و ناپسند سے صرفِ نظر کر کے صرف اور صرف حق کا اظہار کیا جائے، اظہارِ حق کو سب سے اہم، سب سے مقدم اور سب سے زیادہ قابل اہتمام سمجھ کر شریعتِ مقدسہ کی نمائندگی کی جائے۔

۱۔ آلِ عمران:71۔

۲۔ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔

ترجمہ:۔ اور تم کو کسی قوم کی عداوت اِس بات پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

دارالافتاء کی اِس نازک ذمہ داری کی وضاحت کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ 11 ستمبر 2001ء کے بعد افغانستان کے حوالہ سے پاکستان کا امریکی مفاد میں فیصلہ کے خلاف علماء کرام میں حکومت کے خلاف فتویٰ بازی کا جو رجحان پایا گیا اُس کا پس منظر و محرکات بیان کرنے کے ساتھ فدائی حملوں کی شرعی حیثیت دریافت کرنے کے محرکات کو بھی واضح کریں۔

جہاں تک پاکستان کی فوجی حکومت کے فیصلہ کے خلاف فتویٰ بازی کا پس منظر ہے تو وہ اس طرح ہے کہ جنرل پرویز مشرف کا امریکہ کا وفادار اور اُس کی ہاں میں ہاں ملانے میں سب سے آگے ہونا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اُس نے امریکہ کے اشارہ پر اِس ملک کی جغرافیائی حدود سے لے کر نظریاتی و مذہبی حدود کو بھی داؤ پر لگا دیا، حقوقِ نسواں کے نام سے تضحیک نسواں کے وہ گل کھلائے کہ اُن کی مثال سابقہ نصف صدی میں بھی نہیں ملتی۔ عدلیہ کو اپنی لونڈی بنانے کی ناکام کوشش کرنے میں وہ رُسوا کن اقدامات کیے کہ ملک کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایسے میں ملک کے اندر پہلے سے موجود مذہب آزاد پارٹیوں سے لے کر نیم مذہبی جماعتوں تک، سب کو اُس کے خلاف آواز اُٹھانے کا اچھا موقع مل گیا جس سے فائدہ اُٹھا کر اُنہوں نے اصحاب محراب و منبر سے لے کر دارالافتاء کے ذمہ داروں تک سب کو استعمال کیا۔ تصدیق کی غرض سے میرے پاس آنے والے فتویٰ کا پس منظر بھی اِس سے مختلف نہیں تھا کیوں کہ ہمارے علماء کرام کی اکثریت کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بجائے آواز کے پیچھے جاتے ہیں۔ یہاں پر جنرل پرویز مشرف کے غیر اسلامی کارناموں نے 11 ستمبر 2001ء کے بعد ''جلتی پر تیل کا کام'' کیا۔ جنرل پرویز مشرف کی امریکہ نواز پالیسیوں سے قوم کو آزادی دلانے کا نعرہ لگانے والی سیکولر جماعتوں کے ساتھ نیم مذہبی جماعتوں نے دارالافتاء کے ذمہ داروں کو اور محراب و منبر کے زعماء کو ایسا استعمال کیا کہ وہ اپنے زیرِ اثر صوبوں کے عوام کو امریکہ کے خلاف مسلح جہاد کی ترغیب دینے لگے، جس کے نتیجہ میں صوبہ خیبر پختونخوا کے کچھ علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں اسلام کے ساتھ مخلص جذباتی مسلمانوں نے روایتی بندوق اُٹھا کر نیٹو کے B-52 طیاروں کو گرانے کے لیے افغانستان روانگی

کی۔ وہاں جا کر اِن سادہ لوحوں کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا، بھوک پیاس اور درماندگی و بیچارگی کی جو موت وہ مرے یا افغانستان کے شمالی اتحادیوں کے بیگار کیمپوں میں اُن پر جو گزری (الامان والحفیظ)۔ سچ کہا گیا ہے کہ ''مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی''۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ مفتیانِ وطن کے اِن فتوؤں کو اور اصحاب محراب و منبر حضرات کی اِس روش کو قرآن وسُنت پر پیش کر کے جہاد کے حوالہ سے حق کا اظہار کروں اور اِس کے ساتھ ہی فدائی حملوں کی شرعی حیثیت بھی واضح کروں کہ آیا کیا ہر مجاہد کہلانے والا اسلامی مجاہد قرار دینے کا مستحق ہے؟ آیا کیا ہر فدا کار اور جہاد کے نام پر خودکشی کرنے والا شہید فی سبیل اللہ کا رُتبہ پاسکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ کون سا معیارِ ممیّز ہے جو اسلامی مجاہد و فدا کار کو خودکشی کی حرام موت مرنے والوں سے جدا کرتا ہے؟ اِس راز کو سمجھنے کے لیے جہاد کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے، اِس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ اِس کی تحقیق نذر قارئین کردوں۔ (فَاَقُوْلُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا حقیقی عنصر و مادہ (ج،ھ،د) ہیں۔ اِس مادہ کی ترتیب سے تشکیل پانے والے ہر لفظ کی دلالت کسی نا کسی انداز سے طاقت صرف کرنے کے مفہوم پر ضرور ہوتی ہے۔ جیسے عربی لُغت کی ہر کتاب میں لکھا ہوا موجود ہے:

''اَلْجِهَادُ بِكَسْرِ الْجِيْمِ الْمُشَقَّة جهد، جهد فی الامر ای جد وتعب''(۱)

جس کے مطابق عربی لُغت میں اِس کا مفہوم کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے حتی المقدور طاقت صَرف کرنے کے ہیں عام اِس سے کہ جس مقصد کے لیے طاقت صَرف کی جارہی ہے وہ مثبت ہو یا منفی، اعتقادی ہو یا عملی اور جائز ہو یا نا جائز۔ بہر تقدیر یہ اپنے لُغوی مفہوم میں انسان کا کسی مقصد کے حصول کے لیے حتی المقدور طاقت صرف کرنے اور حتی الوسع جدوجہد کرنے کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے جبکہ شریعت مقدسہ کی مخصوص زبان میں یہ منقولات شرعیہ کے قبیل سے

۱۔ المنجد، لسان العرب وغیرہ۔

ہے۔ جیسے لفظ صلوٰۃ اپنے لغوی مفہوم "دُعا" سے منقول ہوکر شریعت کی مخصوص زبان میں بدنی عبادت کی مخصوص ہیئت کذائیہ میں منقول شرعی کہلاتا ہے۔ اسی طرح لفظ جہاد بھی اپنے اِس لغوی مفہوم سے منقول ہوکر شریعت مقدسہ کی زبان میں **"ظلم ومعصیت کے خلاف اعلاء کلمۃ الحق کے لیے حتی المقدور جدوجہد"** کرنے کے مفہوم میں منقول شرعی کہلاتا ہے۔ جہاد کے اِن دونوں مفاہیم میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہونے کے علاوہ بھی متعدد وجوہ سے فرق ہے۔

1. اِس کا لغوی مفہوم ایسا فعل ہے کہ فاعل اُس کا مسلم وغیر مسلم ہر کوئی ہوسکتا ہے بلکہ انسان کے سوا کوئی اور مخلوق بھی ہوسکتی ہے جبکہ شرعی مفہوم کا فاعل مسلمان کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔
2. لغوی مفہوم کا متعلَق جائز وناجائز ہر عمل بلکہ کفر وشرک بھی ہوسکتا ہے جبکہ شرعی مفہوم کا متعلَق مطلوب شرعی کے ماسوا کوئی اور عمل ہرگز نہیں ہوسکتا۔
3. لغوی مفہوم اِس کا بذات خود ایک ایسی نوع ہے جس کے ماتحت متفق الحقائق ومتبائن الہیت جزئیات وافراد پائے جاتے ہیں جبکہ مفہوم شرعی اِس کا ایک ایسا جنس ہے جس کے ماتحت مختلف الحقائق انواع واقسام پائے جاتے ہیں، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
4. اِس کے لغوی مفہوم کی پہچان ہر سُننے والے کے لیے آسان ہے جبکہ شرعی مفہوم کی پہچان وتعیین کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کو جاننا ضروری ہے:

(i) ذرائع جہاد۔ (ii) متعلقات جہاد۔ (iii) مقاصد جہاد۔

اِن میں سے **اوّل یعنی** ذرائع جہاد میں دو چیزیں ہیں۔

1. نفس انسانی جو جسم وجان سے عبارت ہے، جس میں مندرجہ ذیل اقسام ہوسکتی ہیں:

(i) جہاد بالعلم (ii) جہاد بالعمل (iii) جہاد باللسان (iv) جہاد بالقلم

(v) جہاد بالسیف (vi) جہاد بالقلب۔

2. مال حلال چاہے جس ذریعہ سے بھی حاصل ہوا ہو، نیز اپنے لیے خرچ کیا جائے یا دوسروں کے لیے۔

دوم:۔ متعلقاتِ جہاد میں بنیادی طور پر مندرجہ ذیل چار چیزیں ہے:

1 **غیر مسلم اعداء الدین:۔** عام اِس سے کہ چاہے کفار و مشرکین کی صورت میں ہوں یا مرتدین و منافقین کی صورت میں۔

2 **اہل ہویٰ و بدعت:۔** عام اِس سے کہ چاہے بدعت اعتقادی ہو یا عملی، صغیرہ ہو یا کبیرہ، متعدی ہو یا غیر متعدی، حد کفر تک پہنچی ہو یا اُس سے کم درجہ کی ہو، بہر تقدیر اِس کے خلاف جہاد کرنا بھی مطلوبِ شرعی ہے۔

3 **شیطان:۔** عام اِس سے کہ جنی ہو یا انسی اور انسی ہونے کی صورت میں داخلی ہو، جس کو نفس امّارہ بھی کہتے ہیں یا خارجی، عام اِس سے کہ انفرادی ہو یا اجتماعی جس کو یارِ بد، صحبت طالح اور غیر اسلامی معاشرہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اِسی طرح جنی ہونے کی صورت میں عام اِس سے کہ اصل خود ہو یا اُس کی ذریت و فروع، بہر تقدیر جہاد کے متعلقات میں شیطان اور اُس کی شیطنت و شرارت کو پہچاننا ضروری ہے۔

4 **باغی:۔** وہ لوگ جو نظام مصطفیٰ ﷺ کی حکمرانی اور مسلمانوں کی سیاسی صالح قیادت کے خلاف فتنہ و فساد برپا کرنے کے درپے ہوں، عام اِس سے کہ انفرادی شکل میں ہو یا اجتماعی صورت میں۔

سوم:۔ مقاصدِ جہاد میں بنیادی طور پر مندرجہ ذیل تین چیزیں ہیں:

1 **دینِ الٰہی:۔** نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی بالادستی اور قرآن و سُنت کی حکمرانی۔

2 **ظلم و فتنہ کو مٹانا:۔** عام اِس سے کہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، متعدی ہو یا غیر متعدی، محسوس و ظاہر ہو یا غیر محسوس و پوشیدہ، چاہے کفر و شرک کی صورت میں ہو یا کسی اور تعدی و بے اعتدالی کی شکل میں، نیز بالفعل ہو یا متوقع۔

3 **ظلم و فتنہ سے خود کو، اسلام کو اور خلق خدا کو بچانا۔**

جہاد کے اسلامی مفہوم کی دست آوری اِن مقاصد کے بغیر ممکن نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ''(۱)

اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

دوسری جگہ فرمایا: ''وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُن سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا: ''اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ أُمَّتِي الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ''(۳)

اِس حدیث سے بطور اشارۃ النص مذکورہ چاروں متعلقات جہاد کی مدت بقاء معلوم ہونے کی طرح شرعی جہاد کے وجوب کے لیے پہلے سے موجود عِلل واسباب کا بھی پتہ چل رہا ہے کہ بعثت نبوی ﷺ سے لے کر دجال کے قتل ہونے تک کا دورانیہ وجوب جہاد کے لیے مدت مقرر ہونے کا فلسفہ یہی ہے کہ اِس دورانیہ میں زمین مذکورہ چاروں عِلل واسباب اور متعلقات سے خالی نہیں ہوگی جبکہ دجال کے قتل ہو جانے کے بعد ہر طرف سے ''وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ'' کا مظہر ہوگا۔ جب وجوب جہاد کے مذکورہ عِلل واسباب اور متعلقات کے وجود ہی نہیں ہوگا تو پھر وجوب جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز اِس حدیث سے بطور دلالۃ النص مذکورہ تینوں مقاصدِ جہاد معلوم ہونے کی طرح شرعی جہاد کے وجوب کے لیے بعد الجہاد وجود میں آنے والے عِلل غائیہ کا بھی پتہ چل رہا ہے کہ جہاد کا حکم اِن مقاصد کا منوی وپیش نظر ہونے پر موقوف ہے، اُس کا تحسین اور ماموٴ ربہ ہونے کا دارومدار اِن ہی کے حُسن پر ہے۔

۱۔ البقرۃ:193۔

۲۔ الانفال:39۔

۳۔ مشکوٰۃ شریف، ص:18۔

انجامِ کار جہاد کہلانے والے کسی عمل میں اِن مقاصد میں سے کوئی ایک بھی ملتفت الیہ بالذات ومقصودِ اصلی نہ ہو تو وہ شرعی جہاد ہرگز نہیں ہوسکتا کیوں کہ وجوب جہاد کی تاکید کے لیے مذکور شدہ حدیث شریف بعثت نبوی ﷺ سے لے کر قتل دجال تک کے دورانیہ میں وجوب جہاد کی تاکید پر دلالت کرنے میں عبارۃ النص ہے اور ایمان کی کسی ضد، بدعت وگمراہی، بغاوت اور شیطان کی شرارت کی موجودگی کا وجوبِ جہاد کے لیے بطور متعلق ضروری ہونے پر دلالت کرنے میں اشارۃ النص ہے اور مذکورہ مقاصدِ جہاد میں سے کسی کو بعد الجہاد حاصل کرنے کی نیت اِس کے مامور بہ اور مطلوبِ شرعی ہونے کے لیے ناگزیر شرط ہونے پر دلالۃ النص ہے۔

یہی حال مذکورہ آیت کریمہ کا بھی ہے اور اشارۃ النص ودلالۃ النص سے ثابت ہونے والا حکم چونکہ قطعی ویقینی ہوتا ہے لہٰذا کسی شک وتردد کے بغیر واضح ہوا کہ جہاد بالنفس ہو یا بالمال نیز ایمان کی کسی ضد کے خلاف ہو یا بدعات وگمراہیوں کے خلاف یا کسی بغاوت اور شیطانی حرکات کے خلاف بہر تقدیر اُس کا شرعی جہاد کہلانے کے لیے ضروری ہے کہ مذکورہ تینوں مقاصد میں سے کوئی ایک مُلتفت الیہ بالذات اور مقصودِ اصلی ہو ورنہ کسی صورت بھی اُسے مطلوبِ شرعی اور مذہبی جہاد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

شرعی جہاد کی کل ممکنہ صورتیں

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بھی واضح ہوا کہ شرعی جہاد کی کل ممکنہ صورتوں کی تعداد (24) ہیں۔ اِس لیے کہ ذرائع جہاد کی دو (2) اقسام کو متعلقات جہاد کی چار اقسام سے ضرب دینے سے کل آٹھ صورتیں تشکیل پاتی ہیں۔ جن کی تفصیل اِس طرح ہے کہ:

١ جهادبالنفس مع ضدالايمان حسب التفصيل المذكور.

٢ جهادبالنفس مع اهل البدعة والهوىٰ حسب التفصيل المذكور.

٣ جهادبالنفس مع البغاة المردة حسب التفصيل المذكور.

④ جهادبالنفس مع الشیطان حسب التفصیل المذکور.

⑤ جهادبالمال مع ضدالایمان حسب التفصیل.

⑥ جهادبالمال مع اهل البدعة و الهوىٰ حسب التفصیل المذکور.

⑦ جهادبالمال مع البغاة المردة حسب التفصیل المذکور.

⑧ جهادبالمال مع الشیطان حسب التفصیل المذکور.

اِس کے بعد شرعی جہاد کے لیے قرآن وسُنت میں مقررہ تینوں مقاصد کو اِن آٹھ (8) میں ضرب دینے سے مذہبی جہاد کی مندرجہ ذیل 24 قسمیں وجود میں آ رہی ہیں۔ جن کی تفصیل اِس طرح ہے کہ:

1 جہادبالنفس مع ضدالایمان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس کا انسداد ہو۔

2 جہادبالنفس مع ضدالایمان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاءِ کلمۃ اللہ ہو۔

3 جہادبالنفس مع ضدالایمان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خود کو یا اسلام کو یا خلقِ خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

4 جہادبالنفس مع اهل البدعة والهوىٰ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس کا انسداد ہو۔

5 جہادبالنفس مع اهل البدعة و الهوىٰ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاءِ کلمۃ الحق وتحفظ اسلام ہو۔

6 جہادبالنفس مع اهل البدعة و الهوىٰ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خود کو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اِس سے بچانا ہو۔

7 جہادبالنفس مع البغاة سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس فساد کا انسداد ہو۔

8 جہادبالنفس مع البغاة سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاءِ کلمۃ الحق ہو۔

9 جہاد بالنفس مع البغاۃ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خودکو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

10 جہاد بالنفس مع حرکۃ الشیطان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس کا انسداد ہو۔

11 جہاد بالنفس مع حرکۃ الشیطان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاء کلمۃ الحق ورضا الٰہی ہو۔

12 جہاد بالنفس مع حرکۃ الشیطان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خودکو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

13 جہاد بالمال مع ضد الایمان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس کا انسداد ہو۔

14 جہاد بالمال مع ضد الایمان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاء کلمۃ الحق ہو۔

15 جہاد بالمال مع ضد الایمان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خودکو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

16 جہاد بالمال مع اھل البدعۃ والھویٰ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس کا انسداد ہو۔

17 جہاد بالمال مع اھل البدعۃ والھویٰ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاء کلمۃ الحق ہو۔

18 جہاد بالمال مع اھل البدعۃ والھویٰ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خودکو، اسلام کو یا خلق خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

19 جہاد بالمال مع البغاۃ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس فتنہ وفساد کا انسداد ہو۔

20 جہاد بالمال مع البغاۃ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاء کلمۃ الحق وتحفظ اسلام ہو۔

21 جہاد بالمال مع البغاۃ سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خود کو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

22 جہاد بالمال مع حرکۃ الشیطان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اُس کے فتنہ و فساد کا انسداد کرنا ہو۔

23 جہاد بالمال مع حرکۃ الشیطان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات اِعلاء کلمۃ الحق وتحفظِ اسلام ہو۔

24 جہاد بالمال مع حرکۃ الشیطان سے اصل مقصود وملتفت الیہ بالذات خود کو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اُس سے بچانا ہو۔

خلاصۃ التحقیق بعد التفصیل:۔ جہاد کو اسلامی و مذہبی قرار دینے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

1. ذرائع جہاد یعنی جان و مال کھپائے بغیر مذہبی جہاد کا تصور ممکن نہیں ہے۔
2. کفر و شرک، فتنہ و فساد، ظلم، بدعات و شیطانت اور بغاوت جیسی کسی بے اعتدالی کی موجودگی وجوبِ جہاد کے لیے ضروری ہے جس کے بغیر جہاد اسلامی کا وجود نہیں ہو سکتا۔
3. جہاد کا اسلامی اور مذہبی حکم ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اِس میں اصلی مقصود فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی یا بدعت و بغاوت اور شیطانت کو مٹانا ہو، یا اُس سے خود کو بچانا، یا اسلام کو، یا خلق خدا کو بچانا ہو، یا اِعلاء کلمۃ الحق اور تحفظِ اسلام ہو۔ ورنہ اِن مقاصد کے بغیر اسلامی جہاد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مذہبی جہاد کے فضائل کو اُس پر منطبق کرنا جائز ہو سکتا ہے۔
4. جہاد کا شرعی مفہوم یعنی ''مسلمان کا ظلم و فساد، بدعت و گمراہی، شیطانت و بغاوت کو مٹانے کی غرض سے، یا اِعلاء کلمۃ الحق و تحفظِ اسلام کے لیے، یا اِس قسم بے اعتدالیوں سے بچنے اور بچانے کے لیے مخالف قوتوں کے خلاف حتی المقدور محنت و مشقت اُٹھانا'' یہ ایک کلی مفہوم ہے۔ جو بمنزلہ جنس ہے جس کے ماتحت کم از کم مذکورہ 24 انواع واقسام ہیں، اور بعثت

نبوی ﷺ سے لے کر دجال کے قتل ہونے تک اسلامی جہاد کے جتنے بھی افراد وجود میں آ سکتے ہیں، وہ سب کے سب اِن انواع کے جزئیات وافراد ہیں۔ اُن سب پر جہاد کے اِس مفہوم کا حمل درست ہے، اسلامی جہاد کے فضائل کو اُن پر منطبق کرنا صحیح اور وہ سب کے سب اعمال صالحہ وموجب اجر ہیں۔

۵ جہاد کے مفہوم کو غیر مسلموں کے ساتھ مسلح تصادم میں منحصر سمجھنا اسلامی تصور نہیں ہے بلکہ کج فہمی اور اسلام کے لیے بدنامی کا سامان ہے۔ لُغت کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن و سُنت کے بھی خلاف ہے اور مزاجِ اسلام کے بھی منافی اور بے حقیقت تصور ہے، جو اُمت مسلمہ پر مسلط شخصی دورِ اقتدار کی پیداوار ہونے کی بناء پر ناقابل عمل افسانہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۶ اسلامی جہاد کا یہ وسیع الانواع مفہوم منقولاتِ شرعیہ کے قبیل سے ہے جس کے لیے اصل اور منقول عنہ اِس کا لُغوی مفہوم ہے یعنی کسی کام میں حتی المقدور محنت ومشقت اُٹھانا۔ عام اِس سے کہ وہ کارِ خیر ہو یا شر، جائز مقاصد کے لیے ہو یا ناجائز کے لیے، مخالف قوت کے مقابلہ میں ہو یا اُس کے بغیر ہو۔ جیسے المنجد میں ہے:

''جاھَدَ مُجَاھدَۃً وَجِھَادًا......بَذَلَ وسعَهُ''

لسان العرب میں ہے: ''الجَهدُ والجُهدُ......الطاقَةُ''

۷ جہاد کے شرعی مفہوم کے تحت مذکورہ چوبیس (24) اقسام میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:

(i) اقدامی جہاد۔ (ii) دفاعی جہاد۔

واضح رہے کہ جہاد کی فرضیت کے سلسلہ میں مذکورہ آیت کریمہ اور فریضہ جہاد کی اہمیت سے متعلقہ وارد شدہ حدیث مذکور جیسے نصوص جہاد کی اِن دونوں قسموں کو شامل ہیں۔ ایسے میں اِن دو کو مذکورہ چوبیس (24) میں ضرب دینے سے شرعی جہاد کی کل اڑتالیس (48) شکلیں وجود میں آ رہی ہیں۔

شرعی جہاد کے مراتب یکساں نہیں ہیں

جب واضح ہو چکا کہ ''جہاد'' کا شرعی مفہوم ایک کلی ہے جو بمنزلہ جنس ہے جس کے ماتحت کم ازکم چوبیس (24) یا اڑتالیس (48) انواع واقسام پائی جاتی ہیں تو پھر آپ ہی واضح ہو گیا کہ ان انواع میں سے ہر ایک بھی کلی مشکک ہے کہ جس مسلمان کے دل میں مقصدِ جہاد کے حوالہ سے قربانی وایثار اور اخلاص کا جذبہ جتنا زیادہ وقوی ہوگا اُس شرح تناسب سے اس مجاہد فی سبیل اللہ کے مدارج بھی زیادہ ہوں گے، جس پر قرآن وسُنت کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی عقیدہ تھا جیسے اُن کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے کہ اسی تصور کے مطابق اُنہوں نے پوچھا کہ:

''اَیُّ الْقَتلِ اَشْرَف'' یعنی جہاد میں کس طرح شہید ہونے کا ثواب زیادہ ہے؟(۱)

اہل علم جانتے ہیں کہ اِعلاء کلمۃ الحق کے لیے یا فتنہ وفساد اور ظلم یا بدعات وگمراہی اور بغاوت و شیطنت کو مٹانے کے لیے یا اِن سے خود کو، یا اسلام کو، یا خلق خدا کو بچانے کے لیے فدا کاری کا جہاد سب سے مشکل، سب سے سخت اور سب سے زیادہ اخلاص پر مبنی ہوتا ہے جس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو افضل الجہاد قرار دے کر فرمایا کہ؛

''مَن اُهْرِیقَ دَمُه وَعُقِرَ جَوادُه''(۲)

یعنی جس کا اپنا خون بھی بہایا گیا اور اُس کا گھوڑا بھی ہلاک کیا گیا۔

جس کا حاصل مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ سب سے افضل جہاد وہ ہے جس میں مقاصد جہاد کی دست آوری کے لیے جان ومال کی پروانہیں کی جاتی، جس میں منشاء مولیٰ جل جلالہ کو جان پر ترجیح دی جاتی ہے اور جان ومال کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر ایسا اقدام کیا جاتا ہے جس میں مقصدِ جہاد ملتفت الیہ اولاً وبالذات ہونے کے ساتھ اپنی جان کی ہلاکت پر بھی ضمناً

۱۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد، ص:333۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد، ص:333، بحوالہ داؤد و نسائی۔

اور ثانیاً وبالعرض یقین ہو جاتا ہے۔ اِس مفہوم کو ہم مذکور الصدر حدیث کی عبارۃ النص اِس لیے قرار دے رہے ہیں کہ اِس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جواب میں ''مَنْ اراق دَمَہ وَعَقَرَ جَوَادَہ'' نہیں فرمایا جو خودکشی کی حرام موت میں ہوتی ہے بلکہ صیغہ مجہول یعنی ''مَن اُھْرِیقَ دَمُہ وَعُقِرَ جَوادُہ'' کے الفاظ میں جواب ارشاد فرمانے کا واضح مقصد اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مقاصدِ جہاد کی دست آوری اُن کے پیش نظر ہونے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے کیوں کہ فعل مجہول کا فاعل کلام کے اندر ہمیشہ غیر مذکور ہونے کے باوجود حقیقت میں موجود و متعین ہی ہوتا ہے جس کو کسی خاص مقصد کی خاطر متکلم نے قصداً و ارادتاً ترک کیا ہوا ہوتا ہے۔ جو مذکورہ حدیث کے اندر فدائی عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہے فدائی عمل، دشمن کے وار یا فریقین کے دخل عمل کے بغیر کوئی اور حادثہ کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہے جس کے اشباہ و نظائر مندرجہ ذیل حدیثوں کی شکل میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر:

❶ حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے وہ حدیث جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''جو خوش بخت مجاہد اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے نکلا پھر اپنی موت آپ مرگیا یا مارا گیا یا اپنے گھوڑے یا اُونٹ کے پاؤں تلے روندا گیا یا کسی زہریلے کیڑے کے کاٹنے سے مرگیا یا کسی بھی انداز سے بستر پر ہی مرگیا اِن تمام صورتوں میں وہ بالیقین شہید اور جنتی ہے''۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''مَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمَاتَ أَوْ قُتِلَ، أَوْ وَقَصَهُ فَرَسُهُ أَوْ بَعِيرُهُ، أَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ، أَوْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ بِأَيِّ حَتْفٍ شَآءَ اللّٰهُ، فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ''(١)

❷ حضرت سلمہ ابن الاکواع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ خیبر کے دن اُن کا بھائی یا چچا (علیٰ اختلاف الروایتین) کفار کے ساتھ گھمسان کی جنگ کے دوران اپنی تلوار کے ہی غلط استعمال

١۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد، ص:333۔

کے نتیجہ میں مر گیا جس پر کچھ لوگوں کو اُن پر خود کشی کی حرام موت کا شک ہونے لگا کہ اپنی تلوار اور اپنے ہی عمل سے مرنے کی وجہ سے وہ ترحیم اور دُعا کا مستحق نہیں رہا۔ حضرت سلمہ ابن الاکواع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خیبر سے واپسی پر میں نے یہ مسئلہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے اُسے اعلیٰ درجہ کا مجاہد و شہید قرار دیا۔ اِس پورے واقعہ کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

''فَقُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ إِنَّ نَاسًا لَيَهَابُونَ الصَّلاَةَ عَلَيْهِ، يَقُولُونَ رَجُلٌ مَاتَ بِسِلاَحِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَاتَ جَاهِدًا مُجَاهِدًا''(۱)

❸ اِسی واقعہ سے متعلق دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سلمہ ابن الاکواع رضی اللہ عنہ سے واقعہ سُننے کے بعد فرمایا:

''كَذَبُوا، مَاتَ جَاهِدًا مُجَاهِدًا، فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کے شک کی کوئی حقیقت نہیں ہے جبکہ واقعتاً وہ اعلاءِ کلمۃ الحق کی غرض سے اخلاص کے ساتھ محنت کرتے ہوئے مر گیا جس وجہ سے اُس کے لیے دوسرے مجاہدین کے مقابلہ میں دو چند اجر ہے۔

اِس روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا لوگوں کے شک کو خلاف حقیقت کہہ کر دو چند اجر و ثواب کا مستحق، اعلیٰ شہید و مجاہد قرار دینا اِس بات پر صریح دلیل ہے کہ اپنی موت کی پرواہ کیے بغیر اعلاءِ کلمۃ الحق کی خالص نیت لے کر اقدام کرنے والے کی موت چاہے جس طرح بھی واقع ہو جائے وہ فدا کار فی سبیل اللہ ہی کہلائے گا، افضل الجہاد و اعلیٰ شہادۃ ہی قرار پائے گا اور اُس کے بارے میں خودکشی کی حرام موت کا شک کرنے والے بجائے خود قابلِ اصلاح و قابلِ تنبیہ قرار پائیں گے۔

۱۔ نسائی شریف، کتاب الجہاد، ج:2، ص:49۔

۲۔ نسائی شریف، کتاب الجہاد، ج:2، ص:49۔

❹ جنگِ بدر کے موقع پر حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کسی گمنام شخص کے تیر لگنے سے مر گئے تو اُس کی والدہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتایئے کہ اگر وہ جنتی ہے تو اُس کی موت پر صبر کروں گی ورنہ اگر کچھ اور ہے تو اُس کی بدقسمتی پر آنسو بہاؤں گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صرف جنتی ہی نہیں ہے بلکہ فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہوا ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

''قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ، وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ قَالَ يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلَى''

الغرض قرآن وسُنت کی روشنی میں مجاہد فی سبیل اللہ کہلانے کے مستحق اور شہادت کا استحاق پانے کے لیے حقیقی معیار صرف اتنا ہی ہے کہ ایک مومن مسلمان اُسوۂ حسنہ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حقیقی مَصرف جہاد کو مٹا کر یا اُس سے خود کو یا اسلام کو یا خلق خدا کو بچا کر اعلاء کلمۃ اللہ کی خالص نیت لے کر جہادی اقدام کرے تو اُس کے بعد اُس کی موت چاہے جس عمل سے بھی واقع ہو جائے بشرطیکہ اُس کے اپنے کسی ارادی عمل سے نہ ہو تو اُس کی شہادت اور افضل الجہاد ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اِس کے علاوہ مذکورہ حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''مَنْ أُهْرِيقَ دَمُهُ وَعُقِرَ جَوَادُهُ'' بھی مانعۃ الخلو کی شکل میں اِن تینوں صورتوں کو افضل الجہاد قرار دینے کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے کیوں کہ اِس میں ''مَنْ أَرَاقَ دَمَهُ وَعَقَرَ جَوَادَهُ'' نہیں فرمایا اور نہ ہی ''مَنْ أَرَاقَ دَمَهُ وَعَقَرَ جَوَادَهُ الْأَعْدَاءُ'' فرمایا اور نہ ''مَنْ أَرَاقَ دَمَهُ وَعَقَرَ جَوَادَهُ عَمَلُ ثَالِثٍ غَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ'' فرمایا کیوں کہ صیغہ معلوم کی اِن تمام صورتوں میں اعلیٰ درجہ کی شہادت اور افضل الجہاد کا رُتبہ اِن میں سے اُسی صورت کے ساتھ خاص ہوتا جس کا ذکر فرمایا گیا ہوتا جبکہ صیغہ مجہول کی موجودہ صورت اپنے عموم کی بناء پر اِن میں سے ہر ایک کو شامل ہو رہی ہے۔ اِسے کہتے ہیں:

''كَلَامُ الْحَكِيمِ لَا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ''

قرآن وسُنّت کے عمومی احکام کا ضابطہ کلیہ ہونا

اسلامی جہاد کی مختلف اقسام میں سے افضل جہاد معلوم کرنے کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''مَنْ اُھْرِیْقَ دَمُہٗ وَ عُقِرَ جَوَادُہٗ'' ضابطہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے جو فدا کاری کی مذکورہ تینوں شکلوں کو یکساں شامل ہے۔ یہ اِس لیے کہ قرآن وسُنّت کے عمومی احکام جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب ضابطہ کلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں اور ہر شکل وصورت میں رونما ہونے والے تمام جزئیات پر محیط ہیں۔ اسلامی جہاد کی اقسام میں سے سب سے افضل جہاد سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''مَنْ اُھْرِیْقَ دَمُہٗ وَعُقِرَ جَوَادُہٗ'' اسلامی جہاد کے حوالہ سے فدا کاری کی مذکورہ تینوں صورتوں کا افضل الجہاد اور اعلیٰ شہادت قرار پانے میں اسلامی قانون کے طور پر ارشاد ہوا ہے کہ جو مسلمان بھی فتنہ وفساد اور ظلم کو، بدعت وگمراہی کو اور شیطنت وبغاوت کو مٹانے کے لیے یا اُس کے مقابلہ میں اعلاء کلمۃ الحق کے لیے خود کو یا اسلام کو یا خلق خدا کو اِس سے بچانے کی نیت کو مقصود بالذات بنا کر جان کی پروا کیے بغیر انتہائی قدم اُٹھاتا ہے، آگے بڑھتا ہے اور حملہ کرتا ہے اگرچہ اِس حملہ میں ضمناً اور ثانیاً وبالعرض اپنی ہلاکت کا بھی یقین ہو تو اِس کے بعد مذکورہ تینوں صورتوں میں سے چاہے جس شکل میں بھی وہ ہلاک ہو جاتا ہے بہر تقدیر افضل الجہاد، افضل مجاہد اور اعلیٰ درجہ کا شہید قرار پاتا ہے۔ اِس مضمون کی مزید تائید ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَانَوٰی'' والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب فدائی حملہ آور نے اپنی ہلاکت کی نیت ہی نہیں کی ہے تو پھر اُس کی موت کو خودکشی اور حرام موت قرار دے کر اِس عمل کو ناجائز قرار دینے کا کیا جواز بنتا ہے؟

اپنی ہلاکت کا یقین ہونا حرام موت کو مستلزم نہیں ہے

فدائی حملہ آور کو اپنی ہلاکت کا یقین ہونا اور چیز ہے جبکہ خود کشی یعنی حرام موت مرنا اور چیز ہے ان کے مابین تلازم کی کوئی شکل موجود نہیں ہے جس کے مطابق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جہاں پر اپنی ہلاکت کا یقین ہو وہ حرام موت کو بھی مستلزم ہے نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے۔ اسی بے بنیاد تصور نے فدائی حملوں کی جائز صورتوں کو خود کشی کی حرام موت ہونے کے فتویٰ دینے پر بعض مفتیان کرام کو مجبور کیا جو مغالطہ ہی مغالطہ اور اشتباہ ہی اشتباہ ہے کیوں کہ جہاد کا حقیقت میں فی سبیل اللہ ہونے اور اس میں مرنے والوں کا شہید ہونے کے لیے اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق ہونے کے بعد اُس کے متعلق کا حقیقتاً مصرف جہاد ہونے کے ساتھ مجاہد کی نیت کا مقصدِ جہاد کے مطابق ہونا ہی کافی ہے جس کے بعد مجاہد کی موت چاہے اُس کے اپنے کسی غیر ارادی عمل سے واقع ہو جائے یا مد مقابل کے ہاتھ سے یا کسی اور حادثہ سے، بہر تقدیر اسلامی روایات کے مطابق اُسے مجاہد فی سبیل اللہ ہی کہا جاتا ہے، اُس کے اِس کردار کو افضل الجہاد اور اُس کی موت کو شہادت کہا جاتا ہے۔ اِس پر دلیل کے لیے مندرجہ ذیل روایات کافی وشافی ہیں۔

1. المستدرک للحاکم میں بہ روایت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے:

"مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صَادِقًا، ثُمَّ مَاتَ، أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَجْرَ شَهِيدٍ"(1)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جس مسلمان نے بھی راہ جہاد میں اپنے قتل کیے جانے کے عوض مقصد جہاد کے حصول کا سچائی کے ساتھ اللہ سے سوال کیا پھر مر گیا، اللہ تعالیٰ اُس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

2. مسلم شریف میں بہ روایت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے:

١۔ المستدرك للحاكم، كتاب الجهاد، ج:2، ص:77۔

''مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا أُعْطِيَهَا وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس مسلمان نے بھی اپنی طرف سے صداقت کے ساتھ قتل ہو کر بھی مقصد جہاد کے حصول کا اللہ سے سوال کیا پھر راہ جہاد میں مر گیا یا مارا گیا بہر حال اُس کے لیے شہید کا اجر ہے۔

۳ نسائی شریف میں بروایت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ مروی ہے:

''مَنْ سَئَلَ الشَّهَادَةَ عِنْدَ نَفْسِهِ ثُمَّ مَاتَ اَوْ قُتِلَ فَلَهُ اَجْرُ شَهِيْدٍ صَادِقًا أُعْطِيَهَا وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ''(۲)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جس مسلمان نے بھی راہ جہاد میں اپنی شہادت کے عوض سچائی کے ساتھ مقصد جہاد کے حصول کا سوال کیا تو اُس کو شہادت کا درجہ دیا جائے گا اگر چہ بالفعل شہادت اُس کو نہ پہنچے۔

اِن روایات میں بالترتیب ''ثُمَّ مَاتَ''، ''وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ'' اور ''أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَجْرَ شَهِيْدٍ'' اور ''فَلَهُ اَجْرُ شَهِيْدٍ'' اور ''أُعْطِيَهَا'' کے احکام معلوم ہونے کے بعد مخصوص فدا کاروں کی شہادت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ضروری وضاحت اور تحقیق مقام

جہاد کا اسلامی ہونے اور اُس میں مرنے والوں کا رُتبہ شہادت پانے کے لیے جن تین چیزوں کو معیار قرار دیا گیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱ اُس عمل کا اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق ہونا۔

۲ جہاد کا متعلق ومصرف فتنہ وفساد اور ظلم ہونا، چاہے جس شکل میں بھی ہو یا بدعت و

۱۔ مسلم شریف، کتاب الجهاد، ج:2، ص:141۔

۲۔ نسائی شریف، کتاب الجهاد، ج:2، ص:48۔

شیطنت اور بغاوت ہونا، چاہے جس انداز سے بھی ہو یعنی اِن میں سے کسی کی موجودگی کا ضروری ہونا۔

۳ نیت کا خالصتاً لوجہ اللہ ہونا، جس کو اِعلاءِ کلمۃ الحق بھی کہا جاتا ہے۔

چاہے مقصد جہاد کے طور پر جس شکل میں بھی ہو اِن میں سے ہر ایک کے فلسفہ کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

اسلامی جہاد کے جواز کے لیے پہلی شرط کا فلسفہ

جہاں تک اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق ہونے کی شرط ہے تو اِس کا فلسفہ قرآن و سُنت کی روشنی میں یہ ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے صرف اِس کی فرضیت وفضیلت اور اہمیت بتانے کے بعد اُس کی بدایت ونہایت، شرائطِ وجوب، نوعیتِ وجوب واقسام اور اُن کی ترتیب ومتعلقات واحکام کی تفسیر وتفصیل سمجھانے کے لیے اپنے حبیب کریم سید عالم ﷺ کو اپنا نمائندہ مقرر کر کے یہ سب کچھ اُن کے سپرد فرمایا ہے۔ جیسے فرمایا:

"لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (۱)

تا کہ آپ لوگوں کے لیے واضح کریں وہ جو ان کی طرف اُتارا گیا ہے۔

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اللہ کے اِس خلیفہ اعظم ﷺ نے جہاد بالسیف سے قبل تیرہ (13) سال سے بھی زیادہ عرصہ تک امر بالمعروف نہی عن المنکر کی شکل میں جہاد بالسان کیا ہے، جہاد بالسیف کو بامقصد بنانے کے لیے اسلامی مرکز وجود میں لانے کی تیاری کی ہے، خالص اسلامی مقتدرہ تشکیل دینے کے لیے رجال کار کی تیاری وذہن سازی کی ہے اور جب تک جہاد بالسیف کے جواز کے لیے یہ ناگزیر مبادیات وجود میں نہیں آئے تھے اُس وقت تک جہاد بالسان والقلب والتربیت والتمرین والصبر کے مراحل سے گزرے۔

۱۔ النحل: 44۔

الغرض اعلان نبوت کے وقت سے لے کر تیرہ (13) سال تک اسلامی جہاد کی اُن اقسام پر عمل کرتے رہے جن کے بغیر جہاد بالسیف جائز نہیں ہوتا۔ جس میں اُمت کو مندرجہ ذیل سبق مل رہے ہیں:

1. خالص اسلامی مقتدرہ وجود میں لانے کے لیے اُس کی راہ میں رکاوٹوں کے خلاف مناسب حال جُہد وجَہد جملہ افراد اُمت پر اولین فرض ہے، جو جہاد بالتقریر والتحریر والتربیت والتمرین کی شکل میں ہر وقت ممکن ہے۔
2. جب تک خالص اسلامی مرکز اور جہاد بالسیف کو بامقصد بنانے کے لیے قرآن کی حکمرانی وجود میں نہیں لائی جاتی اُس وقت تک جہاد بالسیف کا جواز نہیں ہے۔
3. قرآن شریف کی حکمرانی وجود میں لانے کے بعد اُس کے تحفظ وبقاء اور دوام واستحکام کے ساتھ چلانے کے لیے رجال کار کی ذہن سازی وتربیت والا جہاد مقدم واہم ہے۔

جہاد بالسیف سے اِس وضاحت کے نتیجہ میں اب جہاد کے نام سے انجام دیئے جانے والے کسی بھی کردار کے جواز وعدم جواز اور اُس کا اسلامی جہاد ہونے یا نہ ہونے کا معیار پہلی شرط کے حوالہ سے واضح ہو گیا کہ جو اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے خلاف ہو وہ اسلامی جہاد نہیں ہو سکتا جب اسلامی جہاد ہی نہیں ہے تو پھر اُس کے ثمرات یعنی شہادت اور ثواب وغیرہ فضائل کا حاصل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلامی جہاد کے جواز کے لیے دوسری شرط کا فلسفہ

اسلامی جہاد کے واجب ہونے کے لیے اِن شرائط کو سبب کا درجہ حاصل ہے یعنی فتنہ و فساد اور ظلم سے لے کر بدعات ومنکرات اور شیطانی حرکات سے لے کر بغاوت تک یہ تمام چیزیں وجوب جہاد کے اسباب ہیں تو ظاہر بات ہے کہ سبب کے بغیر کوئی حکم واجب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اِن تمام اسباب کے اصل منبع (دجال) کے قتل ہو جانے کے بعد جب اِن کا بھی خاتمہ ہو گا تو

اُس کے بعد وجوب جہاد کا حکم بھی ختم ہوگا۔جیسے حدیث شریف ''اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الدَّجَّالَ'' سے مفہوم ہورہا ہے۔

سبب ومسبب کے اِس ارتباط کا فطری تقاضا یہ ہے کہ اِن میں سے جس سبب کے خلاف بھی جہاد کیا جارہا ہواُس کی موجودگی ضروری ہو یعنی کچھ لوگوں کی زبان میں جہاد کہلانے والے اُس عمل کو اسلامی جہاد ہرگز نہیں کہا جاسکتا جس میں یہ اسباب مذعومہ ہوں، واقعتاً موجود نہ ہوں بلکہ جہاد کرنے والوں کے عقیدہ میں ہوں، حقیقی نہ ہوں بلکہ خیالی ہوں اور یقین پر مبنی نہ ہوں بلکہ جہل کا نتیجہ ہوں۔مخصوص طبقہ یا عوام کی زبان میں جہاد کہلانے والے ایسے عمل کی شرعی حیثیت جہالت کاری اور ناجائز ہونے کے سوااور کچھ نہیں ہے جو مذہبی تعصب وتنگ نظری یا مخالف فریق کے موقف کو نہ سمجھنے یا اسلامی تربیت سے محرومی اور بدفہمی یا ہوس اقتدار یا کسی دُنیوی اور شیطانی مقاصد کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہے،تاریخ کے اوراق میں اِن سب کی مثالیں ملتی ہیں۔جب اِس قسم کا عمل شرعی جہاد کی فہرست سے خارج اور جہالت کے سوااور کچھ نہیں ہے تو اُس میں مرنے والوں کی شرعی حیثیت بھی حرام موت کے سوااور کچھ نہیں ہوگی چہ جائیکہ اُسے شہادت یا افضل الجہاد کہنا جائز ہوسکے،نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ طوائف المذہبی کے مشموم نتائج ہیں جو اُمت مسلمہ کے سیاسی اقتدار پر مسلط نااہل حکمرانوں کی بدنظمی کا نتیجہ ہے:

؎ اے بادصبا این ہمہ آوردہ تو ست

اِس قسم کی بدنظمیوں وبے اعتدالیوں سے بچنے کے لیے جہاد بالسیف سے قبل نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی حکمرانی میں صالح قیادت وجود میں لانے کو سب سے اہم اور سب سے مقدم قرار دیا گیا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

''اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ''(۱)

اِس کے پہلے حصہ کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن شریف کی حکمرانی میں صالح قیادت ڈھال کی

۱۔ بخاری شریف، کتاب الجہاد،ج:1،ص:398۔

مانند ہے جیسے معرکہ کارزار میں ڈھال دشمن کے وار سے بچاتی ہے ویسے ہی قرآن شریف کی حکمرانی میں صالح حکومت بھی ہر دشمن سے اپنے عوام کو بچاتی ہے چاہے وہ دشمن کا فرومشرک، فتنہ پرور ظالم ہو یا اہل ہویٰ وبدعت اور شیطان وبغاوت کار کی شکل میں ہو۔ داخلی ہو یا خارجی، انفرادی ہو یا اجتماعی، ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ یہ اِس لیے کہ مقتدرہ کے منصب کا تقاضا ہی یہی ہے۔ جیسے ایک اور حدیث میں فرمایا:

''اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ''(۱)

یعنی مقتدرہ اپنی رعیت کی اصلاح احوال کا ذمہ دار ہے جس کے متعلق اُس کو اللہ کے حضور جواب دینا ہے۔

حدیث شریف کے دوسرے حصہ ''یُقَاتَلُ مِنْ وَرَآئِہٖ'' کا مفہوم یہ ہے کہ صالح مقتدرہ کا تحفظ کرنا سب پر لازم ہے کہ اُس کے آگے پیچھے اور ہر طرف سے یعنی مسلم مملکت کے کسی بھی گوشہ میں مخالف قوتوں کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی۔ اِس لیے سب سے اہم، سب سے اعلیٰ اور سب سے مقدم جہاد وہ ہے جو اس کو وجود میں لانے کے لیے کیا جائے۔ حدیث شریف کے تیسرے حصہ ''ویتقیٰ بہ'' حقیقت میں سابقہ دو حصوں کے حاصل مضمون کی تقریر وتاکید ہی ہے جس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی صالح قیادت کی نگرانی میں لڑائی کی صورت میں اُس کے حسن تدبیر ورہنمائی کی بدولت اندرون وبیرون دشمنوں سے تحفظ ممکن ہوگا، جہاد بالسیف کی قربانیوں کے ضیاع سے تحفظ ملے گا اور طوائف المذہبی کے خلفشار وفرقہ واریت کی بدامنی سے نجات میسر ہوگی۔ حدیث کے تینوں حصوں کے مضامین کو اِس طرح قرآن سُنت کی روشنی میں سمجھنے والوں سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ نظام مصطفی ﷺ کی حکمرانی میں صالح قیادت وجود میں لائے بغیر عام حالات میں جہاد بالسیف کرنا طوائف المذہبی اور ناجائز خون ریزی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۱۔ بخاری شریف، ج:1، ص:398۔

اسلامی جہاد کے لیے تیسری شرط کا فلسفہ

جہاد کا اور خاص کر جہاد بالسیف کا حُسن اُس کے اعلیٰ مقاصد (اِعلاء کلمۃ اللہ) کی وجہ سے ہے جس کے بغیر اِس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت الی الحق اور اُس کی رضا وامر کا ظہور وغلبہ۔ اور واضح ہے کہ جب تک فتنہ وفساد اور ظلم وتعدی، بدعات وشیطنت اور بغاوت جیسے جرائم کو مٹایا نہیں جاتا یا کم ازکم خود کو یا اسلام کو اور خلق خدا کو اِن سے بچایا نہیں جاتا اُس وقت تک انسانی معاشرہ میں نہ اِعلاء کلمۃ الحق کا ظہور ہوسکتا ہے نہ غلبہ۔ انسانی معاشرہ میں اِس کے ظہور وغلبہ کو پیش نظر رکھ کر مقاصدِ جہاد کی فہرست میں بنیادی مقصد یعنی اِعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ اُس کے دونوں مظاہر کو بھی معتبر قرار دیا گیا ہے جو اِن مفاسد کو مٹانا اور اِن سے خود کو بچانا یا اسلام کو اور خلق خدا کو بچانا ہے۔ اِسی فلسفہ کی بنیاد پر اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے مقاصد جہاد سے متعلقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ"(۱)

اِس حدیث کا واضح مطلب اور عبارۃ النص اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مومن مسلمان کے کسی عمل کا اسلامی جہاد ہونے کے لیے اُس کی نیت صرف اور صرف اِعلاء کلمۃ اللہ کے لیے یا اُس کے مذکورہ دونوں مظاہر میں سے کسی ایک کے لیے ہونا شرط ہے ورنہ کسی اور چیز کی نیت ہونے کی صورت میں "فی سبیل اللہ" ہرگز نہیں ہوگا۔ اِسی طرح اِعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ کسی اور دنیوی مقصد کی نیت کرنے پر بھی اسلامی جہاد نہیں ہوسکتا۔ اسلامی جہاد کے لیے یہ وہ شرائط ہیں کہ جس میں تمام مکاتب فکر اہل اسلام متفق ہیں۔ جیسے عینی شرح بخاری میں مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اَيْ التَّوْحِيْدُ فَهُوَ الْمُقَاتِلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا طَالِبَ الْغَنِيْمَةِ وَالشُّهْرَةِ وَلَا

۱۔ بخاری شریف، ج:1، ص:394۔

مَظْهَرُ الشَّیْءِ عَنْهُ"(۱)

ترجمہ:۔ کلمۃ اللہ سے مراد کلمۃ التوحید ہے جس کی سربلندی کے لیے لڑنے والا ہی مجاہد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے نہ کہ کسی اور مقصد کے لیے۔

خلاصۃ التحقیق:۔ لفظ جہاد عربی زبان کا ایسا لفظ ہے جو قرآن وسنت میں کبھی اپنے لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے کبھی شرعی مفہوم میں۔ اور شرعی مفہوم کے اعتبار سے بمنزلہ ''جنس'' اور ''کلی مشکک'' ہونے کی بناء پر فرد ادنٰی سے لیکر فرد اعلیٰ تک مختلف انواع واقسام کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جن کی تعیین وتشخیص حسب الاستعمال قرآئن وشواہد سے ہی ممکن ہے۔

جہاد کے لُغوی مفہوم کی قرآنی مثالیں

جہاد کے لُغوی مفہوم میں استعمال ہونے کی کئی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ مثلاً:

''وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا''(۲)

اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو اُن کا کہنا نہ مان۔

یہاں پر جہاد اپنے لُغوی مفہوم میں ہی متعین ہے۔ یہی حال آیت کریمہ کا بھی ہے ''وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَاتُطِعْهُمَا''(۳) کہ لُغوی مفہوم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

''وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ''(۴)

۱۔ عینی شرح بخاری، ج:14، ص:108۔

۲۔ العنکبوت:8۔

۳۔ لقمان:15۔

٤۔ المائدۃ:53۔

ترجمہ:۔اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کا کیا دھرا سب اکارت گیا وہ رہ گئے نقصان میں۔

یہاں پر بھی جہاد کے لُغوی مفہوم کے سوا کسی اور مفہوم کا تصور ممکن نہیں ہے۔اِسی طرح آیت کریمہ میں ہے:

''وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا''(۱)

ترجمہ:۔اور اُنہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر اُن کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اُس پر ایمان لائیں گے۔یہاں پر بھی لُغوی مفہوم ہی متعین ہے۔

الغرض قرآن شریف کے اندر کئی مقامات پر جہاد اور مجاہدہ، جَہد وجُہد کے یہ تمام الفاظ آئے ہیں اور ایسے مواقع پر استعمال ہوئے ہیں کہ وہاں پر صرف اور صرف اِس کا لُغوی مفہوم ہی متعین ہے۔

جہاد کے شرعی مفہوم کی قرآنی مثالیں

جہاد کا اپنے لُغوی مفہوم کے ساتھ شرعی مفہوم کے جملہ انواع واقسام کو شامل ہونے پر بھی درجنوں آیات کریمہ موجود ہیں۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1 ''وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا''(۲)

اور اِس قرآن سے اُن پر جہاد کر بڑا جہاد۔

کل مکاتب فکر مفسرین کرام کے مطابق یہاں پر جہاد کو اُس کے دونوں مفاہیم پر محمول کرنا جائز ہے کیوں کہ کسی ایک کے متعین ہو کر دوسرے کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل وقرینہ موجود

۱۔ الانعام:109۔

۲۔ الفرقان:52۔

نہیں ہے جس وجہ سے لُغوی مفہوم کو شامل ہونے کے ساتھ شرعی مفہوم کی کسی قسم کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اُس کی تمام اقسام کو بھی یکساں شامل ہے۔

2 ''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''(۱)

اور وہ جنہوں نے اللہ کے لیے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی کے اُمیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں پر لفظ ''جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' کے شرعی مفہوم میں اتنا عموم ہے کہ شرعی جہاد کے فرد ادنیٰ سے لے کر فرد اعلیٰ تک سب کو شامل ہے کیوں کہ یہ اُن پاکیزہ نفوس کے مقام مدح میں واقع ہوا ہے جنہوں نے نظام مصطفیٰ علیہ السلام کی بالادستی کی خاطر ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرنے کے ساتھ اِس نظام کے مخالفین کے ساتھ ہر طرح کی لڑائیاں لڑیں اور جہاد کا شرعی مفہوم بھی اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مخالف ظالموں کے ساتھ لڑائی لڑنے میں اپنی پوری توانائی صرف کی جائے، عام اِس کے کہ حتیٰ المقدور صَرف کی جانے والی یہ توانائی فکری ہو یا عملی اور مسلح ہو یا غیر مسلح۔ بہر حال ''سبیل اللہ'' عام ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے موجب ہر کام کو شامل ہونے کی طرح جہاد بھی اِس آیت کریمہ میں اتنا عام ہے کہ اپنے لُغوی مفہوم کی جھلک لیے ہوئے شرعی مفہوم کے ما تحت جملہ اقسام جہاد کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مکتبہ فکر کے مفسرین نے اِس میں کوئی تخصیص روا نہیں رکھی ہے اور نہ ہی سیاق وسباق میں کسی قسم کی تخصیص کی کوئی دلیل وقرینہ موجود ہے۔

3 ''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ''(۲)

۱۔ البقرۃ:218۔

۲۔ التوبہ:16۔

کیا اِس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی، اُن کی جو تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبر دار ہے۔

4 ''اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي''(۱)

اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو۔

یہاں پر جہاد کے شرعی مفہوم کے فرد اعلیٰ یعنی کفار و مشرکین کے ساتھ مسلح تصادم کا مراد ہونا بظاہر ممکن ہی نہیں ہے جبکہ اُس کے ماسوا تمام افراد کو شامل ہے مگر یہ کہ اِس کی نحوی ترکیب کو ظاہری کلام کے برعکس حال مقدرہ پر محمول کر کے آیت کریمہ ''اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي'' کی تقدیر کلام ''اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ مُقَدِّرِيْنَ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ'' قرار دیا جائے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ حال مقدرہ ہر اُس مقام پر معتبر سمجھا جاتا ہے جہاں پر حالِ مقارنہ ممکن نہ ہوتا ہو۔ جیسے آیت کریمہ ''فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ''(۲) میں ہے کہ ''خُلُوْد فِي الْجَنَّةِ'' اور ''دُخُوْل فِي الْجَنَّةِ'' کا وقت ایک نہیں ہے کیوں کہ ''خُلُوْد فِي الْجَنَّةِ، دُخُوْل فِي الْجَنَّةِ'' کے بعد ہی متصور ہو سکتا ہے۔ جس وجہ سے یہاں پر اِس مبارک کلام کو بالیقین حالِ مقدرہ سمجھ کر تقدیر کلام ''فَادْخُلُوْهَا مُقَدِّرِيْنَ الْخُلُوْدَ'' کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ جملہ مفسرین نے بھی سمجھا ہے۔ لیکن سورۃ الممتحنہ کی اِس آیت کریمہ میں لفظ ''جِهَادًا فِي سَبِيلِي'' کا اپنے عامل ''خَرَجْتُمْ'' سے حالِ مقارنہ ہونا بالیقین درست ہے کیوں کہ جہاد کے شرعی مفہوم کے فردِ اعلیٰ کے ماسوا باقی متعدد قسمیں ''خَرَجْتُمْ'' کے وقت موجود تھی جس کے مطابق خارجین من المكة الى المدينه بالفعل مجاہدین فی سبیل اللہ بھی تھے۔ جبکہ حال مقارنہ درست ہے، اصل فی الکلام ہے، آیت کریمہ کے ظاہری سیاق و سباق اور واقعہ کے بھی مطابق ہے تو پھر اُس کے خلاف کرنے کا کیا جواز ہے تاہم

۱۔ الممتحنۃ:1۔

۲۔ الزمر:73۔

یہ سب کچھ انسانی فہم وادراک کے مطابق ہے جبکہ کلام اللہ معجز اور انسانی فہم وادراک کے احاطہ سے ماوراء ہونے کی بناء پر بیک وقت دونوں کو شامل ہونے کا امکان بھی رکھتا ہے جو انسانوں کی رسائی فہم سے بعید ہے۔

مقصدِ کلام:۔ قرآن وسُنت میں استعمال ہونے والے یہ الفاظ ''جہاد ومجاہدہ'' ہمیشہ اور ہر جگہ کفار ومشرکین کے ساتھ مسلح تصادم کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ کبھی اپنے لُغوی اور صرف لُغوی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں کبھی شرعی مفہوم میں جو بمنزلہ جنس ہے اور کبھی اِس شرعی مفہوم کے کسی خاص نوع اور مخصوص قسم میں جس کی تعیین وتشخیص کسی خارجی دلیل اور سیاق وسباق اور قرینہ ومخصص کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

لفظ جہاد ومجاہدہ کے شرعی مفہوم کا کلی مشکک ہونا

قرآن وسُنت اور لُغت ومحاورہ کے مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہونے کی طرح اسلافِ اسلام کی معتبر دستاویزات میں بھی مصرح ہے۔جس کی مشتے نمونہ ازخروارے ایک جھلک آیت کریمہ ''وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ''(۱) کے تحت مختلف مکاتب فکر مفسرین کرام کے مندرجہ ذیل اقوال کی شکل میں دیکھی جاسکتی ہے:

1 تفسیر روح المعانی میں ''جِهَادِفِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ '' سے مراد جهاد مع الكفار اور جهاد مع النفس الاماره ہونے کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

''وَالْاَوْلٰی اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُبِهٖ ضُرُوْبُهُ الثَّلاثَه ''(۲)

یعنی بہتر یہ ہے کہ ''جِهَادِفِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ '' سے مراد جہاد کے شرعی مفہوم کی تینوں قسمیں ہوں:

۱۔ الحج،78۔

۲۔ تفسیر روح المعانی،ج:17، ص:209۔

(i) جہاد مع الکفار والمشرکین۔ (ii) جہاد مع المبتدعین۔ (iii) جہاد مع الشیطان۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جہاد کی یہ تینوں قسمیں اُس کے شرعی مفہوم کے ماتحت باہمی متبائن انواع واقسام ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ لفظ جہاد و مجاہدہ کا اِن میں سے ہر ایک کے لیے استعمال کیا جانا بھی عین حقیقت کہلاتا ہے جس میں مجاز کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جیسے تفسیر روح المعانی میں کہا ہے:

"وَلَيس ذٰلِكَ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِيْقَت وَالْمَجَازِ فِي شَيْءٍ"

یعنی جہاد کے شرعی مفہوم کے مصداق ومظہر میں ان تینوں قسموں کے مراد ہونے سے حقیقت ومجاز کا اجتماع نہیں ہے بلکہ ہر ایک میں حقیقت ہی حقیقت ہے۔ (۱)

❷ مفردات القرآن للامام راغب الاصفہانی میں ہے:

"هُوَ اسْتِفْرَاغُ الوسْعِ فِي مُدَافِعَةِ الْعَدُو" (۲)

یعنی جہاد اِسے کہتے ہیں کہ دُشمن کو دفع کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کی جائے۔

الٰہیات سے شناسائی رکھنے والا وہ کونسا انسان ہو سکتا ہے جو امام راغب الاصفہانی کے بیان کردہ اِس مفہوم کو جہاد کا شرعی مفہوم قرار نہ دے یا اِس کو جہاد کا لُغوی مفہوم کہنے کی غلطی کر سکے۔

❸ تفسیر بیضاوی میں سورۃ حج کی مذکورہ آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے:

"اَعْدَاءُ دِيْنِهِ الظَّاهِرَةَ كَاَهْلِ الزَّيْغِ وَالْبَاطِنَةَ كَالْهَوٰى وَالنَّفْسِ"

کون نہیں جانتا کہ یہاں پر بھی جہاد کی جن اقسام کو آیت کریمہ سے مرادِ الٰہی قرار دیا گیا ہے یہ سب کے سب جہاد کے شرعی مفہوم کے تحت متبائن انواع واقسام ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

۱۔ روح المعانی، ج:17،ص:209۔

۲۔ مفردات القرآن للراغب الاصفہانی، مادہ (ج،ہ،د)۔

④ تفسیر تبصیر الرحمٰن للامام المہائمی میں سورۂ حج کی مذکورہ آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے:

''اَنْفُسَكُمْ فِي مَعْرِفَةِ اللّٰهِ وَعِبَادَتِهٖ وَاِخْلَاصِهٖ وَمَقَامَاتِ قُرْبِهٖ وَاَحْوَالِهٖ''

یہاں پر بھی جہاد فی سبیل اللہ کی جن پانچ قسموں کو مرادِ الٰہی قرار دیا گیا ہے اِن سب کو جہاد کے شرعی مفہوم جو بمنزلہ جنس اور کلی مشکک ہے کے ماتحت ایک دوسرے سے جدا جدا مظاہر و اقسام کہے بغیر کون رہ سکتا ہے جن میں سے ہر ایک کے اندر جہاد کے لُغوی مفہوم کی جھلک بھی پائی جاتی ہے جو منقول عنہ کی جھلک کا منقول الیہ کے ہر فرد میں پائے جانے کے تقاضائے طبعی کے عین مطابق ہے۔

⑤ تفسیر قرطبی میں ہے:''قِيْلَ عُنِيَ بِهٖ جِهَادُ الْكُفَّارِ وَقِيْلَ هُوَ اِشَارَةٌ اِلٰى اِمْتِثَالِ جَمِيْعِ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ وَالْاِنْتِهَاءِ عَنْ كُلِّ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ اَيْ جَاهِدُوْا اَنْفُسَكُمْ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَرُدُّوْهَا عَنِ الْهَوٰى وَجَاهِدُوا الشَّيْطَانَ فِيْ رَدِّ وَسْوَسَتِهٖ وَالظَّلَمَةَ فِيْ رَدِّ ظُلْمِهِمْ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ رَدِّ كُفْرِهِمْ''

نیز اسی امام المفسرین القرطبی نے سورۃ البقرہ، آیت نمبر 244''وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وَسُبُلُ اللّٰهِ كَثِيْرَةٌ فَهِيَ عَامَّةٌ فِيْ كُلِّ سَبِيْلٍ''

اس کے بعد حضرت امام مالک کے حوالہ سے لکھا ہے:

''قَالَ مَالِكٌ: سُبُلُ اللّٰهِ كَثِيْرَةٌ وَمَا مِنْ سَبِيْلٍ اِلَّا يُقَاتَلُ عَلَيْهَا اَوْ فِيْهَا اَوْ لَهَا''

امام قرطبی نے اِس تشریح میں جہاد فی سبیل اللہ کے شرعی مفہوم کے تحت ممکنہ تمام اقسام کا احاطہ کیا ہے کیوں کہ ''سبل اللہ'' کی کثیر تعداد کے مطابق ہر سبیل کے تحفظ کے لیے، اُسے اپنانے کے لیے اور اُسے پھیلانے کے لیے حتی المقدور جد و جہد کرنے کو اِن آیات سے مراد و مقصد بتانے کا اِس کے سوا کوئی اور مطلب ہی نہیں ہے کہ اِن میں واقع لفظ ''جہاد و مجاہدہ'' کو اُس کے شرعی مفہوم پر محمول کر کے اُس کے کلی مشکک ہونے کا اشارہ دے رہے ہیں کہ اِس کے تمام انواع و افراد یکساں

نہیں ہیں بلکہ بعض میں جدو جہد شدید ہوتی ہے بعض میں ضعیف اور بعض میں مقدم ہے تو بعض میں موخر۔

٦ تفسیر فتح القدیر میں ہے:

''وَالْمُرَادُبِهِ الْجِهَادُ الْاَكْبَرُوَهُوَغَزْوُالْكُفَّارِوَمُدَافِعَتُهُمْ اِذَا غَزْو بِلَادِالْمُسْلِمِيْنَ وَقِيْلَ الْمُرَادُبِالْجِهَادِهٰهُنَااِمْتِثَال مَااَمَرَاللّٰه بِه وَنَهٰى عَنْهُ عَلَى الْعُمُوْمِ''(١)

جہاداقدامی سے لےکر جہاددفاعی تک اور جہادمع النفس بامتثال الاوامر سے لےکر جہادمع النفس باجتناب المناهی تک جن چاراقسام کو یہاں پرذکر کرکے مرادالٰہی بتایا گیا ہے اِن سب کو جہاد کے شرعی مفہوم کے انواع واقسام قرار دیئے بغیر کون رہ سکتا ہے؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اِن سب میں جدو جہد کی نوعیت ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی اور سب کا زمانہ بھی ایک نہیں ہے جو کلی مشکک کے افراد کے سوا کہیں اور نہیں ہوتا۔

٧ تفسیر محاسن التاویل میں سورۃ حج کی مذکورہ آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے:

''عَامٌ فِي جِهَادِالْكُفَّارِوَالظُّلْمَةِ وَالنَّفْسِ''

یہ بھی جہاد کے شرعی مفہوم کے تحت آنیوالے متبائن انواع کو مرادالٰہی قرار دینے کے سوااور کچھ نہیں ہے۔

٨ تفسیر زادالمیسر میں مذکورہ آیت کریمہ سے حکم جہاد کی تعیین و تشخیص اور مرادالٰہی بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''فِيْ هٰذَاالْجِهَادِ ثَلَاثَةُ اَقْوَالٍ اَحَدُهَا اَنَّه فِعْلُ جَمِيْعِ الطَّاعَاتِ هٰذَا قَوْلُ الْاَكْثَرِيْنَ وَالثَّانِي اَنَّه جِهَادُ الْكُفَّارِقَالَهُ الضَّحَّاكُ اَلثَّالِثُ اَنَّه جِهَادُالنَّفْسِ وَالْهَوٰى قَالَهُ عَبْدُاللّٰهِ ابن مُبَارَك''

١۔ تفسیر فتح القدیر، ج:3،ص:470۔

مختلف مسالک کے مفسرین کرام کی یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ پیشروانِ اسلام نے قرآن وسُنت میں واردشدہ اِن الفاظ کو ہر جگہ میں شرعی جہاد کے فردِ اعلیٰ یعنی کفار ومشرکین کے ساتھ مسلح تصادم کے مفہوم کے ساتھ مختص نہیں سمجھا ہے بلکہ اِن کے شرعی مفہوم میں سمجھنے کے بعد آگے اُس کے انواع وافراد کے مرادِ الٰہی ہونے کے حوالہ سے مختلف نظریے پیش کئے ہیں۔ یہ صرف اِس لیے کہ لفظ کا ایک ایسے ''موضوع لہٗ'' میں استعمال ہو جانے کے بعد جو جنس کے درجہ میں ہے، کلی مشکک ہے اور انواع وافراد کے بغیر خارجی وجود نہیں رکھتا۔ اُس کے افراد میں سے کسی کو مقصدِ متکلم یا مرادِ الٰہی کے طور پر متعین کرنا کسی خارجی قرینہ ومُرجح کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا جن مقامات پر اِس مفہوم کے فردِ اعلیٰ مراد ہونے پر واضح قرائن موجود تھے وہاں پر اُسی کو مرادِ الٰہی کے طور پر لیا گیا۔ جیسے فرمایا:

''اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ''(۱)

یہاں پر لفظ ''اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا'' کا لفظ ''وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ'' سے مرادِ الٰہی اُس کے فردِ اعلیٰ ہونے پر قرینہ ہونے کے ساتھ اِس کا واقعہ نزول بھی اِسی مفہوم کے مؤید ومرجح ہے۔ اِسی طرح آیت کریمہ ''لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا''(۲) میں بھی قاعدین ونافرین کا تقابل فی الفضیلت بتایا جانا اِس میں مذکور جہاد فی سبیل اللہ سے مراد اِس کے فردِ اعلیٰ متعین ہونے پر دلیل ہے کیوں کہ یہاں پر جن قاعدین پر نافرین فی سبیل اللہ کی فضیلت وتفوق اور اجرِ عظیم کا استحقاق بتایا گیا ہے اُنہیں بھی دوسرے نُصوص میں

۱۔ التوبۃ:41۔

۲۔ النساء:95۔

مجاہد فی سبیل اللہ ہی قرار دیا گیا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا ، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا''(۱)

یعنی جس مسلمان نے مسلح جہاد کے لیے کسی مجاہد فی سبیل اللہ کو ضروری سامانِ جہاد کے ساتھ مسلح کر کے بھیجا بالیقین وہ خود بھی غازی ہو گیا یعنی مجاہد فی سبیل اللہ ہو گیا اور جس نے مسلح جہاد پر جانے والے غازی کے گھر بار کی حفاظت کا ذمہ اپنے سر پر لیا تو وہ بھی غازی ہو گیا۔

اسی طرح اللہ کے حبیب رحمتِ عالم ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی کے سفر میں فرمایا:

''إِنَّ أَقْوَامًا بِالْمَدِينَةِ خَلْفَنَا مَا سَلَكْنَا شِعْبًا، وَلَا وَادِيًا إِلَّا وَهُمْ مَعَنَا فِيهِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ''(۲)

یعنی سفر جہاد کے کسی راستے اور کسی وادی سے ہم نہیں گزرے مگر اس میں وہ لوگ ہمارے ساتھ شریک جہاد رہے جو عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔''

اِس قسم درجنوں احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اُن مسلمانوں کو مجاہد اور غازی فی سبیل اللہ قرار دیا ہے جو مسلح جہاد کے کارزار میں نہیں گئے ہیں۔ جس کی واحد وجہ اِس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ قرآن وسُنت کے اِن نُصوص میں جہاد کے شرعی مفہوم کے مختلف انواع واقسام کا تقابل بتایا گیا ہے کہ اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر مسلح جہاد کرنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے جبکہ غیر مسلح جہاد کی قسموں کا ثواب مجاہدین کی مشقت اور اخلاص کے شرح تناسب کے مطابق ہے۔ جیسے مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' اور ''وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا'' کے الفاظ سے مفہوم ہو رہا ہے کیوں کہ لفظ ''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ

۱۔ بخاری شریف، کتاب الجہاد مع الکرمانی، ج:12، ص:132۔

۲۔ عمدۃ القاری شرح بخاری شریف، کتاب الجہاد، ج:14، ص:133۔

اَلْحُسْنٰی" سے دونوں طبقوں کو جہاد کی فضیلت و ثواب ملنا مفہوم ہو رہا ہے جبکہ لفظ "وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا" سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو رہی ہیں:

1. مسلح مجاہدین کا غیر مسلح مجاہدین سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہونا اور اِن کے مابین مفضل و مفضل علیہ کی نسبت ہونا کہ مسلح مجاہدین زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہونے کی بنا پر مفضل ہیں جبکہ مسلح جہاد کے ماسوا مجاہدین اُن سے نسبتاً کم اجر کے مستحق ہونے کی بنا پر مفضل علیہم کہلانے کے قابل ہیں۔

2. مسلح جہاد کا شرعی جہاد کا فردِ اعلیٰ اور غیر مسلح جہاد کی جملہ انواع و اقسام کا اُس کا فردِ ادنیٰ ہونا۔

3. جہاد کے شرعی مفہوم کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ترغیب کیوں کہ قرآن و سُنت کے مذکورہ الفاظ میں شرعی جہاد کے فرد اعلیٰ کے ساتھ اُس سے کم درجہ کے انواع و اقسام پر عمل کرنے والوں کو بھی مستحق اجر و ثواب قرار دینے سے واحد مقصد اِن کو اپنانے کی ترغیب دینے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جو علم بلاغت کی روشنی میں فائدہ خبر فی حق الامۃ ہے۔

4. مذکورہ فوائد کے علاوہ قرآن وسُنت کے گزشتہ صفحات پر مذکور نُصوص سے اور بالخصوص سورۃ النساء کی آیت نمبر 95 کے انداز بیان سے چوتھا افادہ جہاد کے شرعی مفہوم کا کلی مشکک ہونے کا ہو رہا ہے کہ وہ اپنے ماتحت پائے جانے والے تمام انواع و افراد پر یکساں نہیں بلکہ بعض پر زیادہ مشقت اور زیادہ توانائی صرف کرنے کی شکل میں صادق آتا ہے جیسے مسلح جہاد میں ہوتا ہے جبکہ بعض پر اُس سے کم توانائی صرف کرنے کی صورت میں صادق آتا ہے جیسے مسلح جہاد کے ماسوا دوسری اقسام میں ہوتا ہے۔

ایک نا قابلِ فہم روش پر رد:۔ قرآن وسُنت کے اِن نُصوص اور کل مکاتب فکر اسلاف اسلام کی جہاد کے مفہوم شرعی کا کلی مشکک ہونے کے حوالہ سے اِن تصریحات کی موجودگی میں قرآن و سُنت کے اندر استعمال ہونے والے الفاظ "جہاد و مجاہدہ" کو ہر جگہ میں مسلح جہاد پر محمول سمجھنا بالیقین

ایک نا قابلِ فہم روش ہے۔ جس پر جتنا رد کیا جائے کم ہے۔ اِس نا معقول اندازِ فکر کی بنیاد شاید یہ ہو کہ اِس ذہن کے حضرات نے اِن الفاظ کے لُغوی اور شرعی مفاہیم کے مابین تفریق نہیں کی ورنہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اِن الفاظ کو اپنے شرعی مفہوم میں منقول شرعی کے طور پر لینے کے بعد اِس قسم کی غلطیوں کی جملہ راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ نیز شرعی جہاد کا مفہوم جن اقسام پر صادق آتا ہے اُن کے حوالہ سے اِس کا کلی مشکک ہونے اور سب پر مختلف انداز سے صادق آنے کا مسئلہ بھی آپ ہی واضح ہو جاتا ہے کیوں کہ جہاد اسلامی کی قسموں کا ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی طرح ہر قسم کی شرائط، لوازمات اور مقتضاء بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

جہاد بالسیف اقدامی کے لیے اُولوالامر کی طرف سے اِذن شرط ہونے کی طرح مناسب تیاری، ماحول کے ساتھ مناسبت اور انجام پر نگاہ رکھنا بھی فرائض میں سے ہیں کیوں کہ خاطر خواہ تیاری یا ماحول کے تقاضوں کے خلاف محض جذبہ جہاد یا شوق جہاد کی بنا پر جہاد کے نام پر من حیث القوم مسلح اقدام کرنے کی اجازت قال اللہ قال الرسول کی روشنی میں نہیں دی جاسکتی۔

اللہ کے رسول نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی سیرت طیبہ میں جہاد بالسیف اقدامی کے حوالہ سے ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ یہی حال مناسب وقت کے لحاظ کرنے کا بھی ہے لیکن جہاد بالسیف دفاعی پر عمل کرنے کی فرضیت ہمیشہ ایسی نہیں ہوتی کہ اُولوالامر کی اجازت یا مناسب وقت کا انتظار کرے۔

جہاد کی اِن دونوں قسموں میں بنیادی مقاصد ایک دوسرے سے جدا جدا ہونے کے باوجود اِعلاء کلمۃ الحق، مسلمانوں کی جان مال کا تحفظ اور ماحول کو ظلم واستحصال سے پاک کرنے جیسے مقاصد اِن دونوں کے مشترکہ محرکات وپیش نظر مطالب ہوتے ہیں۔

متضاد شرائط کے حامل جہادوں کی شرعی حیثیت پر فقہی دلیل:۔

شرعی حکم:۔ جہاد بالسیف اقدامی پر عمل کی فرضیت کیلئے اُولوالامر کی اجازت کا حصول ضروری ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ اس کے بغیر یہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور طبقوں کے مابین انتشار وافتراق

اور طوائف الملوکی کا سبب بن سکتا ہے جیسے یاغستانی علاقوں میں ہوتا رہا ہے۔

کبریٰ:۔ ہر قسم طوائف الملوکی وانتشار بین المسلمین کے اسباب سے انسدادی ذرائع کا حصول ضروری ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا جہاد بالسیف اقدامی پر عمل کی فرضیت کے لیے بھی اُولوالامر کی اجازت کا حصول ضروری ہے۔

دوسرے حکم کی شرعی حیثیت پر فقہی استدلال:۔

شرعی حکم ومدعا:۔ جہاد بالسیف دفاعی کی فرضیت پر عمل کبھی اُولوالامر کی اجازت کے بغیر بھی ہوسکتا ہے جیسے استحصالی ظالموں اور کفار ومشرکین کا مسلمانوں کی جان ومال پر ہجوم کرنے کی صورت میں ہوتا ہے جس پر قرون اولیٰ سے لے کر اب تک تمام مکاتب فکر اہل علم کا اجماع چلا آرہا ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ وہ مسلمانوں کی شرعی اور فطری ضرورت ہے۔

کبریٰ:۔ ہر شرعی وفطری ضرورت پر عمل اُولوالامر کی اجازت کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا جہاد بالسیف دفاعی کی فرضیت پر عمل کبھی اُولوالامر کی اجازت کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔

فقہی اندازِ استدلال کو مختلف مسائل واحکام پر منطبق کرنے کے سلسلہ میں حکم جہاد کی اس تفصیل وجزئیات کو جدا جدا بیان کرنے سے میرا مقصد جہاد کے شرعی معنی میں موجود وسیع تر انواع و اقسام کے لیے مختلف شرائط، لوازمات ومقتضیات سے پردہ اُٹھانا ہے۔ نیز یہ بتانا ہے کہ جموں وکشمیر میں ہندوستان کی ریاستی دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے اندر متعدد جہادی تنظیموں کا وجود میں آنا پھر اس خطہ کے مخصوص حالات کے تقاضوں کے برخلاف سرگرمیوں کا مظاہرہ کرنا جس میں کھلے عام مجاہدین بھرتیوں کے انتظامات واعلانات اور چندہ مہم کی سرگرمیاں اور بسا اوقات ان جہادی تنظیموں کے قائدین وکارکنوں کا باہمی مشت وگریبان ہونا، ایک دوسرے کے دفاتر ومالیات اور اسلحہ جات پر قبضہ کرنے جیسے سینکڑوں واقعات مسلمانوں کے ہاتھوں جو انجام پائے وہ سب کے

سب جہاد ہی کے نام سے انجام پائے جن کی شرعی حیثیت کی بابت ہمارے معاصر علماء کرام کی آراء واقوال یکساں نہیں ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ جہاد کے نام پر وجود میں لائے جانے والے اس قسم تمام اعمال کو جب تک جہاد کے شرعی مفہوم کی روشنی میں نہ دیکھا جائے گا اُس وقت تک درست سمت کو پانا مشکل ہی رہے گا۔ اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس قسم کسی عمل کا جہاد کے شرعی مفہوم کے ضمن میں داخل ہونے کی صورت میں مذکورہ اقسام وانواع میں سے بھی کسی ایک کا یقین اور اُس کے بعد اُس کے جملہ لوازمات وشرائط معلوم کیے بغیر بھی اِس قسم واقعات کی شرعی پوزیشن تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جس انداز سے اسلامی جہاد کا مفہوم، اقسام، شرائط لوازمات اور مقتضیات گزشتہ سطور میں ہم بیان کر آئے ہیں اُنہیں سمجھنے کے بعد جہاد کے نام سے وجود میں لائے جانے والے اِس قسم کے جملہ واقعات کے جواز وعدم جواز اور ثواب وعذاب ہونے کی شرعی حیثیت کو سمجھنا قارئین کے لیے آسان ہو جائے گا۔

خلاصہ کلام:۔ اللہ کے دین اور نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ واشاعت اور اُس کے جملہ احکام پر عمل کرنے کے لیے اجمال کے درجہ میں جہاد کی فرضیت کا عقیدہ رکھنا ہر مومن مسلمان نرینہ وزنانہ پر نا قابل سقوط لازمہ ہے۔ جبکہ عمل وتفصیل کے درجہ میں جہاد اسلامی کی ہر قسم کے جدا جدا لوازمات وشرائط ہیں جن کا احاطہ کیے بغیر اُس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام کہتے ہیں:

''لِکُلِّ مَقَامٍ مَقَالٌ وَلِکُلِّ مَقَالٍ رِجَالٌ''

یعنی ہر مسئلہ کے لیے اپنا اپنا مقام ولوازمات ہوتے ہیں جن کو سمجھنا اُن میں مبتلا اہلکاروں پر لازم ہے۔

لیکن یہ انداز عمل کہ جہاد کو جہاد بالسیف یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر یا کسی اور عمل صالح کے ساتھ خاص سمجھ کر اس کے شرعی مفہوم کے تحت مندرج دیگر اقسام سے بے اعتنائی برتی جائے یا اُن کی اہمیت سے انکار کیا جائے اور کھلے بندوں اس کے متضاد تبلیغ کی جائے اسے کوئی صاحب بصیرت مسلمان اسلامی انداز عمل نہیں کہہ سکتا۔

جہاد کی مختلف اقسام کے اپنے اپنے موسم اور تقاضے

اِس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے وہ نصوص جن میں اپنی قوت فکری وعملی کو منشاء مولیٰ جل جلالہ کے خلاف صرف کر کے استحصالی زندگی اختیار کرنے والی اقوام اور مفادات کے پجاریوں کو شکست دینے اور اُن کی فسادکاریوں سے خلق خدا کو نجات دلانے کیلئے مسلسل جدوجہد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً سورۃ انفال میں اللہ جل مجدہ الکریم کا فرمان ''وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ'' (۱) اور صحاح ستہ کی حدیثوں میں ''اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' جیسے فرامین بھی شامل ہیں۔ جن کا سیدھا سادہ اور مطابق فطرت مفہوم و مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ دنیا میں جب تک انسان نما بھیڑیوں کا وجود باقی ہے، اُس وقت تک اُن کی نفس پرستیوں، مخلوق پرستیوں، توہم پرستیوں اور تقاضۂ انسانیت کے متضاد ظالمانہ کردار کے خلاف جدوجہد جاری رکھنا نظام مصطفیٰ ﷺ کے ماننے والے جملہ اہل ایمان پر فرض ہے۔ جس پر خود عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے اپنی اُمت کو بھی اسی نہج پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی آمد سے لے کر دنیا انسانیت کی آخری تاریخ تک اِن سب بدفطرتوں کے جرائم ومظالم بھی یکساں نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا مختلف شعبہ ہائے حیات میں پھیلے ہوئے اِن مختلف الجرائم کج کلاہوں کو صراط مستقیم پر لانے کے لیے شرعی فریضہ کی نوعیت بھی یکساں نہیں ہوسکتی۔ ایسے میں اہل ایمان پر عائد اس فریضہ کی تعبیر وتشریح بھی قرآن وحدیث میں مختلف انداز کے ساتھ کی گئی ہے، کہیں تعلیم، کہیں تطہیر، کہیں تذکیر، کہیں تحذیر، کہیں تبشیر، کہیں تنذیر، کہیں ترغیب، کہیں ترہیب الغرض مختلف اندازِ تبلیغ کے ان تمام پہلوؤں کو مختلف مواقع کے لیے جدا جدا بیان کرنے کے ساتھ کبھی کبھی اِن سب کے لیے جہاد و مقاتلہ کے الفاظ کو بھی ذکر کیا گیا ہے جیسے مذکورہ آیت کریمہ وحدیث میں ہوا ہے، کیوں کہ اس قسم تمام الفاظ ومواقع کا شرعی مقصد یہی ہوتا ہے

۱۔ الانفال:39۔

کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پھر اُسی کے قانون کا جب تک عمل درآمد نہیں ہوتا اُس وقت تک جملہ اہل ایمان پر اس کے لیے مناسب حال جدوجہد جاری رکھنا فرض ہے۔ اِس آیت کریمہ میں ''وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ'' کے الفاظ اسی معنی ومفہوم کے مرادالٰہی ومقصد شرعی ہونے پر واضح دلالت کر رہے ہیں کیوں کہ قرآنی زبان کے مطابق دین کا معنی ضابطہ حیات وقانون کا بھی ہے۔ جیسے سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ''(۱)

یعنی جو تدبیر یوسف علیہ السلام کو ہم نے بتائی اُس کے بغیر وہ بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو لینے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

گویا سورۃ انفال کی آیت نمبر 39 میں مذکورہ الفاظ ''وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ'' کے فقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے جملہ انسانوں کی بھلائی کے لیے، سب کی امنیت کے لیے اور سب کے رشد وہدایت، ترقی وکامیابی کے لیے اپنی طرف سے بھیجے ہوئے قانون فطرت (جو صرف اور صرف دین اسلام ہے) کو تمام روئے زمین کے انسانوں پر نافذ کرنے کے لیے مناسب حال جدوجہد کرنے کی فرضیت اہل ایمان پر عائد کرتے ہوئے اُنہیں حکم دیا ہے کہ اِس مقصد کی دست آوری تک آرام سے بیٹھنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے اِس قانون کے مقابلہ میں کسی اور کے بنائے ہوئے قانون کا نفاذ روا نہیں ہے اور اس فریضہ سے بے اعتنائی برتنے والوں کے دعویٰ ایمان میں سچائی ممکن نہیں ہے۔ جیسے سورۃ آل عمران میں فرمایا:

''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ''(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں کے لیے ضابطہ حیات وقانون فطرت اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

۱۔ یوسف:76۔

۲۔ آلِ عمران:19۔

اب اِس وضاحت کی روشنی میں سورۃ انفال کی مذکورہ آیت کریمہ کا مختصر ترجمہ و معنی اس طرح ہوگا کہ:

''تمام روئے زمین کے انسانوں پر زندگی کے جملہ شعبوں میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا قانون فطرت نافذ ہو کر دنیا سے فتنہ ظلم واستحصال، فتنہ کفر وشرک اور نفس پرستی سے جنم پانے والے تمام فتنوں کا خاتمہ ہونے تک فریضہ جہاد کے حکم پر عمل کرتے رہو۔''

صحاح ستہ شریف کی مذکورہ حدیث شریف کا بھی یہی معنی ومقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

''أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُولُوا لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ''

یعنی کلمہ طیبہ کے ضمن میں موجود اللہ کے قانون فطرت کو جب تک تسلیم نہیں کرتے اُس وقت تک فطرت انسانی کے تقاضوں کے برعکس زندگی گزارنے والوں کے ساتھ مقتضاء حال کے مطابق لڑنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس قانون فطرت کے برعکس زندگی گزارنے والے انسان چاہے کفروشرک کے ظلم میں مبتلا ہوں یا نفس پرستی، توہم پرستی اور مخلوق پرستی کے اندھیرے میں، معاشی بے اعتدالیوں کے شکار ہوں یا سیاسی افراط وتفریط کے دلدادہ، اُن سب کو راہِ استقامت پر لانے کا علاج بھی یکساں نہیں ہوسکتا کیوں کہ دنیا بھر کی جملہ بیماریوں کا علاج ایک ہی نسخہ کے ساتھ کیے جانے کے ناممکن ہونے کی طرح ہی ان تمام مختلف الانواع امراض کا علاج بھی ایک ہی اندازِ عمل کے ساتھ کرنا غیر ممکن ہے۔ جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں اِن کے مختلف اندازِ علاج، ہر ایک کے مناسب حال اصلاح اور ہر مرض کے پس منظر و پیش منظر اور مقتضاء حال کے مطابق اُن کے ازالہ واصلاح احوال کے لیے لائحہ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جس پر عمل کر کے اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے بھی اُمت کو بتایا ہے کہ ہر غیر مسلم گردن زدنی کے قابل نہیں ہوتا دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے تمام یہودی ونصرانی اور مشرکین واجب

القتل نہیں ہوتے اور اسلامی عقیدہ وعمل کے ہر منکر کے ساتھ مسلح جہاد روا نہیں ہوتا بلکہ دُنیا بھر کے اِن امراض میں مبتلا منکروں، بدفطرتوں اور کج کلاہوں کے علاج کرنے کے لیے مختلف طریقے بتا دیئے ہیں جس کی اصلاح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ ہونا ممکن ہو اُسے مؤلفۃ القلوب کے زمرہ میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جسے مؤلفۃ القلوب بنا کر اسلام کے ساتھ مانوس کرنا ممکن ہو اسے سیاسی مراعات دے کر صراط مستقیم پر لانے کی ضرورت نہیں ہے اور جسے سیاسی مراعات و معاہدات اور تعاون دے کر راہِ استقامت میں لانا ممکن ہو تو اس کے خلاف مسلح جہاد کرنا جائز نہیں ہے۔

اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ جو قرآن شریف کی عملی تفسیر ہے ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلح جہاد سے پہلے انہیں صراط مستقیم کی روشنی میں لانے کے لیے سینکڑوں طریقے اور پرامن راستے ہیں۔ اگر کسی دشمن اسلام کو راہ استقامت پر لانے کے لیے مسلم اُمت کی طرف سے کی جانے والی یہ تمام تر کوششیں ناکام ہوتی ہیں تب مخصوص احکام و شرائط کے مطابق مسلم ریاست پر اُن کے ساتھ مسلح جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے، گویا جہاد بالسیف مذکورہ آیات و احادیث میں موجود مسئولیت کی آخری شکل ہے جس پر عمل بطور آپریشن کیا جا سکتا ہے یعنی جس طرح کسی بیمار عضو کے علاج کے لیے تمام ممکنہ طریقہ ہائے علاج کے مراحل سے گزرنے کے بعد اُن کے ناکام ہونے کی صورت میں مرض کا جسم کے دوسرے حصوں کو متاثر کرنے کے خطرات کے انسداد و پیش بندی کے لیے اُسے کاٹ کر باقی جسم کو بچانا پڑتا ہے۔ جہاد بالسیف کا بھی یہی حال ہے کہ جن اسلام دشمنوں کے ساتھ مسلح جہاد کر کے اُن کے ناپاک و ظالم وجود کے متعدی جراثیم سے زمین کو پاک کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی انسانیت کے اعضاء و حصے ہی ہوتے ہیں لیکن اُن کی قوت فکری و عملی کی بے اعتدالی کا مرض لاعلاج ہونے کے ساتھ دوسرے ابناء جنس کو بھی انسانیت کے فطری تقاضوں سے معکوس العمل کرنے کی طرف متعدی ہونے سے بچانے کے لیے جہاد بالسیف کے ذریعہ اُن کا آپریشن کیا جاتا ہے لیکن اس کے لیے اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ نے محض جذبات کی رو میں بہہ کر ماحولیاتی اثرات سے آنکھیں بند کر کے اقدام کرنے سے اُمت کو منع کیا ہے۔ جیسے لاعلاج

عضوِ بدن کو آپریشن کے ذریعہ ختم کرنے سے قبل اُس کے جملہ مندرجات کا ہر پہلو سے تجزیہ کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ آپریشن کا اُلٹا اثر بھی ہوسکتا ہے اِسی طرح جہاد بالسیف کا آپریشن شروع کرنے سے پہلے تقاضاءِ وقت کے مطابق اُس کے تمام پہلوؤں کا مکمل جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

حاصلِ کلام:۔ مذکورہ آیت کریمہ ''وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ'' اور حدیث نبوی ﷺ ''اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' جیسے تمام نصوص میں یہی مراد و مفہوم ہے کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے منکرین اور مستکبرین عالم کو راہ استقامت پر لانے کے لیے مقتضاء حال کے مطابق اصلاحی جدو جہد جاری رکھنا، اُمت مسلمہ پر اُس وقت تک فرض ہے جب تک دنیا بھر سے ظلم و استحصال کے فتنوں کا خاتمہ نہیں ہوتا، جب تک کلمہ طیبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے جملہ مقتضیات ولوازمات پر عمل نہیں ہوتا، جب تک ''وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ'' کا ظہور نہیں ہوتا اور جب تک آیت کریمہ ''هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا''(۱) میں بیان شدہ مقصد بعثت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ لیکن اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ سے روشنی حاصل کیے بغیر اِن نصوص کی فہم کسی کو حاصل ہوسکتی ہے نہ اِن پر عمل کرنے کی سعادت۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''(۲) کے مفہوم کو جزو ایمان بنائے بغیر مقصد تخلیقِ انسانیت کی سمجھ ممکن ہوسکتی ہے نہ مقصد بعثت نبوی ﷺ تک رسائی، کیوں کہ وہی ذات اقدس و اطہر اپنے قول و عمل اور کردار و سیرت کے اعتبار سے کلام اللہ کی اصل تفسیر ہیں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے مقدس آل و جانثار صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْن کا کردار کلام اللہ و کلام الرسول کی قابلِ اعتماد تشریح و تعبیر ہے جس کی روشنی میں مذکورہ آیات و حدیث کا شرعی مفہوم یہی ہوسکتا ہے جو ہم نے پیش کیا۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ

۱۔ الفتح:28۔

۲۔ الاحزاب:21۔

قرآن وسُنت کے اِن نصوص کو اُن کی اصل تفسیر کے برعکس، سیرۃ النبی ﷺ کے متضاد، آل بیت نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی تفسیر وتشریح کے منافی مفہوم پر محمول کر کے غیر مسلموں کے ساتھ مسلح تصادم و جہاد بالسیف کے ساتھ خاص ہونے کا تاثر دے کر اسلام کی بدنامی کا سامان کیا جارہا ہے۔ اغیار کی نگاہ میں اسلام کو امن دشمن اور خونخوار مذہب کے طور پر متعارف کرایا جارہا ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں کو اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرانے کا موقع فراہم کیا جارہا ہے اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی جارہی ہے۔

میں حیران ہوں کہ اِن حضرات نے مذکورہ آیت جیسے نصوص میں قتال ومقاتلہ کو اور ''وَ قَاتِلُوْهُمْ'' کے الفاظ کو مسلح جہاد کے ذریعہ غیر مسلموں کو ختم کرنے والے مفہوم کے ساتھ کیوں خاص سمجھا حالانکہ عربی لُغت میں یہ اس معنی کے ساتھ خاص نہیں ہے، جیسے لسان العرب میں لکھا ہوا ہے:

''وَلَيْسَ كُلُّ قِتَالٍ بِمَعْنِي الْقَتْلِ''(۱)

یعنی قتال ومقاتلہ کا معنی ہر جگہ میں قتل کرنے کا نہیں ہوتا۔

اسی طرح نمازی کے سامنے سے گزرنے والے سے متعلق اللہ تعالیٰ کے حبیب رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ہے: ''قَاتِلهُ فَإِنَّهُ شَيْطَان''(۲)

جس کا معنی ہے کہ نماز کے منافی حرکت سے بچتے ہوئے اُسے اپنے سامنے سے ہٹانے کے لیے مقدور بھر کوشش کرنا۔

امام راغب الاصفہانی نے مفردات لغاتِ القرآن میں لکھا ہے:

''وَالْمُقَاتَلَة الْمُحَارَبَة''(۳)

۱۔ لسان العرب، ج:11، ص:549، مطبوعہ قم، مادہ (ق،ت،ل)۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، باب السترۃ فی الصلوٰۃ، ص:74، مطبوعہ نور محمد کراچی۔

۳۔ امام راغب الاصفہانی نے مفردات لغاتِ القرآن، مطبوعہ نور محمد کراچی، ص:401 مادہ (ق،ت،ل)۔

یعنی قرآن شریف کے اندر مقاتلہ کے وزن سے بنے ہوئے جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ محاربہ یعنی لڑنے کے مفہوم میں ہیں۔

تو ظاہر ہے کہ مخالفین کے ساتھ لڑائی ہمیشہ مسلح ہی نہیں ہوتی بلکہ محاربہ کی مقتضاء حال کے مطابق متعدد شکلیں ہوتی ہیں کبھی گرم کبھی سرد، کبھی علمی کبھی عملی اور کبھی ایک انداز سے اور کبھی کسی دوسرے انداز سے۔ ایسے میں قرآن وحدیث کے اِن الفاظ کو غیر مسلموں کے ساتھ مسلح جہاد کے مفہوم میں خاص مشہور کر کے غیر مسلموں کو بزور شمشیر مسلمان کرنے کو مقصد بعثت نبوی ﷺ قرار دینا یا مسلح جہاد کے ذریعہ اُنہیں مسلمان ہونے پر مجبور کرنے کو مقصد اسلام بتانا قرآنی تعلیمات کے خلاف بدفہمی ہے، مزاجِ اسلام کے خلاف وسوسہ شیطانی ہے اور اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ سمیت عمل اہل بیت نبوت و کردار صحابہ کرام کے متضاد نفسانی خواہشات ہونے کی وجہ سے اسلام کی بدنامی کا بدترین سبب ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جہاد کی مختلف اقسام کے احکام

عام حالات میں جہاد اسلامی کے کچھ احکام پر عمل کرنا جملہ اہل اسلام پر فرض کفائی ہے کیوں کہ عمل کا حکم عقیدہ سے مختلف ہوتا ہے۔ اِس لیے کہ فرضیت کا عقیدہ کسی صورت میں بھی ساقط نہیں ہوتا جبکہ جہاد اسلامی پر عمل کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ اُس پر عمل کرنے سے مقصد مسلمانوں کے ہاتھوں سے اُسے وجود میں لانا ہے چاہے سب مل کر کریں یا کچھ افراد کریں۔

فرض کفائی ہونے پر فقہی دلیل:۔

شرعی حکم ومدعا:۔ عام حالات میں جہاد کے حکم پر عمل کرنا مسلمانوں پر فرض کفائی ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ شریعت کی نگاہ میں خصوصیت افراد یا جمعیت افراد سے قطع نظر محض اُس عمل کا انجام پذیر ہونا مقصود ہے۔

کبریٰ:۔ شریعت کا ہر وہ مقصد جس کا وجود خصوصیت عامل کے بغیر مقصود ہو فرضِ کفائی ہوتا ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا جہاد پر عمل کرنا بھی مسلمانوں پر فرض کفائی ہے۔

جہاد کا جامع ترین مفہوم

اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں جہاد کے لُغوی و فقہی دونوں معنوں کو پیش نظر رکھ کر اِس کا جو جامع ترین معنیٰ مشخص کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ''ہر قسم ظلم و ناانصافی کے خلاف انسانیت کی بھلائی کی غرض سے اِعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے جدو جہد کرنا''، اسلامی جہاد کا یہ مفہوم بذات خود ایک کلی ہے جو لامحدود وافراد کو شامل ہے۔ قرآن و حدیث اور تشریحات اسلامیہ میں اِس مفہوم کے تحت مندرجہ ذیل انواع کا صراحۃً تذکرہ ملتا ہے:

1 جہاد بالنفس۔ 2 جہاد بالمال۔ 3 جہاد باللسان۔ 4 جہاد بالقلم۔(۱)

اور جس کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اُس کی قسموں کی تشخیص سے متعلق سلف وصالحین کی آراء مختلف ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں مندرجہ ذیل تین اقسام بیان کی ہیں:

1 جہاد مع العدو الظاہر۔ 2 جہاد مع الشیطان۔ 3 جہاد مع النفس۔

علاوہ ازیں جن حضرات نے جہاد مع الکفار، جہادِ حسی، جہادِ معنوی، جہادِ علمی، جہادِ عملی، جہادِ اصغر، جہادِ اکبر وغیرہ اقسام بیان کی ہیں۔ میری فہم کے مطابق یہ سب کچھ امام راغب اصفہانی کی بیان کردہ مذکورہ اقسام میں ہی درج ہیں کیوں کہ جہاد مع الکفار، جہاد حسی، جہاد عملی اور جہاد اصغر سلف وصالحین کے انداز کے مطابق جہاد مع العدو الظاہر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔ اسی طرح جہاد معنوی، جہاد علمی اور جہاد اکبر بھی جہاد مع الشیطان ہی کی مختلف تعبیرات وعنوانات ہیں۔ چاہے شیطان اِنسی ہو یا جنی، ظاہر ہو یا چھپا ہوا اور داخلی ہو یا خارجی، کسی چیز کی ظاہری شکلیں اور تعبیرات کے بدلنے سے اُس کی حقیقت کبھی نہیں بدلتی۔ لہٰذا اسلامی جہاد جن چیزوں کے متعلق ہوسکتا ہے یعنی

۱۔ ان چاروں انواع کو ''ذرائع جہاد'' کے عنوان کے تحت پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

جس چیز کے خلاف اسلام نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہ مفردات امام راغب اصفہانی کے بیان کردہ اِن تین چیزوں سے ہرگز متجاوز نہیں ہے یعنی جہاد مع الکفار، جہاد مع الشیطان اور جہاد مع النفس۔ پھر ذرائع جہاد کی مذکورہ چاروں اقسام کو اِن تین اقسام میں ضرب دینے سے جہاد اسلامی کی کل بارہ اقسام تشکیل پاتی ہیں۔ پھر بھی اسلامی جہاد کی اِن بارہ اقسام کی غرض و غایت اور مقصود و مدعا بھی ہر جگہ اور ہر وقت یکساں نہیں ہوتا۔

❶ کبھی اِس کی علت غائی و محرک اسلام کی دعوتِ تبلیغ میں رکاوٹ بننے والی قوتوں کو ہٹانا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ''(۱)

یعنی اگر وہ اپنی ظالمانہ عادات و جرائم سے باز نہیں آتے تو اسلام کی دعوتِ تبلیغ میں رکاوٹ بننے والے سرغنوں کے ساتھ جہاد کرو تا کہ دوسرے خلقِ خدا کو ظلم و جرائم سے بچایا جا سکے کیوں کہ اِن بدعہد دشمنانِ امن کے معاہدوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایسے ہی مستحقین جہاد ظالموں سے متعلق مرفوع حدیث میں آیا ہے:

''لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ''

یعنی مومن کو نہیں چاہیے کہ کسی دشمن کو دوبارہ ڈسنے کا موقع دے۔

❷ کبھی اسلام کو مٹانے، شعائر اللہ کو بگاڑنے اور ضروریات دینیہ کو ختم کر کے اُس کی جگہ غیر اسلامی فکر و عمل لانے کے لیے متحرک قوتوں کی اسلام دشمن یلغار کا انسداد کرنا مقصود ہوتا ہے۔

جیسے فرمایا:

''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ''(۲)

۱۔ التوبۃ:12۔

۲۔ البقرۃ:194۔

یعنی جس دشمن نے بھی تم پر حملہ کیا تم بھی اُس کے مطابق ہی اُس پر دفاعی حملہ کرو اور جنگ کے ذریعہ ضرورت سے زیادہ خلقِ خدا کو نقصان پہنچانے میں اللہ سے ڈرو اِس بات کا یقین کرو کہ اللہ ہمیشہ ان ہی کا ساتھ دیتا ہے جو بدامنی پھیلانے اور خلق خدا کو نقصان و ضرر پہنچانے سے اجتناب کرتے ہیں۔

اِس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ ایٹم بم جیسے وسیع تر تباہی پھیلانے والے عسکری اسلحہ جات بنانے، رکھنے اور چلانے کی اسلام اُس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک مخالف کے پاس یہ موجود نہ ہو۔ اِس آیت کریمہ سے بلا ضرورت یا ناگزیر ضرورت سے زیادہ مہلک اسلحہ استعمال کرنے کے عدم جواز معلوم ہونے کی طرح ہی اسلام دشمنوں کی طرف سے متوقع خطرہ کے انسداد کے لیے اُس کی طرف سے استعمال ہونے والے اسلحہ کے مطابق، اس سے فائق اور مکمل تیاری کی فرضیت بھی معلوم ہورہی ہے کیوں کہ اِس کے بغیر محض جذبات کے سیلاب میں بہنے والوں کے کمزور، نامناسب، غیر عصری اور نامعقول اسلحہ سے اپنے سے زیادہ قوی اور فائق دشمن کو مؤثر جواب دینے کی فرضیت پر عمل ناممکن ہے۔

❸ کبھی غیر مسلم استعمار کی طرف سے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کو خطرہ درپیش ہونے یا اُن کے کسی معاہدہ والی غیر مسلم قوم کی زمینوں، جائیدادوں، جان و مال اور عزت وآبرو کو خطرے کی صورت میں ظالم استعمار کا ہاتھ روکنا یا اُس سے انتقام لینا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:

”وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا“ (۱)

۱۔ النسآء:75۔

۴ کبھی کسی مسلم استعمار کو دوسرے مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرنے سے روکنا مقصود ہوتا ہے۔
جیسے فرمایا:

''فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ''(۱)

۵ کبھی مسلم مملکت کی سرحدات کو خارجی فساد کاری و دراندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے چوکیداری و پاسبانی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوع حدیث میں آیا ہے:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دو آنکھیں ایسی ہیں کہ اُنہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوسکتی۔ اول وہ آنکھ ہے جو اللہ کے خوف سے روئے، دوسری وہ آنکھ ہے جو مسلم سرحد کی پاسبانی کرتے ہوئے رات گزارے۔

۶ کبھی اسلام کے دوست نما دشمنوں کی طرف سے اسلام ہی کے نام پر تعلیم تبلیغ، دعوت و اصلاح، طریقت و شریعت اور مذہب و روحانیت، الغرض کسی بھی جاذب قلب و نظر شکل میں کی جانے والی سازش اور اُس دجل و فریب کا انسداد کرنا مقصود ہوتا ہے جس سے اسلام کے بنیادی احکام و عقائد میں تلبیس ابلیس اور التباس الحق بالباطل ہو کر مسلمانوں کو یا اُن کی آئندہ نسلوں کو حقیقی اسلام سے منحرف ہونے کا خطرہ ہو یا اغیار کی نگاہ میں اسلام کی بدنامی کا سبب ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس قسم کے تطہیری مقصد یا تحفظ اسلام کی غرض سے علمی، لسانی اور قلمی جہاد کرنے والے خوش قسمت مجاہدین اسلام کے متعلق نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث حضرت عمران ابن حصین سے اس طرح موجود ہے:

''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ لَا تَزَالُ

۱۔ الحجرات،9۔

طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ"(۱)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ "میری اُمت میں اہل حق کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی پاسبانی وحفاظت کی خاطر اہل باطل کے ساتھ جہاد کرتی رہے گی یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک اُس کے ہاتھوں دجال قتل نہیں ہوتا۔

۷ کبھی اس سے مقصد حقوق اللہ یا حقوق العباد کی ادائیگی کا فریضہ ہوتا ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن عمرو کی روایت سے آیا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حبیب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک صحابی نے جہاد پر جانے کی اجازت چاہی تو نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اُس نے جواب اثبات میں دیا کہ زندہ ہیں تب آقائے دوعالم ﷺ نے کفار کے ساتھ جہاد کے لیے جانے سے روک کر اُسے فرمایا کہ:

"فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ"(۲)

یعنی اُن کے حق خدمت انجام دینے کا جہاد اپناؤ۔

۸ کبھی اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے ذریعہ دین ودنیا کی استقامت کے ساتھ اشاعت وتحفظِ اسلام کا جذبہ اِس کے لیے محرک ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"(۳)

نتیجۃ التحقیق:۔

۱ جہاد ومجاہدہ اور اِن سے بننے والے وہ الفاظ جو قرآن وسُنت میں استعمال ہوئے ہیں دو مفہوم رکھتے ہیں: ایک لُغوی۔ دوسرا شرعی۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد، ص: 331، مطبوعہ ایچ سعید کراچی۔

۳۔ العنکبوت: 69۔

اِن دونوں مفاہیم کی ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت منقول الیہ و منقول عنہ کی ہے کہ شرعی مفہوم اِن کا منقول الیہ ہے جبکہ اِن کا لُغوی مفہوم منقول عنہ ہے۔

۲ قرآن وسُنت میں استعمال ہونے والے اِن الفاظ کے مذکورہ جدا جدا مفاہیم کی پہچان و تعیین کسی قرینہ وشواہد کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ یہ قرینہ وشاہد کبھی کلام کے سیاق وسباق میں موجود ہوتا ہے کبھی محل کلام میں اور کبھی پیغمبر اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے عمل سے پہچانا جاتا ہے اور کبھی تقاضۂ عقل سے، بہر تقدیر کبھی لُغت کی زبان میں اور کبھی شریعت کی مخصوص زبان میں استعمال ہونے والے دوسرے الفاظ مثلاً صلوٰۃ وزکوٰۃ سے مرادِ الٰہی کی پہچان کے لیے کسی خارجی دلیل وشواہد کے ناگزیر ہونے کے عمومی اُصول کے مطابق یہاں پر بھی کسی خارجی دلیل وقرینہ اور میزان عقل سے کام لینا ضروری ہے جس کے بغیر ایک کی جگہ کلام کو دوسرے پر محمول کرنے کی غلطی کی جاسکتی ہے۔ جو کتاب اللہ پر ظلم کرنے کے مترادف ہوگا۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡهُ)

۳ کسی بھی منقول لفظ کے منقول الیہ مفہوم کی اُس کے منقول عنہ کے ساتھ مناسبت کی موجودگی ضروری ہونے کے عمومی اُصول کے عین مطابق یہ الفاظ بھی قرآن وسُنت کے جن مقامات پر اپنے شرعی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں اُن سب میں لُغوی مفہوم کے ساتھ مناسبت پائی جاتی ہے۔

۴ اِن الفاظ کا لُغوی مفہوم ''کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے حتی المقدور جدوجہد کرنا'' ہے۔ عام اِس سے کہ وہ جائز ہو یا ناجائز اور ایسا کرنیوالا مسلم ہو یا غیر مسلم جبکہ شرعی مفہوم اِن کا ''کسی مسلمان یا مسلمانوں کا اِعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اُس کے مخالف مظالم و بے اعتدالیوں کو مٹانے میں حتی المقدور جدوجہد کرنا'' ہے

۵ اِن الفاظ کے دونوں مفاہیم کے مابین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ جہاں پر شرعی مفہوم مراد ہو وہیں پر لُغوی مفہوم کی جھلک کا پایا جانا ضروری ہے لیکن جہاں پر لُغوی مفہوم میں استعمال ہوئے ہو وہیں پر شرعی مفہوم کی جھلک کا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ اُس کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔

❻ اِن الفاظ کا شرعی مفہوم بجائے خود کلی مشکک اور بمنزلہ جنس ہے جس کے ماتحت شرعی جہاد کے مختلف انواع و اقسام پائے جاتے ہیں جن میں سے کسی کی تعیین و تشخیص کے لیے بھی کسی قرینہ و شاہد کا ہونا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے لُغوی و شرعی مفاہیم میں سے کسی ایک کو مرادِ الٰہی کے طور پر متعین سمجھنے کے لیے قرینہ و شواہد ضروری ہوتے ہیں۔

❼ مسلح جہاد جو جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ قسم اور فردِ کامل ہے ظلم و تعدی کو مٹانے کی راہ میں آخری آپشن ہے جس سے پہلے شرعی جہاد کی دوسری اقسام سے کام لینے کا حکم ہے جن کے نتیجہ خیز نہ ہونے کی صورت میں مجبوراً جہاد بالسیف کی اِس راہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے کیوں کہ یہ کسی ناقابلِ علاج عضوِ بیمار کو آپریشن کر کے بدن سے کاٹ پھینکنے سے مختلف نہیں ہے جس سے پہلے علاج کی تمام ممکنہ صورتوں کو عمل میں لانا ضروری ہوتا ہے۔

❽ لفظ قتال و مقاتلہ اور اِن سے بننے والے دوسرے وہ الفاظ جو قرآن و سُنت میں بطور حکم الٰہی استعمال ہوئے ہیں، لفظ ''جہاد و مجاہدہ'' کی طرح ہی دو مفہوم رکھتے ہیں:

ایک لُغوی، دوسرا شرعی۔

لُغوی مفہوم:۔ اِن کا لڑنے کے ہیں۔

شرعی مفہوم:۔ ''مومن مسلمان کا اللہ کی راہ میں اِعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے لڑنے'' کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جس کے مطابق قتال و مقاتلہ فی سبیل اللہ کی ہر صورت میں اِن کے لُغوی مفہوم کی جھلک کا پایا جانا ضروری ہے جبکہ لُغوی مفہوم کی ہر صورت میں شرعی مفہوم کی جھلک کی موجودگی ضروری نہیں ہے بلکہ اُس کے بغیر اور اُس سے متضاد کردار میں بھی پایا جاتا ہے۔

❾ ذرائع، متعلق و مَصرف اور مقاصد و اقسام کے حوالہ سے جہاد و قتال اور مجاہدہ و مقاتلہ کے شرعی مفاہیم کے مابین مکمل یگانگت و اتحاد ہے جس کے مطابق شرعی جہاد کے لیے جن ناگزیر ذرائع و مصارف اور مقاصد و اقسام کو معتبر سمجھا جاتا ہے بلا کم و کاست وہ سب کے سب

قتال فی سبیل اللہ کے شرعی مفہوم میں بھی معتبر ہیں۔

⑩ اقدامی جہاد و قتال سے پہلے نظام مصطفیٰ ﷺ پر مبنی سیاسی مقتدرہ کی موجودگی، مناسب حال تیاری، حالات کے مطابق عسکری تربیت اور دشمن کی عسکری صلاحیت کا اندازہ جیسے اُمور ناگزیر شرائط ہیں جبکہ دفاعی جہاد و قتال کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔

⑪ مسلح جہاد فی سبیل اللہ چاہے اقدامی ہو یا دفاعی بہر تقدیر اُس کے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اِعلاءِ کلمۃ الحق کی خاطر اُس میں شامل ہونے والے سب کے سب غازی فی سبیل اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ اور مقاتل فی سبیل اللہ کے عظیم القاب پانے کے مستحق ہوتے ہیں جس کے بعد اُن کی موت چاہے جس طریقے سے بھی واقع ہو جائے، بہر تقدیر وہ شہید فی سبیل اللہ، مقتول فی سبیل اللہ اور "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ"(۱) کے مظاہر و مصداق قرار پاتے ہیں۔ شہادت کے عظیم رُتبے پر فائز ہونا اِن سب میں قدرِ مشترک ہونے کے بعد مدارج و مراتب میں ایک دوسرے پر فائق و افضل ہونے کا مدار اُن کے اخلاص کے شرح تناسب پر موقوف ہے یعنی جس کا اخلاص جتنا زیادہ ہو، اُسی شرح تناسب سے اُس کی شہادت بھی افضل و اعلیٰ ہوتی ہے۔ گویا جہاد فی سبیل اللہ کے شرعی مفہوم کا اپنے انواع و اقسام میں کلی مشکک ہونے کی طرح رُتبہ شہادت فی سبیل اللہ بھی بجائے خود کلی مشکک ہے۔

⑫ جہاد کے شرعی مفہوم کے ماتحت اُس کے جملہ انواع و اقسام کی فرضیت پر عقیدہ رکھنا کسی تخصیص کے بغیر ہر مومن مسلمان پر ہر وقت لازم ہے جبکہ مسلح جہاد پر عمل کا مسلمانوں پر لازم ہونے کے لیے مخصوص حالات اور اپنے اوقات ہوتے ہیں اور مسلح جہاد کے ماسوا انواع و اقسام پر عمل کرنا کسی خاص وقت پر موقوف نہیں ہے۔

⑬ دفاعی جہاد اور اِقدامی جہاد کے یہ دونوں الفاظ مسلح جہاد کے ساتھ خاص ہیں اِس کے سوا جہاد کی دوسری اقسام کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔

۱۔ البقرۃ:154۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

اِس تحریر کا ماہنامہ آوازِ حق میں شائع ہونے کے ایام میں تازہ سوال یہ آیا کہ فدائی حملوں کی شرعی حیثیت کی بحث میں مقاصد جہاد کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اِعلاء کلمۃ اللہ یا فتنہ وفساد اور ظلم وغیرہ بے اعتدالیوں کو مٹانے یا اُن سے خود کو بچانے یا اسلام کو اور خلق خدا کو بچانے کے ماسوا کسی اور فائدہ کے لیے کئے جانے والا جہاد اسلامی جہاد نہیں ہے حالانکہ صحابہ کرام نے حصول جنت کے لیے جہاد کیا ہے۔ جو اِن تینوں مقاصد سے جدا چیز ہے۔ مثال کے طور پر حدیث میں آیا ہے کہ:

”جنگ اُحد کے موقع پر ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ”اگر میں جہاد کرتا ہوا قتل ہو جاؤں تو میرا انجام کیا ہوگا؟“ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ”تو جنت میں جائے گا“ یہ سن کر اُس نے جنت کی خاطر اتنی جلدی کی کہ اُس وقت کھجور کھا رہا تھا اُس کو کھانے تک بھی دیر نہیں لگائی بلکہ وہ پھینک کر جہاد کے لیے آگے بڑھا اور جہاد کرتا ہوا شہید ہوا۔(۱)

اِسی طرح جنگ اُحد کا ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت انس ابن نضر رضی اللہ عنہ نے جنت کی خوشبو محسوس کر کے اُس کی خاطر آگے بڑھ کر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اِس کے علاوہ بھی مشہور ہے کہ جہاد حصول جنت کے لیے کیا جاتا ہے اور قرآن شریف سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے کہ سورۃ البقرہ، آیت نمبر 111 میں جنت کو جہاد کا عوض قرار دیا گیا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت کے جن نصوص کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ مجاہدین فی سبیل اللہ اِعلاء کلمۃ اللہ سے منہ موڑ کر ذاتی مفاد میں حصول جنت کو مقصود اصلی قرار دے کر جان کی بازی لگائیں تب بھی اُنہیں مجاہد فی سبیل اللہ اور شہید راہِ حق کہا جائے، نہیں ایسا تصور نہ اِن نصوص میں ہے نہ کسی اور اسلامی روایت میں بلکہ اسلامی جہاد، مجاہد فی سبیل اللہ اور شہید راہِ حق کہلانے کے

۱۔ بخاری شریف، ج:2،ص:579۔

مستحق ہونے کے لیے شرعی معیار صرف یہی کچھ ہے کہ صرف اور صرف اِعلاء کلمۃ الحق کو مقصودِ اصلی اور مُلتفت الیہ بالذات بنا کر جہاد کیا جائے۔

حصولِ جنت کو یا کسی اور مفاد کو اس کے ساتھ ملا کر اِعلاء کلمۃ الحق اور اُس کو ایک جیسے مقصودی اور ملتفت الیہ بالذات بنا کر جہاد کرنے والا بھی مجاہد فی سبیل اللہ نہیں کہلا سکتا چہ جائیکہ صرف حصول جنت کو مقصودِ اصلی بنانے والے کو یہ استحقاق حاصل ہو، اسلام میں ایسا تصور ہرگز نہیں ہے۔اس پر دلیل وہ مرفوع حدیث ہے، جس میں صحابہ کرام ﷺ نے مجاہد فی سبیل اللہ سے متعلق پوچھا کہ ''ایک شخص اپنی شجاعت کا چرچا کرانے کی نیت سے جہاد کرتا ہے اور کوئی ایسے بھی ہیں جو مسلم معاشرہ میں مجاہد مشہور ہونے کی نیت سے کرتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو مالِ غنیمت سمیٹنے کی نیت سے کرتے ہیں ان میں سے فی سبیل اللہ کون ہے''؟ اِس کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ''(۱)

یعنی جس نے اِس نیت کو اصل الاصول اور بنیادی مقصد بنا کر جہاد کیا کہ اِعلاء کلمۃ اللہ ہو جائے۔

یعنی فی سبیل اللہ جہاد ہونے کی صرف یہی واحد صورت ہے کہ جہاد کرنے والے کی نیت، بنیادی مقصد اور ملتفت الیہ بالذات اِعلاء کلمۃ اللہ کے ماسوا کوئی اور چیز قطعاً نہ ہو، نہ انفرادی طور پر جیسے اس حدیث کے واقعہ میں پوچھنے والوں کا پوچھنا اور اللہ کے رسول ﷺ کا اُس کے جواب میں جہاد فی سبیل اللہ کو اسی ایک صورت میں منحصر بتانے سے معلوم ہو رہا ہے اور نہ مشترکہ طور پر کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ حصول جنت یا کوئی بھی دوسرا مفاد بنیادی نیت میں شامل اور ملتفت الیہ بالذات ہو کیوں کہ ''مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ'' کے ارشاد میں جو قصر ہے اِس میں فی سبیل اللہ کہلانے کے قابل جہاد کو اِعلاء کلمۃ اللہ کی نیت کے ساتھ مختص بتایا

۱۔ بخاری شریف، ج:1،ص:440۔

گیا ہے یہ قصر اِفراد یا قصر تعیین کے قبیل سے ہونے کی بناء پر اشتراک کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا اسی نکتہ کی بنیاد پر مقصد جہاد کا صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہونے پر تمام اُمت کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ جہاں تک عوامی زبان میں مشہور ہونے کا مسئلہ ہے کہ وہ جہاد کا اصلی مقصد جنتی ہونا کہتے ہیں تو یہ عوامی مذہب میں ہے، خدائی مذہب میں ایسا تصور نہیں ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس عوامی مذہب کی اتنی تشہیر کی جارہی ہے کہ بعض جہادی جماعتیں اپنے زیر دست نو خیز جوانوں کو اس سوداگری کی ترغیب دے کر خراب کررہی ہیں۔ ناواقف دنیا چاہے اُنہیں عالم دین کہے یا مفتی، اصحابِ مدارس سمجھے یا اصحاب محراب و منبر جبکہ حقیقت میں الٰہیات کے حوالہ سے اُن کی حیثیت عوام سے مختلف نہیں ہے۔ ایسے ہی کچھ نیم خواندہ علماء اور اُن کے حلقہ اثر سے متاثرہ عوام نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ جیسی عبادات کی بجا آوری کو بھی اسی طرح سوداگری سمجھ کر انجام دیتے ہیں جو سراسر غلط و بے بنیاد ہے۔ اِس حوالہ سے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی جہاد کا مقصد اِعلاء کلمۃ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اس مقصد کے مظاہر میں دو چیزیں شامل ہیں:

پہلی:۔ مجاہد کی بنیادی نیت اُس حقیقی مصرف جہاد کو مٹانا ہو جو اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ چاہے کفر و شرک ہو یا ظلم و تعدی جیسے کوئی بھی ناجائز اور دعوت اِلی اللہ کے منافی عمل ہو۔

دوسری:۔ اُس سے خود کو یا اسلام کو یا مسلم معاشرہ اور دوسرے مسلمانوں کو بچانا مقصد ہو۔

اِس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر مجاہد فی سبیل اللہ سے مقصد جہاد اور بنیادی نیت سے متعلق پوچھا جائے کہ تُو کس مقصد کے لیے ایسا کر رہا ہے؟ تو اِس کے جواب میں وہ اگر یہ کہے کہ میرا مقصد اِعلاء کلمۃ اللہ ہے یا یہ کہے کہ جس کے خلاف جہاد کر رہا ہوں اُس کو مٹانا مقصد ہے کیوں کہ وہ اِعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں رکاوٹ وفتنہ ہے یا یہ کہے کہ اُس سے خود کو یا اسلام کو اور مسلمانوں کو بچانا چاہتا ہوں اِس لیے کہ وہ اِعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت الی اللہ کی ضد ہے اِن تمام

صورتوں میں اُسے جہاد فی سبیل اللہ کہا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ مَصرف جہاد کو اسلام کی ضد سمجھنے میں وہ حق بجانب بھی ہو ورنہ جہل پر مبنی ہونے کی صورت میں بھی اُسے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ فی سبیل اللہ جہاد بے مَصرف اور مبنی بر جہل نہیں ہو سکتا۔ الغرض مصرف جہاد حقیقت پر مبنی اور فی الواقع اسلام کی ضد ہونے کی صورت میں مذکورہ تینوں مقاصد میں سے ہر صورت میں اُسے جہاد فی سبیل اللہ، مجاہدین فی سبیل اللہ اور شہید فی سبیل اللہ کہا جا سکتا ہے۔

اول صورت سب پر عیاں ہے اور دوسری و تیسری صورتوں میں اِس لیے کہ یہ دونوں اِعلاء کلمۃ اللہ کے مظاہر ہیں کیوں کہ ضد کو مٹانے سے یا اُس سے بچنے اور بچانے میں دعوت الی اللہ کا غلبہ و ظہور ہوتا ہے جو عین اعلاء کلمۃ اللہ ہے حقیقی معنی میں مجاہد فی سبیل اللہ بننے کے بعد چاہے جس کے ہاتھوں اور جس شکل میں بھی اُس کی موت واقع ہو جائے تو قرآن و سنت کے مطابق وہ شہید فی سبیل اللہ کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے اور جنت اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ خود کار نظام قدرت کے مطابق واجب ہو جاتی ہے گویا حقیقی جہاد فی سبیل اللہ کو جنت لازم ہے چاہے مجاہد کے ارادہ میں غیر مقصود اصلی کے طور پر موجود ہو یا نہ ہو۔

وضاحت در وضاحت:۔ جہاد فی سبیل اللہ عبادت ہے اور عبادت کی دو قسمیں ہیں:

ایک اعتقادی۔ دوسری عملی۔

اعتقادی عبادت:۔ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ہے جو انسان کی قوت فکری کی مسئولیت و ذمہ داری ہے۔

عملی عبادت:۔ اعمال صالحہ ہیں جو انسانی جوارح، ہاتھ، پیر، حواس اور زبان کے حوالہ سے ذمہ داری و مسئولیت ہے۔ چاہے قولی ہو یا فعلی، ظاہری ہو یا باطنی، اجتماعی ہو یا انفرادی۔

اِن دونوں کا باہمی ارتباط یہ ہے کہ ایمان اعمال صالحہ کا مُقتضِی ہے جبکہ اعمال صالحہ اور شریعت مقدسہ کے اوامر و نواہی کی بجا آوری اُس کی مقتضا ہے جبکہ حصول جنت اور اُس کے داخلہ سے سرفراز ہونا اِن دونوں کے لوازمات میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کا

تخلف محال بالغیر و ناممکن ہے۔اسی نکتہ کی بنیاد پر دوسری ترغیبات شرعیہ کی طرح مجاہدین فی سبیل اللہ کو بھی جنت کی ترغیب دی گئی ہے۔

قرآن وسنت کے جن نصوص میں جنت کو جہاد فی سبیل اللہ کا عوض بتایا گیا ہے اُس کا پس منظر بھی ترغیب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ اِس لیے کہ حقیقی مجاہدین کے لیے بطور لازمہ ایمان و لازمہ جہاد اُس کا داخلہ ویسے بھی ضروری قرار پا چکا ہے تو پھر اُس کی ترغیب دے کر ان کے جذبہ کو دوبالا کیوں نہ کیا جائے۔اس کی ایسی مثال ہے، جیسے ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهُ سَلَبُه'' کہہ کر مجاہدین فی سبیل اللہ کو ترغیب دی گئی ہے۔ اِس قسم ترغیبات،شوق شہادت اور جذبہ جہاد و اخلاص فی سبیل اللہ کی بے شمار مثالیں اسلامی روایات میں موجود ہیں۔مثال کے طور پر جنگ صفین کے دلخراش معرکہ میں صحابی رسول ﷺ حضرت عمار بن یاسر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا خود بھی جذبہ شہادت کے ساتھ سرشار ہونے کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام کو بھی تشویق دلاتے ہوئے کہا ''غَدًا نَلْقَى الاحبة مُحَمَّدًا وَصَحبَهُ''۔اِسی طرح ایک معرکہ کارزار میں حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے از خود اشتیاق جنت ظاہر کرنے کے ساتھ دوسرے صحابہ کو بھی جہاد میں آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا۔

يَا حبذا الجَنَّةُ وَاقتِرَابُها طَيِّبَةٌ وَبَارِدٌ شَرَابُهَا(۱)

خلاصه الجواب:۔ جنت اور اُس کی نعمتوں کے ساتھ سرفراز ہونا اور مال غنیمت سے مالا مال ہونا اور مجاہد و غازی فی سبیل اللہ یا شہید کا لقب پانے، جیسے تمام اُمور اضافی ترغیبات کے سوا اور کچھ نہیں ہیں جو اصل مقصد جہاد یعنی اعلاء کلمۃ اللہ پر متفرع اور اُس کے ثمرات ہیں۔اللہ تعالیٰ اِن ثمرات کو سمیٹنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

۱۔ التفسیر الکاشف، ج:1،ص:155۔

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

(1) جہاد کی تعریف، اقسام جہاد:۔

(2) جہاد بالدعوۃ: کیا مسلم یا غیر مسلم معاشرے میں زبان وقلم اور دیگر پرامن ذرائع سے دین کی دعوت تبلیغ اور اِعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش بھی جہاد ہے؟

(3) جہاد بالنفس: کیا دینی احکام پر عمل کے لیے اپنی ذات کی اصلاح اور اِس کے لیے کوشش وجدوجہد بھی جہاد شمار ہوگی؟

اقدامی جہاد:۔ یعنی وہ مسلح جدوجہد جس میں کسی ایسی کافر حکومت کی طاقت توڑنا اور اسے جھکانا مقصود ہو جو اپنے عوام کے فہم اسلام میں رکاوٹ ہو۔

اس جہاد کی شرائط:۔

(4) شرطِ امام: کیا یہ جہاد صرف کسی مسلم ریاست (یا ریاستوں) کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے یا یہ مسلم افراد اور ان کی پرائیوٹ تنظیموں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے؟

(5) شرطِ مقدرت: کیا یہ جہاد ہر حالت میں فرض ہوتا ہے یا صرف اس وقت جب مسلم حکومت (یا حکومتیں) اتنی طاقتور ہوں کہ کافر حکومت کی شکست کا احتمال غالب ہو؟ کیا سورۃ انفال کی دوگنا اور دس گنا والی شرط کا اطلاق یہاں ہوتا ہے؟

(6) اس جہاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی یہ فرض ہے یا مستحب؟

دفاعی جہاد:۔

(7) جب کوئی غیر مسلم طاقت کسی مسلمان ریاست پر حملہ کردے/قبضہ کرلے تو اس وقت اگر مسلم حکومت شکست کھاجائے تو کیا اس ملک کے مسلم عوام پر جہاد یا مسلح مزاحمت فرض ہو جاتی ہے؟

(8) اس مزاحمت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی یہ فرض کفایہ ہوتی ہے یا فرض عین یا محض مستحب؟

(9) کیا اس حالت میں شرطِ امام مقدرت ساقط ہو جاتی ہیں؟

(10) اگر محض استخلاص وطن مقصود ہو اور اس کے بعد اسلامی حکومت قائم کرنے کا عزم واعلان موجود نہ ہو تو کیا پھر بھی یہ مسلح مزاحمت جہاد شمار ہوگی؟

(11) اگر کفار ایسے مفتوحہ ملک میں اپنی گماشتہ مسلم حکومت قائم کر دے تو کیا اس حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت جائز ہوگی اور وہ شرعی جہاد سمجھی جائے گی؟

(12) کیا اس طرح کے دفاعی جہاد میں دشمن ملک (اور اس کے حلیف ممالک) کے اندر جا کر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

(13) کیا اس ملک کی شہری آبادی اور شہری مقامات پر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

(14) کیا اس ملک کے سفارت خانوں پر حملہ جائز ہوگا؟

(15) کیا اس ملک کے معاشی مفادات پر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

اگر ایک مسلمان ملک پر کفار کا حملہ رقبضہ ہو جائے:۔

(16) کیا ساری مسلم حکومتوں پر جہاد فرض ہو جائے گا؟

(17) یا صرف مجاور مسلم حکومت رحکومتوں پر جہاد فرض ہوگا؟

(18) یا ساری مسلم حکومتوں پر محض اس کی اعانت فرض ہوگی؟

(19) یا صرف مجاور مسلم حکومت رحکومتوں پر اعانت فرض ہوگی؟

(20) اس اعانت کی حدود کیا ہوں گی؟ کیا محض سیاسی اعانت سے بھی حق ادا ہو جائے گا؟

(21) اس اعانت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ یعنی فرض ہوگی یا مستحب؟

(22) اگر مسلمان ریاستیں اس متاثرہ مسلم ریاست کی مدد نہ کریں تو کیا اس صورت میں ساری اُمت کے مسلمانوں پر (یعنی ہر فرد مسلم پر) جہاد فرض ہو جائے گا؟

(23) یا صرف مجاور مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوگا؟

(24) مسلم افراد (یا ان کی بنائی ہوئی پرائیوٹ تنظیموں) پر یہ جہاد فرض کفایہ ہوگا یا فرض عین یا مستحب؟

(25) کیا دفاعی جہاد میں خودکش حملے جائز ہیں؟

(26) دفاعی جہاد میں اگر ان بین الاقوامی معاہدوں کے ضوابط کی خلاف ورزی ہو، جن پر مُسلم حکومتوں نے دستخط کر رکھے ہیں تو اس صورت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

(27) دہشت گردی کی تعریف کیا ہے؟

مسلمان ریاست کے داخلی معاملات:۔

(28) اگر مسلمان حکمران بالجبر مسلمان رعایا پر حکومت کریں، ان کی پالیسیاں بھی غیر اسلامی ہوں اور وہ کفار کے گماشتے بھی ہوں تو کیا ان کے خلاف مسلح جدوجہد جائز ہے؟ اور یہ جہاد شمار ہوگی؟ یہ مسلح جدوجہد فرض کفایہ ہے، فرض عین یا مستحب؟

(29) ایسے مسلمان حکمران کے خلاف پر امن اصلاحی جدوجہد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ فرض کفایہ ہے، فرض عین ہے، مستحب یا غیر ضروری ہے؟

(30) کیا مسلمان افراد اور تنظیموں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ باہمی دینی اختلافات (جیسے شیعہ سنی میں، اہل سنت اور منکر حدیث میں یا دیوبندی بریلوی......وغیرہ میں ہیں) کی بناء پر ایک دوسرے کو کافر کہیں؟ یا ایک دوسرے کے خلاف "مسلح جہاد" کریں یعنی اسلحہ اُٹھائیں؟

تکفیرِ مسلم اور فرقہ بندیاں:۔

(31) اگر ایک مسلمان حکومت میں ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان فرد یا گروہ کے بارے میں یہ رائے رکھے کہ وہ کافر ہے، ایسے دِل خراش حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

(32) کیا مذہبی فرقہ واریت کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل کرنا جائز ہے؟

جہادی سوالات کا جواب:۔ جہاد کے حوالہ سے ہماری مذکورہ تحقیق سے مذکورہ سوالنامہ کے سوال نمبر 1 تا نمبر 4 اور نمبر 6 کے جوابات کو سمجھنا قارئین کے لیے آسان ہو گیا وہ اِس طرح کہ جب ہم نے عربی زبان کی لُغت ومحاورہ اور قرآن وسنت کے حوالہ سے جہاد کے دو مفہوم بتادیئے ہیں، جن میں سے:

ایک:۔ لُغوی یعنی کسی بھی کام کے لیے حتی المقدور جدوجہد کرنا۔

دوسرا:۔ شرعی یعنی اللہ کی رضا کے موجب کسی کام میں حتی المقدور جدوجہد کرنا بتادیئے۔

جس کے بعد شرعی مفہوم جو بجائے خود ایک کلی مشکک اور بمنزلہ جنس ہے کے ماتحت متبائن انواع واقسام اور اُن کے جدا جدا شرعی احکام بتادیئے تو شریعت مقدسہ کی زبان میں جہاد کی تعریف واضح ہونے کے ساتھ اُس کی متعدد اقسام کا بھی پتہ چل گیا کہ یہ سب کے سب اسلامی فرائض ہیں جن پر عمل کرنے کے لیے اپنے اپنے اوقات اور موسم وتقاضے ہوتے ہیں جس کی تفصیل ہم بیان کر آئے ہیں۔

❷ سوال نمبر 4 کے جواب کو سمجھنا بھی آسان ہو گیا کہ نظامِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بالادستی کے لیے قرآن وسنت کی ریاست بطور مرکز قائم کئے بغیر کسی کے ساتھ بھی مسلح جہاد کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جہاد کی اس قسم کو عمل میں لانے کے لیے بطور مرکز اور کنٹرولر کی حیثیت سے نظامِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت قائم کرنا تمام اُمت پر اولین فرض ہے جس کا طریقہ کار اُسوہ حسنہ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مسلح اقدامی جہاد کے جواز کے لیے جب تک اِس اولین شرط کی دستآوری نہیں ہوتی اُس وقت تک اسلام دشمن حکومتوں سے لے کر اُن کے عوام تک سب کے ساتھ جہاد کی دوسری قسموں پر عمل کرتے رہنا مقتضی الحال کے مطابق ہر مومن مسلمان پر فرض عین ہے چاہے نرینہ ہو یا زنانہ۔ جب تک نظام مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق قرآن وسنت کی حکومت قائم نہیں ہوتی اُس وقت تک کسی ظالم حکومت کے ساتھ مسلح جہاد کرنے کو اسلامی جہاد کہا جاسکتا ہے نہ ظالم عوام کے ساتھ۔ اِسی طرح قبائلی وعلاقائی دستوں کو اِس کی اجازت دی جاسکتی ہے نہ جہاد کے نام پر وجود میں لائے جانے

والی تنظیموں کو، کیوں کہ اسلامی جہاد کی اس اعلیٰ قسم یعنی مسلح جہاد کو بیضۃ الاسلام اور متحدہ کنٹرول و مرکز کے بغیر جاری کرنے سے مقاصد جہاد کی دست آوری کے بجائے فساد و بدامنی کا حجم اور بھی زیادہ ہو سکتا ہے جس کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے۔ جب ہم نے اس تحقیق میں اقدامی مسلح جہاد کے لیے دشمن کی طاقت کا پہلے سے اندازہ لگانے کو شرط کے طور پر ذکر کیا تو اِس کی روشنی میں سوالنامہ کے اندر مذکور سوال نمبر 5 کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ مقدرت کے بغیر کسی بھی ظالم کے ساتھ مسلح اقدامی جہاد کرنا جائز نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ''(۱)

یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے جتنے بھی غزوات فرمائے ہیں اُن میں کوئی ایک مسلح جہاد بھی ایسا نہیں ہے جس میں دشمن کی طاقت کا پیشگی اندازہ لگائے بغیر اقدام کیا۔ ہو نہیں کہیں بھی اس کی مثال نہیں ملتی بلکہ ہر موقع پر اس شرط کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق تیاری کی جاتی رہی جو غزوات نبوی ﷺ کے حوالہ سے سیرۃ النبی کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ جب صرف شمشیر و سنان اور تیر کمان دور کی جنگوں میں بھی اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے دشمن کی طاقت کا پیشگی اندازہ لگائے بغیر اقدام کرنے کی کبھی اجازت نہیں دی ہے تو پھر موجودہ دور کی عسکری طاقتوں کا جائزہ لیے بغیر اُن کے خلاف اقدام کرنے کے جواز کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقہاء کرام نے مسلح اقدامی جہاد کے جواز کے لیے اِس ناگزیر شرط کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''وَهٰذَا اِذَا غَلَبَ عَلَى ظنه اَنَّه يُكَافِيهم وَاِلا فَلَا يُبَاحُ قِتَالُهُمْ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ مسلح قتال تب جائز ہوتا ہے جب اُن کو شکست دینے کا غالب گمان ہو ورنہ جائز نہیں ہوگا۔

۱۔ البقرۃ:195۔

۲۔ فتاویٰ جامع الرموز، کتاب الجہاد، ج:4، ص:555۔

جہاد کی اس تفصیل کے نتیجہ میں مذکورہ سوالنامہ کے سوال نمبر 7 سے لے کر 24 تک تمام سوالات کا جواب بھی واضح ہوگیا۔

سوال نمبر 7 کا اس طرح کہ اسلامی حکومت کا کفار کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد عوام پر مسلح جہاد کے لازم ہونے کا تصور اُس وقت تک اسلام میں نہیں ہوسکتا جب تک اہل اسلام صاحبِ استطاعت نہیں ہوتے کیوں کہ اس صورت میں عوام کی طرف سے کیا جانے والا مسلح جہاد ظلم و بے اعتدالی اور منکر کو ہاتھ سے روکنے کے زمرہ میں آتا ہے جو یہاں پر استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے لازم نہیں ہوگا ورنہ خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے زمرہ میں آئے گا جو گناہ ہے بلکہ اِس صورت میں اُس ظالم فاتح حکومت کے خلاف مسلح جہاد کے ماسوا شرعی جہاد کی وہ تمام ممکنہ صورتیں مسلم عوام پر لازم ہوجاتی ہیں جو اِن کے لیے مقدور ہیں، مثلاً دل میں نفرت اور زبان سے تبلیغ کرنے کی وہ تمام صورتیں جو مسلمانوں کے مستقبل کے لیے مفید ہونے کے ساتھ اُن ظالموں کو صراط مستقیم کی طرف لانے کی راہ میں مد ہوسکیں۔ اِس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم قبائل یا مسلم تنظمیں اُن ظالموں سے متعلق تبلیغی جہاد کریں یا سیاسی، لسانی کریں یا قلمی، سفارتی کریں یا صحافتی، حسب المقدور جو بھی کریں بین الاقوامی ہوا کا رُخ دیکھ کر کریں کہ عالمی برادری میں اسلام کی بدنامی کا سامان نہ ہو، نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی سنت طیبہ بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے رائے عامہ کی نفرت کی موجب تبلیغ کبھی نہیں فرمائی۔

نیز مسلم حکومت کی شکستگی کے بعد جملہ مسلمانانِ عالم پر جہاد کے وہ تمام طور وطریقے اختیار کرنا فرض ہوجاتا ہے جس سے اہل اسلام کے سابقہ مقبوضات کی واپسی ممکن ہوسکے اور اِس راہ میں مسلمانوں کے اہل دانش پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

سوال نمبر 8 کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ مرکز کی رہنمائی و کنٹرول سے محروم عوام پر جب اُس ظالم فاتح کے خلاف مسلح جہاد بے مقصد و بے نتیجہ ہونے کی وجہ سے جائز ہی نہیں ہے تو پھر اُس کے فرض عین یا فرض کفایہ ہونے کا تصور ہی نہیں رہتا۔ البتہ اپنے مقبوضات کی واپسی کے لیے

اور غیر مسلموں کے عمل دخل کو ختم کرانے کے لیے ہر اُس طریقے کو اختیار کرنا لازم ہو جاتا ہے جس کی بدولت یہ ضروری مقاصد حاصل ہو سکیں۔

سوال نمبر 9 کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ اِس خطرناک صورتحال میں جب ظالم کے خلاف مسلح اِقدام ہی جائز نہیں ہے تو پھر شرطِ اِمام کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ایک اہم مغالطہ اور اُس کا جواب

اسلامی حکومت کا کفار کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد اُس کے عوام پر ظالم فاتح کے خلاف مسلح جہاد لازم نہ ہونے کے باوجود بغیر امام اور بغیر مقدرت کے بھی عوام پر مسلح جہاد کے لازم ہونے کی باتیں کرنے والے حضرات اس وجہ سے مغالطہ میں ہیں کہ اُنہیں مسلح جہاد کے فرض عین ہونے کے وقت اور مصرف کا علم نہیں ہے کیوں کہ اُنہیں کتب فقہ میں موجود اُن عبارات کے حقیقی محل و مصرف کو سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کفار کے غلبہ اور ہجوم کے وقت مسلح جہاد کے لیے اسلحہ اُٹھانا سب پر فرض ہو جاتا ہے، نرینہ و زنانہ کی تفریق ختم ہو جاتی ہے، بوڑھوں، بچوں کی استثنیٰ رہ جاتی ہے اور راہبوں کو خلوت گاہوں سے، مریضوں کو ہسپتالوں سے نکل کر چاقو، چھری، خنجر، بندوق اور لاٹھی جو بھی ہاتھ آئے لے کر دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لیے آگے بڑھنا حسب استطاعت فرض ہو جاتا ہے۔ جیسے متون سے لیکر شروح تک جملہ کتب فقہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

علمِ فقہ کے ساتھ شناسائی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ مسلح دفاعی جہاد کے سب پر فرض عین ہونے کی یہ خاص صورت جس کی کچھ جھلک عہد نبوت ﷺ میں جنگ احزاب کی شکل میں دیکھی گئی تھی اُس وقت ہے کہ جب تک مرکز قائم ہے اور بطور کنٹرولر اسلامی حکومت موجود ہے جس کے سربراہ سے لے کر سپاہی تک حالت جنگ میں ہیں اور شکست سے بچنے کے لیے ابھی لڑ رہے ہیں۔ وہ کون سا فقہ شناس ہے جو اِس بات کو نہ سمجھے کہ مسلح دفاعی جہاد کا یہ تاکیدی حکم اور یہ اہتمام کہ عام حالات میں جن پر مسلح جہاد فرض نہیں تھا اب اُن پر بھی فرض ہو رہا ہے صرف اور صرف اسلامی

حکومت کو شکست سے بچانے کے لیے ہے۔ خدانخواستہ جب اسلامی حکومت شکست کھا چکی اور جس کے نتیجہ میں فوج کو ہدایات دینے اور لڑانے کی پوزیشن میں نہ رہی، کنٹرول کرنے، دشمن پر فتح پانے یا مملکت کو بچانے کی اُمیدیں ختم ہوچکیں۔ ایسے حالات میں افسردہ و بے کنٹرول عوام پر ظالم فاتح کے خلاف مسلح دفاعی جہاد کے لازم ہونے کا کیا مَصرف باقی رہتا ہے؟ مقصد یہ کہ مسلح دفاعی جہاد کے سب پر فرض عین ہونے کا وقت اسلامی حکومت کے قائم رہنے تک ہے، اُس کے حالتِ جنگ میں ہونے تک ہے اور حکومت کو شکست سے بچانے کی اُمید باقی ہونے تک ہے ورنہ حکومت کا شکست کھانے کے بعد مسلح دفاعی جہاد کے فرض کفایہ ہونے کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے چہ جائیکہ فرض عین ہو۔ اِس حوالہ سے فقہاء کرام کی جملہ عبارات کا واحد مصرف اِس کے سوا اور کچھ نہیں جو ہم نے بیان کیا جس کو سمجھنے کے بعد کسی کو اشتباہ ہوسکتا ہے نہ مغالطہ۔ اللہ تعالیٰ سب کو اسلام کے احکام کو اُسوہ حسنہ سیدالانام ﷺ کے مطابق سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

سوال نمبر 10 کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ جب تک مقصد جہاد کے طور پر اعلاء کلمۃ الحق یا اُس کے مظاہر میں سے کوئی چیز پیش نظر نہ ہو اُس وقت تک کسی بھی مسلح جدوجہد کو اسلامی جہاد نہیں کہا جاسکتا، اُس میں مرنے والے شہید اور مار کر زندہ بچنے والے غازی نہیں بن سکتے کیوں کہ اسلامی جہاد کے مقاصد میں محض ملک گیری یا زمین کے کسی حصہ پر قبضہ کرنا شامل نہیں ہے تو پھر کسی غیر اسلامی حکومت کے سابقہ مقبوضہ خطہ کو چھڑانے کے لیے مسلح جدوجہد کرنے کو اسلامی جہاد قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ ہاں! اِس کے برعکس اگر وہ خطہ پہلے سے اسلامی حکومت کے مقبوضات کا حصہ ہو جس پر بعد میں کفار نے قبضہ کیا ہو تو پھر اُس کو اسلامی حکومت کے قبضہ میں واپس لانے کے لیے مسلح جدوجہد کرنا بالیقین اسلامی جہاد کہلائے گا کیوں کہ اِس میں اسلامی جہاد کا مقصد پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر 11 کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ غیر مسلم فاتح حکومت اور اُس کی نمائندہ و گماشتہ حکومتوں کے ساتھ مسلح جہاد نہیں بلکہ اِس کے ماسوا شرعی جہاد کی تمام ممکنہ صورتوں پر عمل کرنا وہیں

کے مسلمانوں پر بالخصوص اور جملہ مسلمانانِ عالم پر بالعموم فرض ہو جاتا ہے کہ اسلامی حکومت کی ایک ایک بالشت زمین سے ظالم فاتح حکومت کو بے دخل کرنے کے لیے مسلح تصادم کے بغیر ہر وہ حربہ استعمال کریں جو اس مقصد کے حصول میں مددگار ہو سکے اور اس سلسلہ میں جو قدم بھی اُٹھائے عالمی برادری کی نگاہ میں بدنام ہونے یا اپنے سیاسی مستقبل کے کمزور ہونے کے جملہ اسباب سے اجتناب کرتے ہوئے کر سکتے ہیں اِس حوالہ سے جو کچھ بھی کریں گے وہ اسلامی جہاد میں ہی شمار ہوگا اور اس جدوجہد میں مصروف سب کے سب مجاہدین راہِ حق ہی کہلائیں گے کیوں کہ اُن کی طرف سے اسلامی حکومت کی دوبارہ بحالی اور ظالم فاتح کے ہاتھوں اپنے مقبوضہ ملک کی واپسی وخلاصی کی راہ میں کی جانے والی یہ حتی المقدور کوششیں چاہے لسانی ہوں یا قلمی، تبلیغی ہوں یا سیاسی، صحافتی ہو یا سفارتی۔

الغرض اس راہ میں حسبِ استطاعت جو بھی کریں گے وہ ظلم کے خلاف ہے، اِعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے ہے اور نظام مصطفیٰ ﷺ کی اسلامی حکومت کے احیاء کے لیے ہے۔ اِس خاص صورتحال میں مسلح جہاد اگرچہ ان پر واجب نہیں ہے تاہم اگر وہیں کے کل مکاتب فکر علماء اور قبائلی عمائدین قابل اعتماد اتحاد کے تحت یکمشت ہو کر ظالم فاتح حکومت کے مفادات پر کبھی کبھی اِس انداز سے مسلح حملہ بھی کریں جس سے اسلامی حمیت کا اظہار ہونے اور ظالم کو نقصان پہنچنے کے ساتھ بین الاقوامی برادری میں بدنامی کا اندیشہ بھی نہ ہو اور اس سے مقصد یہ ہو کہ ظالم کے خلاف جاری غیر مسلح جہاد کو تقویت ملے، غیر مسلح جہاد میں مصروف کار مجاہدین کا حوصلہ بڑھے، عالمی برادری کی ہمدردیاں اِن کو حاصل ہو کہ وہ اِس کو ظالم فاتح کی جارحیت کا ردِعمل سمجھیں تو اِس مخصوص انداز کی مسلح جدوجہد کو بھی غیر مسلح جاری جہاد کا حصہ اور اُس کے لیے مدد ومعاون کے طور پر اسلامی جہاد سمجھا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ بھی اُسوہ حسنہ سید الانام ﷺ کے اشباہ ونظائر کے زمرہ میں آتا ہے کہ کفار ومشرکین کے ساتھ مسلح اقدامی جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے ظالم مشرکوں کے مفادات کے خلاف اِس انداز کے اِکا دُکا مسلح مجاہدات رونما ہونے کی مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریۃ المجاہدین کا وہ دستہ جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے مشرکین مکہ

کے اُس تجارتی قافلہ پر حملہ کر کے اُن کے اقتصادی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے بھیجا تھا جو تین سو افراد پر مشتمل تھا جس کی قیادت ابو جہل کر رہا تھا۔

اِسی طرح غزوہ ودان کے نام سے وہ واقعہ جو اہل مکہ کے شام سے آنے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ تعرض کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تھا جس کی قیادت بنفس نفیس حضور اکرم سید عالم ﷺ خود فرما رہے تھے۔ اِسی طرح غزوہ بواط اور غزوہ البدر الاولیٰ کے نام سے جو مشہور ہوئے ہیں یہ سب کے سب کفار و مشرکین کے ساتھ مسلح جہاد اور با قاعدہ جنگ کرنے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کے واقعات ہیں اِن سب میں با قاعدہ جنگ نہ ہونے کے باوجود اسلام کے سیاسی مستقبل کو جو تقویت ملی یا آئندہ اپنے وقت پر ہونیوالے مسلح جہادوں کو جو مدد ملی اور غیر مسلح جہاد کے تسلسل کے ساتھ جاری عمل کو جو عروج ملا اُس سے اسلامی تاریخ کا ہر طالبعلم باخبر ہے۔

سوال نمبر 12,13,14,15 کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ اسلامی حکومت پر قبضہ کرنا تو بہت بڑا حادثہ ہے بلکہ کفار کی طرف سے اسلامی حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گوشہ پر قبضہ کرنے کی صورت میں بھی وہیں کے تمام مسلمانوں پر بالخصوص اور بیرون رہنے والوں پر بالعموم الاقرب فـالاقرب اُس کو چھڑانے کے لیے حسب استطاعت جدو جہد کرنا ایسا اہم فریضہ ہے کہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔ جس کی تفصیل وہی ہے جو سوال نمبر 11 کے تفصیلی جواب میں ابھی ہم بیان کر آئے ہیں لیکن شہری آبادی اور بے گناہ لوگوں کو نشانہ بنانا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ظالم وغاصب دشمن کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے سلسلہ میں جزوی طور پر اسلحہ چلانے کی زد میں اگر کوئی بے گناہ آجائے تو اُس کا مسئلہ ہی جدا ہے۔ اِس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص شکار کو نشانہ بنا کر فائر کرے جس کی زد میں غیر ارادی طور پر کوئی انسان آجائے۔ الغرض اسلام امن کا مذہب ہے شہری آبادی پر جارحیت کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ اِسی طرح اسلامی حکومت پر کفار و مشرکین کی جارحیت کو اور اُن کا قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو بے حس و بے حمیت و بے حرکت خاموش بیٹھے رہنے کی بھی اجازت نہیں دیتا بلکہ حسب

استطاعت اسلامی حکومت کو اُن سے چھڑا کر دوبارہ مستحکم کرنے کے لیے حتی المقدور جدو جہد جاری رکھنے کا حکم دیتا ہے، جیسے فرمایا:

''وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ''(۱)

یعنی اُن کا فتنہ ختم کرنے اور قانون الٰہی کی بالادستی قائم کرنے کو مقصود بنا کر اُن سے لڑو۔

اللہ کے اِس فرمان کی روشنی میں بین الاقوامی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر، موسمی حالات کے مطابق تمام ممکنہ راہوں کو اپنانا اسلامی جہاد کہلاتا ہے جو کبھی ساقط نہیں ہوتا۔ اللہ کے مقدس کلام کا یہ کمال ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ میں ''وَاقْتُلُوهُمْ'' نہیں فرمایا جو مسلح جہاد کو فرض کرتا جو تقاضائے فطرت کے منافی ہوتا یہ اس لیے کہ جب ظالم فاتح کا مقابلہ حکومت نہ کر سکی تو شکست خوردہ حکومت کے یہ عوام اُس کے ساتھ مسلح جہاد کرنے کی کیا استطاعت پائیں گے جو دفاع کی پوزیشن سے بھی گئے گزرے ہیں کیوں کہ دفاع اُس وقت تک ممکن ہے جب تک حکومت مقابلہ کر رہی ہے، جب تک شکست نہ کھائی ہو اور جب تک مرکزی حیثیت سے فوج کو ہدایات دینے اور رسد پہنچانے کی پوزیشن میں ہو حکومت کی شکستگی کے بعد بیچارے عوام بشمول مجاہدین کے جتھوں کے قابل رحم حالت میں ہوتے ہیں کیوں کہ ظالم وغاصب کے قبضہ میں آ کر اُس کے ماتحت ہو چکے ہوتے ہیں ایسے حالات میں ظالم فاتح کے خلاف اسلحہ اُٹھا کر مسلح جہاد اُن پر فرض کرنے کا مطلب تکلیف مالا یطاق یعنی ناممکن چیز کا حکم دینے کے مترادف ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی شان عدل کے منافی اور تقاضائے فطرت کے خلاف ہوگا۔ اِس لیے ''وَاقْتُلُوهُمْ'' نہ بلکہ ''وَقَاتِلُوهُمْ'' فرمایا جس کے معنی قتل کرنے کے نہیں بلکہ لڑنے اور جہاد کرنے کے ہیں تو ظاہر ہے کہ ظالم کے ساتھ لڑائی اور جہاد استطاعت کے مطابق ہی لازم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا''(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی استطاعت کے سوا مکلّف نہیں فرماتا۔

۱۔ البقرۃ:193۔

۲۔ البقرۃ:286۔

اور ظالم کے ساتھ حسب استطاعت لڑائی و جہاد کبھی فکری ہوتا ہے کبھی عملی، کبھی لسانی ہوتا ہے کبھی قلمی، کبھی سیاسی ہوتا ہے کبھی عسکری، کبھی اقتصادی ہوتا ہے کبھی تہذیبی۔ قرآنی احکام کے فطری ہونے کی یہ واضح مثال ہے کہ جملہ آیات و مقامات میں لفظ ''قَاتِلُوْا'' یا لفظ ''جَاهِدُوْا'' استعمال کیے گئے ہیں جو اپنے آپس لفظی اختلاف کے باوجود جہاد کے شرعی مفہوم پر دلالت کرنے میں ایک ہیں اِس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ کس موقع پر کونسا جہاد لازم ہوتا ہے؟ اور کن حالات میں کون سی قسم فرض ہو جاتی ہے؟ نیز کن حالات میں شرعی جہاد کی کون سی شکل مراد ہوتی ہے اور کن حالات میں کون سی صورت مراد الٰہی ہو سکتی ہے؟ تو اِس کی تعیین و تشخیص سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہی کی جا سکتی ہے جس کے مطابق ظالموں کے ساتھ مسلح اقدامی جہاد کی فرضیت کے لیے نظام مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل خالص اسلامی ریاست وجود میں لانا اولین شرط ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ آیا ظالم قابض کے مقابلہ میں شکست خوردہ ملک کے مظلوم عوام اُس ظالم و غاصب ملک کے سفارت کاروں اور سفارت خانوں پر حملہ کرنے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ سفارتی روابط اور سفارت کاروں یا سفارت خانوں کا تبادلہ ہمیشہ حکومتوں کے مابین ہوا کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سفارت کاروں کی حیثیت مہمانوں کی ہوتی ہے اُن کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ نظام مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل قرآن و سنت کی حکومت کی حدود میں اُنہیں نقصان پہنچانے والوں کو نا قابل معافی مجرم سمجھا جاتا ہے۔ اِسی طرح سفارت خانوں سے متعلق ہر وہ جارحیت جو مسلم ریاست کی طرف سے کیے گئے معاہدہ کے منافی ہو یا عالمی برادری میں اسلامی ریاست کی بدنامی کا سبب بن سکتی ہو نہ صرف ناجائز و گناہ بلکہ قابل سزا جرم ہے۔ لیکن اسلامی حکومت کے خلاف جارحیت کر کے اُس پر قبضہ جمانے والی ظالم حکومت کے سفارت خانوں پر حملہ کرنے والے کسی حکومت کے اہلکار ہوتے ہیں نہ رعایا بلکہ اسلامی حکومت اُن سے چھینے جانے کے بعد اُن کی مثال اُس مظلوم سے مختلف نہیں ہوتی جس کے گھر پر کسی ظالم و جابر نے اسلحہ کے زور سے قبضہ کر کے اُس کو بے دخل کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ

اپنے حق کے لیے آخر دم تک جدوجہد میں رہنا اور ہر اُس ذریعہ کو اختیار کرنا اس کے لیے جائز ہے جس کو وہ اِس راہ میں مدد ومعاون سمجھتا ہے بشرطیکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بدنامی کا سامان نہ ہو اور رائے عامہ کی نگاہ میں موجب نفرت نہ ہو ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے:

''اِیَّاكَ وَمَایَسُؤْ الْاُذُنَ''(۱)

یعنی ہر اُس کام سے بچو جس کا سن کر رائے عامہ برا منائے۔

سوال نمبر 16 تا 24 تک ہر ایک کا جواب اِس طرح واضح ہوا کہ اسلامی جہاد کی نوعیت مختلف ہے اور ہر قسم کی فرضیت کے لیے اپنے اپنے اوقات اور تقاضے ہوتے ہیں۔ بہر تقدیر استطاعت کے سوا جہاد کی کوئی قسم مسلمانوں پر لازم ہوتی ہے نہ کوئی اور عبادت۔

اسلامی ریاست اور مسلم قومی ریاست کا فرق

اِس کے علاوہ یہاں پر سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ قرآن وسنت اور اُسوہ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق، طوائف الملوکی کی مختلف ٹکڑوں میں پائے جانے والی موجودہ اسلامی ریاستیں اسلامی ریاست علی منہاج النبوۃ نہیں ہیں کیوں کہ خالص اسلامی ریاست علی منہاج النبوۃ میں تمام روئے زمین کے لیے اقتدارِ اعلیٰ ایک سے زیادہ نہیں ہوتا جبکہ اُس کے ماتحت صوبے ہزاروں میں بھی ہوسکتے ہیں جن کی کرنسی، پاسپورٹ، دفاع کے لیے عسکری نظام اور خارجہ پالیسی کے لیے اُصول وضوابط، غیر مسلم ممالک کے ساتھ سفارت کا نظام اور شعبہ تبلیغ وغیرہ جیسے اُمور مرکز کے کنٹرول میں ہونے کے ساتھ ہر صوبہ اپنی مقامی زبان وتہذیب اور ماحولیاتی تقاضوں کے مطابق وسیع الاختیار ہوتا ہے۔ جیسے خلفائے راشدین کے تیس سالہ دورِ اقتدار میں تھا جس پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج:4، ص:76۔

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي،وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ،عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ''(۱)

یعنی میری سنت پر عمل کرواور راہ بتانے والے ہدایت یاب خلفاء کی سنت پر عمل کرواور کسی حال میں بھی اُسے مت چھوڑو۔

آج کل چار درجن سے زیادہ مسلم ریاستیں جو پائی جاتی ہیں اُن میں غالب اکثریت کی حیثیت مسلم قوموں کی ریاست کے سوااور کچھ نہیں ہے یعنی اسلامی حکومت صرف اس وجہ سے کہلاتی ہیں کہ اُن کے سربراہ غیر مسلم نہیں ہیں۔ نیز اُن میں رعایا کی غالب اکثریت بھی مسلمانوں کی ہے گویا اِن کی حیثیت مسلم قومی ریاست سے زیادہ کچھ اور نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی رضا مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی اس تفریق میں ہرگز نہیں ہے کہ طوائف الملوکی کی اِس پراگندگی میں مبتلا ہوکر کمزور ہو،اغیار کے تابع اور اُن کے محتاج ہو،اسلام کے تحفظ کرنے اور پھیلا کر ''لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ''(۲) کی تکمیل کرنے سے عاجز ہو نہیں ایسی کسی بھی حکومت کو حکومت علی منہاج النبوۃ نہیں کہا جاسکتا جب منہاج نبوت اور اُسوہ حسنہ سیدالانام ﷺ پر استوار نہیں تو پھر ان کی شرعی حیثیت بھی مسلم قومی ریاست کے سوااور کچھ نہیں ہے کیوں کہ حقیقی معنی میں اسلامی حکومت کہلانے کی قابل وہی ریاست ہوتی ہے جس میں مکمل طور پر قرآن وسنت کی حکمرانی ہو۔صلحاءِ اُمت کا اقتدار ہواور اللہ کے فرمان ''إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ''(۳) کی مظہر ہو، حدود اللہ کی پابندی اور شعائر اللہ کی تعظیم ہو،جس کے حکمران ذاتی مفادات پر مفاد عامہ کو ترجیح دیتے ہوں، دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوں،کفروشرک اور ظلم وتعدی کو پوری دنیا سے مٹانے

۱۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان،ص:30۔

۲۔ التوبۃ:33۔

۳۔ الحج:41۔

کے درپے ہونے کے ساتھ بیضۃ الاسلام کے محافظ اور توحید کلمہ کے داعی و پاسبانی کرتے ہوں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا"(۱) کون نہیں جانتا کہ اِس آیت کریمہ میں اللہ کی رسی قرآن شریف اور نظامِ مصطفی ﷺ کو سب مل کر تھامنے اور متفرق نہ ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ کسی تخصیص کے بغیر دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ نیز قرآنی احکام اور نظامِ مصطفی ﷺ کے مندرجات میں سب سے زیادہ زور سیاسی مقتدرہ کے استحکام اور بطورِ مرکز اُس کی وحدت پر دیا گیا ہے یہاں تک کہ اُس کی بندر بانٹ کرنے کی مذموم کوشش کرنے والوں کی سزا قتل سے کم نہیں رکھی گئی ہے۔ جیسے فرمایا:

"مَنْ أَرَادَ أَنْ يُّفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ"(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی مسلم اُمت کے اقتدار کو متفرق کرنا چاہے تو اُسے تلوار سے قتل کرو چاہے جو بھی ہو۔

ایک اور حدیث میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو کمزور کرنے کا سبب بننے والوں کو اللہ کے حضور شرمندہ و بے دلیل بتاتے ہوئے فرمایا:

"عَنْ حُذَيْفَةَ ابْنِ الْيَمَانِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَاسْتَذَلَّ الْإِمَارَةَ لَقِيَ اللّٰهَ وَلَا حُجَّةَ لَهُ"(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اسلامی امارت کے اکٹھ سے جدا ہو کر اُسے نقصان پہنچا کر اللہ کو ملے گا، اُس کے پاس اللہ کے حضور کوئی حجت نہیں ہوگی۔

۱۔ آلِ عمران:103۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الامارۃ، ص:320۔

۳۔ المستدرك للحاكم، كتاب العلم، ج:1، ص:119۔

ایک اور موقع پر تفریق بین المسلمین کو مستوجب قتل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"اَیُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ یُفَرِّقُ بَیْنَ اُمَّتِی فَاضْرِبُوا عُنُقَهٗ"(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص مسلم اُمت کے اکٹھ سے نکل کر اُن کے مابین جدائی ڈالے اُس کا سر اُڑا دو۔

کون نہیں جانتا کہ سیاسی اقتدار کے حوالہ سے اُمت کا اتحاد و اکٹھ موجب استحکام ہے جبکہ جغرافیائی اور لسانی تقسیم یا رنگ و نسل کے مطابق اقتدار کی تقسیم میں ضعف ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کیوں کہ اقتدار کے حوالہ سے ضعیف اُمت مقصدِ رسالت کی تکمیل نہیں کر سکتی جو "لِتَکُونَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا" ہے اور نظام مصطفیٰ ﷺ کو پوری دنیا میں پھیلا کر ظلم کا قلع قمع کرنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ"(۲)

رسالت کے اس فلسفہ کو عمل میں لانے کے لیے معجزہ نہیں آتا، اللہ تعالیٰ خود آ کر ایسا نہیں کرتا اور کسی خلائی مخلوق کے ہاتھوں بھی اِس کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ یہ صرف اور صرف اُمت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام اور نظام مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں اِس کی دست آوری کے لیے آگے آئے جس کی اولین شرط مستحکم سیاسی اقتدار وجود میں لانا ہے جو مذکورہ اوصاف کے حامل ہو، جو پوری دنیا کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ ہو۔ اور کون نہیں جانتا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمائندگی اور فلسفہ رسالت کی دست آوری کے قابل ہونے کے لیے اس کا استحکام ضروری ہے جو اتحاد و اکٹھ کے بغیر ممکن نہیں ہے کیوں کہ طاقت و توانائی کا راز مرکز کی وحدت میں ہی پوشیدہ ہے۔

۱۔ سنن نسائی شریف، کتاب المحاربۃ، ج:2، ص:165۔

۲۔ الصف:9۔

ڈیڑھ اینٹ کی ان قومی حکومتوں میں سے کوئی ایک بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمائندگی کر سکے اور فلسفہ رسالت کی دست آوری کر سکے کیوں کہ ایک گھر کے اندر تقسیم ہونے والے متفرق اقتدار کا منطقی نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے جو آج کل مسلم قومی ریاستوں کا ہو چکا ہے جب یہ ایک محدود قومی ریاست کو تحفظ دینے کی پوزیشن میں نہیں تو پھر دنیا بھر کے مسلمانوں کے حقوق کا کیا تحفظ کریں گی اور فلسفہ رسالت کی کیا تکمیل کریں گی۔ اِن نااہلوں سے اِس عظیم مقصد کی تکمیل کی اُمیدیں وابستہ کرنا ''بیل سے دودھ'' ملنے کی اُمید رکھنے کی غلطی سے مختلف نہیں ہے۔

نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا پوری اُمت کے لیے بمنزلہ گھر ہونا

اس کا اصل راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام مصطفیٰ ﷺ کو پوری اُمت کے لیے بمنزلہ گھر بنا کر اِس کی آبیاری واستحکام کو رنگ ونسل اور جغرافیائی ولسانی تفریق کے بغیر اُن سب پر لازم قرار دیا ہے اور اِس کے استحکام کا فلسفہ دنیا بھر کے گھروں (مذاہب) پر غالب کرنا بتایا ہے اور اس غلبہ و عالمگیریت کا فلسفہ کفروشرک اور ظلم وتعدی سے محفوظ معتدل معاشرہ کا قیام بتایا ہے جس میں کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے اور ہر شخص کو سکون اور اطمینان کی زندگی میسر آ سکے جس سے اللہ بھی خوش، بندے بھی خوش، شر وفساد اور ظلم وتعدی کی جملہ راہیں مسدود ہو کر ہر طرف راحت ہی راحت اور خوشی ہی خوشی ہو۔ جیسے بالترتیب مندرجہ ذیل نصوص سے مفہوم ہو رہا ہے:

''هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت اور واقعی ضابطہ حیات دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے جملہ دساتیر عالم پر غالب کریں اگرچہ

۱۔ الصف:9۔

غیر مسلموں کو یہ نہیں بھاتا۔

اور بیت اسلام میں تفرقہ ڈال کر اس کے اقتدار کو تقسیم کر کے کمزور کرنے والوں سے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ'' (الانعام:159)

وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب! تمہیں اُن سے کچھ علاقہ نہیں اُن کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ اُنہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

حدیث شریف میں حضرت ربیعۃ الجرشی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل نبوی رویاء بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے ''وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین اسلام جو نظام مصطفیٰ ﷺ سے عبارت ہے بمنزلہ گھر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کا بانی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کسی تخصیص کے بغیر پوری دنیائے انسانیت کو اس کی طرف بلانے والے داعی ہیں تا کہ سب اس میں داخل ہو کر اللہ کی رحمتوں، نعمتوں اور آسائشوں کے مستحق ہو کر اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''عَنْ رَبِیْعَةَ الْجَرَشِیِّ قَالَ اُتِیَ نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ فَقِیْلَ لَهٗ لِتَنَمْ عَیْنُكَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَلْیَعْقِلْ قَلْبُكَ، قَالَ فَنَامَتْ عَیْنِیْ وَسَمِعَتْ اُذُنَایَ وَعَقَلَ قَلْبِیْ قَالَ فَقِیْلَ لَهٗ سَیِّدٌ بَنٰی دَارًا وَصَنَعَ فِیْهَا مَاْدُبَةً وَاَرْسَلَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ، وَاَكَلَ مِنَ الْمَاْدُبَةِ، وَرَضِیَ عَنْهُ السَّیِّدُ، وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْكُلْ مِنَ الْمَاْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَیْهِ السَّیِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّیِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِیُ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَاْدُبَةُ الْجَنَّةُ'' (۲)

۱۔ سنن نسائی شریف، کتاب المحاربۃ، ج:2، ص:165۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، ص:27۔

اِس قسم کے تمام نصوص کی تائید اسلام کے اس مسلمہ عقیدہ سے بھی ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ میں مقتدرہ کا جو سربراہ ہوتا ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کا خلیفہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت ایک سے زیادہ ہونا ممکن نہیں ہے کیوں کہ خلافت نبوی ﷺ کے حوالہ سے اسلام کے دونوں فریق یعنی اہل تسنن واہل تشیع بالترتیب اِس کے فرشی یا عرشی ہونے میں مختلف ہونے کے باوجود وحدت پر متفق ہیں اور اسلام کی ان دو جماعتوں کے سوا جتنے بھی فرقے یا اہل قبلہ وجود میں آئے ہیں وہ بھی اس حوالہ سے کوئی اور رائے نہیں رکھتے بلکہ اُن میں سے بعض اہل تشیع کے تابع ہیں اور بعض اہل تسنن کے۔

اِن حالات میں سیاسی اقتدار کے حوالہ سے تعدد خلفاء کے عدم جواز کا عقیدہ جملہ اہل اسلام کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ کہلاتا ہے جس کے مطابق پوری دُنیا کے لیے سیاسی مقتدرہ کے سربراہ کا ایک ہونا ضروری ہے۔ مرکز کا ایک ہونا اولین شرط ہے، اقتدار کا پوری روئے زمین پر موجود مسلم اہل حل وعقد کے شوریٰ سے وجود میں آنا لازم ہے، پوری دنیا کے لیے کرنسی، پاسپورٹ اور فوج ودفاع سپریم کورٹ، خارجہ پالیسی اور شعبہ دعوت وتبلیغ جیسے اُمور کا ایک ہونا ضروری ہے تا کہ دُنیا بھر کا سپر پاور ہوسکے جو دُنیا بھر کے مسلمانوں کی مدد کر سکے اور اُن کے ہر دکھ درد میں شریک ہوسکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقصدِ رسالت کی تکمیل کر کے آیت کریمہ ''لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ '' کا مظہر بن سکے جو عین منشاء الٰہی ہے۔ یہ اِسلئے کہ دین اسلام کو جو بمنزلہ گھر قرار دیا گیا ہے وہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے لیے ہے جس میں عربی وعجمی اور کالے وگورے کی کوئی تفریق نہیں ہے، جیسے فرمایا ''بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ'' اِس کے بعد اسلامی اقتدار کو رنگ ونسل اور قومی بنیادوں پر تقسیم کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں رہتا ورنہ اسلام کو تقسیم کرنے کے مترادف ہوگا (العیاذ باللہ)۔

نیز اسلام کو بمنزلہ گھر قرار دینے کے بعد اُس کے تحفظ وپاسبانی کو جملہ افراد خانہ کی طرح دُنیا بھر کے تمام مسلمانوں پر فرض قرار دینے کا مقتضاء ہے کہ جیسے گھر کا سربراہ ایک ہوتا ہے ویسے ہی

اِن تمام پاسبانانِ اسلام کا سربراہ یعنی اقتدارِ اعلیٰ بھی ایک ہو ورنہ مرکز ایک نہ رہنے کی صورت میں افرادِ خانہ کے مابین خلفشار و رسہ کشی پیدا ہو کر اُس کی تقسیم کے موجب ہونے کی طرح اسلام کے اِن پاسبانوں کے مابین بھی اقتدار کی رسہ کشی و تقسیم پیدا ہو کر اسلام کی تقسیم پر منتج ہوگا۔ جیسے موجودہ طوائف المذہبی کی شکل میں سب پر عیاں ہو چکا ہے جو اسی طوائف الملوکی کا لازمی نتیجہ ہے۔ ایسے میں مسلم ممالک کی اِن حکومتوں کو مسلم قومی ریاست کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا جن سے وہ توقعات ہرگز وابستہ نہیں کی جا سکتی جو اسلامی حکومت علیٰ منہاج النبوۃ سے کی جا سکتی ہیں۔

پرائیوٹ عسکری تنظیموں کی شرعی حیثیت

سوال نمبر 24 میں پرائیوٹ عسکری تنظیموں پر مسلح جہاد فرض ہونے یا نہ ہونے سے متعلق سوال کا انداز یہی بتا رہا ہے کہ سوالنامہ ترتیب دینے والے حضرات کو اِن پرائیوٹ عسکری تنظیموں کی بجائے خود شرعی حیثیت کا علم نہیں ہے ورنہ اِن پر اسلامی حکومت کی شکستگی کے ردعمل میں مسلح جہاد فرض ہونے کا تصور ہی پیدا نہ ہوتا کیوں کہ خالص اسلامی حکومت علیٰ منہاج النبوۃ کی حدود میں رہنے والوں کو از خود کسی قسم کی عسکری تنظیم وجود میں لانے کا جواز ہی نہیں ہے ورنہ حکومت کی مضبوط گرفت سے آزاد ہونے کی وجہ سے اِن کے اسلحہ کا رُخ اپنے آپس ایک دوسرے کے خلاف بھی ہو سکتا ہے جس کی اجازت کوئی بھی حکومت نہیں دے سکتی چہ جائیکہ اسلامی حکومت اس سے چشم پوشی کر سکے۔ نیز حکومتی گرفت سے آزاد یہ تنظیمیں مذہبی تعصب کی وجہ سے اپنے فقہی مخالفین کو بھی نشانہ بنا سکتی ہیں جس کی بے شمار مثالیں موجودہ دور میں دیکھنے کو مل رہی ہیں جبکہ اسلامی ریاست میں جہاد کے نام پر مسلم کشی کو کفر سے کم گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ ایسا کرنے والوں کو قرآن و سنت میں اسلام سے خارج اور نارِ جہنم کے مستحق قرار دیا گیا ہے۔ جب اِن پرائیوٹ عسکری تنظیموں کے معروضی حالات جہاد کے نام سے فساد ہے، مخالف نظریہ پر اسلحہ اُٹھانا اور مسلم معاشرہ میں دہشت پھیلانا ہے تو پھر ان کو وجود میں لانے کا اسلام میں کیا جواز ہو سکتا ہے؟ جہاد کا نام استعمال کر کے مذہبی دہشت گردی کرنے

اور ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کا یہ قبیح عمل اس خطہ میں محض اس وجہ سے جاری ہے کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی حکومت نہیں ہے کہ کسی بھی فسادی کو سر اُٹھانے نہ دے، قرآن وسنت کی حکمرانی نہیں ہے کہ ریاست کے اندر ریاست بنانے والے دہشت گردوں کو نشانِ عبرت بنادے اور صلحاء اُمت کا اقتدار نہیں ہے جو ریاست کی حدود میں رہنے والے تمام مکاتب فکر کو یکساں تحفظ وحقوق دے جس کے بعد کسی بھی فسادی کو بہانہ فساد نہ ملے۔ ایسے میں پرائیوٹ عسکری تنظیموں پر مسلح جہاد لازم قرار دینے یا اِس کے جواز کا فتویٰ دینا ''مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی'' سے مختلف نہیں ہوگا۔

پرائیوٹ عسکری تنظیموں پر جہاد لازم ہونے کی خاص صورت

پرائیوٹ سیکٹر میں عسکری تنظیمیں وجود میں لانے کی صرف ایک صورت کو قرآن وسنت کے مطابق جائز قرار دیا جاسکتا ہے کہ جب اسلامی حکومت پہلے سے موجود ہو، حکومت کو ان پر اپنی گرفت، نگرانی اور کنٹرول کا یقین ہو کہ یہ کسی وقت بھی اسلحہ کو بے مصرف اور تخریب کاری کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ نیز اِن کی ذہنی تربیت مذہبی عصبیت، تنگ نظری اور فرقہ واریت سے پاک خالص اسلامی ماحول میں ہوئی ہو۔ نیز اِن کی نیت میں اِعلاء کلمۃ الحق اور اُس کے مظاہر کے علاوہ کسی اور چیز کا دخل نہ ہو۔ اِن چاروں شرائط کی موجودگی میں، یہ اُن مبارک تنظیموں کے اشباہ ونظائر میں سمجھی جائیں گی جو عہدِ نبوت ﷺ میں انصار ومہاجرین کے مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کی ہوا کرتی تھی۔ اُس وقت فوج کا مستقل محکمہ نہ ہونے کی وجہ سے اِن ہی کو اسلامی لشکر سمجھا جاتا تھا اور عہدِ نبوت ﷺ میں جتنے بھی غزوات ہوئے ہیں اُن سب میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ مسلح جہاد اِن ہی تنظیموں نے کیا ہے۔ اِن چاروں شرائط کے بغیر پرائیوٹ سیکٹر میں عسکری تنظیموں کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے ورنہ ایسے ہی مفاسد پر منتج ہونگی جو سویت یونین کی تحلیل کے بعد پاکستانی حکام کی غلط پالیسیوں کے نتیجہ میں اِس پورے خطہ میں آزمائے گئے ہیں جن کے تصور سے ہی انسانیت شرمسار ہوجاتی ہے۔

دورِ حاضر میں جتنی بھی مسلم قومی ریاستیں موجود ہیں وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ نہ ہونے کی وجہ سے اس پوزیشن میں ہرگز نہیں ہیں کہ جہاد کے نام پر وجود میں آنے والی تنظیموں پر مکمل کنٹرول کرسکیں یا اُن کے جواز کے لیے مذکورہ شرائط پر پورا اُتر سکیں لہٰذا اِن کا نتیجہ ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کے جواز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ مسلح اقدامی جہاد جیسا کوئی فریضہ اُنہیں سونپ دیا جائے۔ (حاشاو کلا)

اسلام میں جہاد کے مقدس نام کو افراط وتفریط کی ایسی غلط روش کے لیے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس پورے خطہ میں آجکل اس حوالہ سے جو دلخراش وارداتیں ہورہی ہیں۔ مخالف نظریہ والوں کا نہ صرف یہ کہ ناجائز خون بہایا جارہا ہے بلکہ کئی جگہوں میں جہاد کے نام پر اُن کے قبرستانوں پر بلڈوزر چلا کر ہموار کیا گیا ہے اور کئی جگہوں پر نمازِ جنازہ کے اجتماعات پر فائر کھول دیا گیا ہے۔ کئی مسجدوں، امام بارگاہوں اور عیدگاہوں میں عین نماز کی حالت میں بم بلاسٹ کر کے سینکڑوں نمازیوں کو خون میں نہلایا گیا، مخالفین کے کئی مذہبی اجتماعات میں خون کی ہولی کھیلی گئی، کتنوں کو ذبح کیا گیا اور کتنوں کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر درختوں کے ساتھ لٹکایا گیا اور کتنے مزارات کو مسمار کیا گیا یا جلایا گیا۔ جہاد کے مقدس نام کو ناجائز استعمال کر کے اسلام کے نادان دوست یہ سب کچھ اِس لیے کررہے ہیں کہ ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ کی حکومت نہیں ہے جہاد کے نام پر دہشت پھیلانے والوں کو لگام دینے والی سرکار نہیں ہے اور مذہبی عصبیت وفرقہ واریت کو جہاد کا نام دے کر اسلام کی بدنامی کرنے والوں کی گرفت نہیں ہے ورنہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی حکومت میں جہاد کے نام پر دہشت پھیلانے والے ایسے ظالموں کے لیے سخت سے سخت سزائیں مقرر ہیں کاش اُنہیں نافذ کرنے والا مقتدرہ بھی تو ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّفَرِّقَ اَمْرَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَھِیَ جَمِیْعٌ فَاضْرِبُوْہُ بِالسَّیْفِ کَائِنًا مَنْ کَانَ'' (۱)

۱۔ مشکوٰۃ شریف، ص:320، بحوالہ مسلم شریف۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص مسلم اُمت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے اُسے قتل کرو چاہے جو بھی ہو۔

نیز فرمایا: ''مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو مسلمانوں پر اسلحہ تانے وہ مسلمانی کی راہ پر نہیں ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ مذہبی دہشت گردی کو جہاد کا نام دے کر نظریاتی مخالفین کو قتل کرنے اور مسلم کُشی کی داستان رقم کرنے سے بڑا تفرقہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

سوال نمبر 25 کے انداز سے بھی ایسا لگتا ہے کہ سوال نامہ مرتب کرنے والے حضرات کو خودکُشی کی حقیقی صورتحال کا علم نہیں ہے ورنہ اُسے جہاد ہونے کا تصور نہ کرتے۔ اِس لیے ہم خودکُشی کی موت اور فدائی موت کی حقیقتوں کو واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خودکُشی کا حقیقی مفہوم

وہ اِس طرح ہے کہ ''ارادتاً و قصداً اپنی متاعِ حیات کو خود اپنے ہاتھ سے ختم کرنا ہے'' جو کسی صورت بھی جائز نہیں ہے کیوں کہ اِس کے حرام موت ہونے پر واضح احادیث موجود ہیں۔

جیسے حضرت ثابت ابن ضحاک الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ عُذِّبَ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ خودکُشی کرنے والے کو جہنم میں اُسی آلہ قتل سے عذاب دیا جائے گا جس کے ساتھ اُس نے دنیا میں اپنی زندگی خود ختم کی تھی۔

حضرت جندب ابن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ بخاری شریف، کتاب الفتن، ج:1، ص:1047۔

۲۔ بخاری شریف، ج:1، ص:182۔

''کَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ اللّٰهُ بَدَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے زخموں سے تنگ ہو کر خود اپنی زندگی اپنے ہاتھ سے ختم کی تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ اُس نے اپنی زندگی کو ختم کرنے میں مجھ سے پہل کی تو میں نے اُس پر جنت حرام کر دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اَلَّذِیْ یَخْنُقُ نَفْسَهُ یَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ یَطْعُنُهَا یَطْعُنُهَا فِی النَّارِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی پھندا ڈال کر اپنی زندگی کو ختم کرے گا اُس کو جہنم کی آگ میں بھی اُسی طرح عذاب دیا جائے گا اور جو کوئی نیزہ جیسے کسی آلۂ قتل سے خودکشی کرے گا دوزخ کی آگ میں بھی اُس کو اُسی طرح عذاب دیا جائے گا۔

فداکاری کا حقیقی مفہوم

خودکشی کی حقیقت اور اُس کے شرعی احکام جو حرامِ محض اور موجبِ جہنم ہے کو سمجھنے کے بعد فداکاری کی حقیقت اور اُس کی شرعی حیثیت کو سمجھنا بھی ضروری ہے تو فداکاری کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کسی مکروہ سے بچنے کے لیے یا کسی مقصد کی دست آوری کے لیے کوئی ایسا اقدام کرنا جس میں اپنی موت کا بھی یقین یا غالب گمان ہو گویا اپنے مفہوم کے اعتبار سے خودکشی اور فداکاری اپنے آپس ضدین ہیں کہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے یعنی خودکشی کا کوئی واقعہ فداکاری نہیں ہو سکتا اور فداکاری کی کوئی مثال خودکشی نہیں ہو سکتی۔ مفہوم کے اعتبار سے اِن دونوں کے مابین کلی تباین وجدائی ہونے کے باوجود شرعی احکام میں تباین نہیں بلکہ عموم خصوص مطلق ہے کہ خودکشی کی ہر صورت کا شرعی حکم

۱۔ بخاری شریف، ج:1، ص:182۔

۲۔ بخاری شریف، کتاب الجنائز، ج:1، ص:182۔

حرام موت و معصیت اور موجبِ عذاب ہے جبکہ فدا کاری کی ہر صورت ایسی نہیں ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ جب فدا کاری کی ہر صورت موتِ حرام اور معصیت نہیں تو پھر اُس کی شرعی تفصیل کیا ہوگی؟ اِس کی علیٰ وجہ اتم تحقیق ہم آگے چل کر مستقل عنوان کے ساتھ پیش کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

اِس مقام پر صرف اور صرف پیش نظر سوال نمبر 25 سے متعلق جواب پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں اور سوال چونکہ اسلامی جہاد سے متعلق ہے لہٰذا ہم بھی اِس کے جواب میں خودکشی اور فدا کاری کے اُن ہی مظاہر اور اُن ہی اقسام کو پیش نظر رکھ کر اُن کی شرعی حیثیت سے پردہ اُٹھائیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔ وہ اِس طرح ہے کہ عام لوگوں کو چونکہ خودکشی اور فدا کاری کی حقیقتوں کی تفریق معلوم نہیں ہوتی اور اُن کے مابین کلی تباین کو جاننے سے قاصر ہیں جس وجہ سے وہ ایک کی جگہ دوسرے کے لیے خاص لفظ کو استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اِس حوالہ سے عام لوگوں کا کہنا ہی کیا جبکہ اچھے خاصے اہل علم کو بھی ہم نے بے تفریق پایا ہے۔ پیش نظر سوالنامہ کو ترتیب دینے والے حضرات بھی اہل علم کے طبقہ سے ہیں جبکہ عدم تفریق کے اِس مغالطہ کی وجہ سے سوال نمبر 25 میں اُنہوں نے بھی اسلامی جہاد سے متعلق فدا کاری کی جگہ خودکشی کا لفظ استعمال کر کے عوامی پن کا اظہار کیا ہے یعنی پوچھنا وہ یہ چاہتے ہیں کہ "کیا دفاعی جہاد میں فدائی حملے بھی جائز ہو سکتے ہیں؟" لیکن فدائی حملہ کی جگہ اِس عدم کی تفریق کی بنا پر "کیا خودکش حملے جائز ہیں؟" کہہ گئے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اِس اصلاحی اور معاونتی کلام کے بعد سوال نمبر ۲۵ کا جواب یہ ہے کہ جب تک نظام مصطفی ﷺ پر مشتمل قرآن وسنت کی حکومت قائم ہے، جارح وظالم حملہ آور کے ساتھ اُس کی دفاعی جنگ جاری ہے یعنی جب تک اُسے شکست نہ ہوئی ہو اُس وقت تک جملہ رعایا پر حسب استطاعت مسلح دفاعی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے چاہے جس طریقے سے بھی کوئی کر سکے۔ حملہ آور ظالم کو شکست دے کر اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے یا مسلم ریاست کو شکست سے بچانے کے لیے ظالموں کے خلاف فدائی حملے کرنا بالیقین جائز ہیں بلکہ اسلامی جہاد سے متعلقہ شرعی احکام سے زیادہ موجب اجر عمل ہے اسے خودکشی کہنا یا خود ہلاکی کا گناہ کہنا اسلامی جہاد سے متعلقہ شرعی احکام سے غفلت کا نتیجہ ہے

اور دشمن پر اسلامی جہاد کے طور پر ان فدائی حملوں کا جواز، اِن کا موجب اجر ہونا اور اِس میں شہید ہونے والوں کا شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہونا صرف مسلح دفاعی جہاد کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ مسلح اقدامی جہاد کی صورت میں بھی ایسا ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مسلح دفاعی جہاد میں اس کی غرض وغایت دشمن کو شکست دے کر اسلام کا بول بالا کرنا یا اسلامی حکومت کو شکست سے بچانا ہوتی ہے یعنی ان دو میں سے کسی ایک کو مقصود اصلی وملتفت الیہ بالذات بنا کر ایسا کیا جاتا ہے جبکہ مسلح اقدامی جہاد میں جو فدائی حملے جائز ہو سکتے ہیں اُن کے لیے غرض وغایت اور ملتفت الیہ بالذات ومقصود اصلی ظالم کو شکست دینا ہوتا ہے۔ یہ اِس لیے کہ اسلامی مسلح جہاد چاہے اقدامی ہو یا دفاعی بہر تقدیر اُس کی خوبی ظلم کو مٹا کر حق کا بول بالا کرنے میں ہی مضمر ہے اور اِن میں سے ہر ایک امر شرعی اور مطلوب الٰہی ہے جس کی خاطر اقدام کرنے میں جب اپنی موت کا بھی یقین ہو تو یہ کمال اخلاص کی علامت ہے اور جس عمل میں اخلاص جتنا زیادہ ہو اجر وثواب بھی اُسی تناسب سے ملتا ہے۔ اِسی فلسفہ کی بنیاد پر اسلامی جہادوں میں سب سے اعلیٰ وافضل فدائی حملے ہی قرار پاتے ہیں اور اِس میں شہید ہونے والے مجاہدین دوسروں کے مقابلہ میں افضل واعلیٰ درجہ کے شہید سمجھے جاتے ہیں اِس کی مزید وضاحت وفلسفہ قرآن وسنت کی روشنی میں آگے چل کر پیش کریں گے (انشاءاللہ تعالیٰ)

ایک مغالطہ کا ازالہ

اسلامی جہاد کے سلسلہ میں ظالم دشمن کے خلاف کیے جانے والے فدائی حملوں کے جواز میں شک پیدا کرنے والے حضرات کی غلط فہمی کا اصل منشاء یہ ہے کہ اِن حملوں میں فدا کاروں کو اپنی موت کا سو فیصد یقین ہوتا ہے اور ہر وہ اقدام ناجائز ہے جس میں اپنی موت کا یقین ہو کیوں کہ یہ جان بوجھ کر خود کو ہلاک کرنے کے زمرہ میں آتا ہے جو آیت کریمہ "وَلَاتُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (۱) سے ممنوع ہے جس کو احادیث طیبہ میں بھی حرام موت اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ اِس

۱۔ البقرۃ: 195۔

کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال نہیں بلکہ اشتباہ اور مغالطہ ہے جس میں ارادہ موت اور یقین بالموت کے مابین تفریق نہیں کی گئی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فدائی حملہ کرنے والوں کو اپنی موت کا یقین تو ہوتا ہے لیکن خود ہلاکی کا اور خودکشی کرنے کا ارادہ اُنہیں ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اُن کے ارادہ میں صرف اور صرف ظالم دشمن کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے جس کے ضمن میں اپنی ہلاکت کا بھی یقین ہے گویا یہاں پر دو چیزیں ہیں:

❶ مقصود اصلی وملتفت الیہ بالذات جو ظالم کو نقصان پہنچانا ہے۔

❷ غیر مقصودی اور ملتفت الیہ بالعرض جو اپنی ہلاکت کا یقین یا ظن غالب ہے۔

اور اسلامی جہاد کو یہ خصوصیت وکمال حاصل ہے کہ جس خوبی کی وجہ سے یہ مامور بہ اور مطلوب الٰہی ہے اُس کے حصول کے لیے جان ومال سب کچھ ذرائع قرار دیے گئے ہیں جس کے پیش نظر یہاں پر ملتفت الیہ بالعرض اور غیر مقصودی کو ملتفت الیہ بالذات ومقصودی کے حصول کے لیے ذریعہ کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا جاتا جو حقیقت میں جہاد بالمال والنفس کی اعلیٰ مثال ہے۔ اور مقصود اصلی وغیر مقصود اصلی یعنی ملتفت الیہ بالذات اور غیر ملتفت الیہ بالذات کا فرق صرف اسلامی جہاد کی اِن قسموں میں ہی نہیں بلکہ دوسرے شرعی احکام میں بھی معتبر ہے جیسے ہدایہ میں ہے:

''وَلَا بَاسَ بِالْاِکْتِحَالِ لِلرِّجَالِ اِذَاقَصَدَبِهِ التَدَاوِیَ دُوْنَ الزِیْنَةِ وَیُسْتَحْسَنُ دُهْنُ الشَارِبِ اِذَالَمْ یَکُنْ مِنْ قَصْدِالزِیْنَةِ''(۱)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مَردوں کے لیے سرمہ لگانا دوائی کے ارادہ سے جائز ہے جبکہ زینت کے اظہار کی نیت سے نہیں اور مونچھوں کو تیل لگانا بھی جب اظہار زینت کے ارادہ سے نہ ہو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

اِس کی تشریح کرتے ہوئے فتح القدیر نے لکھا ہے: ''وَلَا تَلَازم بَیْنَ قَصْدِالْجَمَالِ وَقَصْدِ الزِّیْنَةِ فَالْقَصْد الاوّل لِدَفْعِ الشِّیْنِ وَاِقَامَة مَابه الوَقَاروَاِظْهَار النِعْمَة

۱۔ ھدایہ مع فتح القدیر، ج:2، ص:269۔

شُكْرًا لَا فَخْرًا وَهُوَ اثر ادب النفس وَشهامتها وَالثَّانِي اَثَر ضعفها''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے حسن و جمال کو نکھارنے کے ارادہ اور زینت کو لوگوں کے لیے ظاہر کرنے کے ارادہ کے مابین تلازم نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر نہ پائے جاتے ہوں۔ اسلئے کہ قصد اول عیب کو دور کرنے اور سبب وقار کو قائم کرنے اور اللہ کی نعمت پر شکر کا اظہار کرنے کے لیے ہے لوگوں پر فخر کرنے کے لیے نہیں اور یہ نفس کا باادب و شائستہ ہونے کا نتیجہ ہے جبکہ دوسرا ارادہ یعنی لوگوں پر اظہارِ زینت کرنے کے لیے ایسا کرنا نفس کا روحانیت کے اعتبار سے کمزور اور غیر شائستہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

اِس کے بعد فتاوی فتح القدیر نے خضاب لگانے سے متعلق ہدایہ میں مذکور مسئلہ خضاب کی وضاحت کرتے ہوئے جملہ فقہاء اسلام کے حوالہ سے لکھا ہے:

''وَقَالُوا بِالْخِضَابِ وردت السنة وَلَمْ يَكُنْ لِقَصْدِ الزِّيْنَة ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ ان حصلت زِيْنَة فَقَدْ حصلت فِي ضِمن قَصْدَ مَطْلُوب فَلا يضره اِذَالَمْ يَكُنْ مُلْتَفِتًا اِلَيْهِ''(۱)

جس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ جملہ فقہاء اسلام نے کہا ہے کہ خضاب لگانے سے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے اور یہ حکم لوگوں پر زینت ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہے اِس کے بعد اگر زینت آپ ہی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ ایک مطلوب شرعی ارادہ کے ضمن میں حاصل ہو رہی ہے تو وہ گناہ و ضرر بھی نہیں ہے کہ ملتفت الیہ بالذات نہیں ہے۔

اِن کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت کرنے کی غرض سے اگر کوئی شخص آگ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو گنہگار و معصیت کار ہوگا بلکہ کفر بھی ہو سکتا ہے لیکن نماز کا وقت تنگ ہوا اور اِس کے سوا کوئی اور جگہ نماز پڑھنے کے لیے اُس کے پاس نہ ہو تو فرض نماز ادا کرنے کا ارادہ و نیت سے آگ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنے سے نماز بھی ہو جاتی ہے اور کوئی گناہ و معصیت کا تصور بھی نہیں۔ اگرچہ یہاں پر بھی ظاہری حالات کے مطابق آتش پرستوں کے

۱۔ فتاوی فتح القدیر، ج:2، ص:270۔

ساتھ مشابہت بالیقین پائی جاتی ہے یہ سب کچھ اِس لیے ہے کہ محذور و ممنوع شرعی کا محض یقین ہونا اور چیز ہے اور اُس کا مقصودِ اصلی ہونا اور چیز ہے۔ نیز اُس کا ضمناً حاصل ہونا اور چیز ہے اور ارادتاً و قصداً حاصل ہونا اور چیز ہے۔ نیز اُس کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور حاصل کرنا اور چیز ہے۔ نیز اُس کا ملتفت الیہ بالعرض ہونا اور چیز ہے اور ملتفت الیہ بالذات ہونا اور چیز ہے اِس قسم کے شرعی احکامات میں مطلوب شرعی صرف وہی ہے جو مقصودِ اصلی ہے، جو قصداً و ارادتاً حاصل ہو رہا ہے یا جس کو حاصل کرنا مقصد ہے اور ملتفت الیہ بالذات ہے اور اُس کے اندر پائے جانے والی جس خوبی کی وجہ سے وہ مطلوب شرعی قرار پا رہا ہے اُس کے ضمن میں پائے جانے والے غیر مطلوب شرعی کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ یہ اصل مقصود کی دست آوری کا واحد ذریعہ ہے۔

اِن حقائق کی روشنی میں شرعی جہاد کے سلسلہ میں کیے جانے والے فدائی حملوں کی شرعی حیثیت وہ ہرگز نہیں ہے جو اِس حوالہ سے اشتباہ پیدا کرنیوالے حضرات نے بیان کی بلکہ حقیقت اُس کے برعکس ہے جس پر تفصیلی دلیل سے آشنائی رکھنے والے حضرات کی سہولت فہم کے لیے دلیل کی نوعیت اِس طرح ہے:

مدعا:۔العملیات الفدائیۃ الجهادیۃ الاسلامیہ لیست بحرام

صغریٰ:۔لانها امتثال الامر الشرعی المطلوب الالٰهی

کبریٰ:۔ولا شیء من امتثال الامر الشرعی المطلوب الالٰهی بحرام

شرعی حکم بعد الاستدلال:۔فلیست العملیات الفدائیۃ الجهادیۃ الاسلامیہ بحرام

اُردو دان طبقہ کی سہولت کے لیے اس کا مفہوم یہ ہے:

اسلامی جہاد کے سلسلہ میں ناگزیر حالات کے مطابق ظالم دشمن کے خلاف جو فدائی حملے کیے جاتے ہیں وہ حرام نہیں ہیں کیوں کہ یہ امر شرعی اور مطلوب خداوندی پر عمل کرنا ہے۔

اور امر شرعی و مطلوب خداوندی پر عمل کرنے کی کوئی صورت بھی حرام نہیں ہوتی۔

لہٰذا فدائی حملوں کی یہ صورتیں بھی حرام نہیں ہیں۔

یہ ہوا اُن حضرات پر معارضہ جو فدائی حملوں کے حوالہ سے اشتباہ پیدا کرتے ہیں جبکہ اِن کا اسلامی جہاد کی اعلیٰ قسم اور اِس میں مرنے والوں کا شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہونے پر شرعی دلیل کی تفصیل فقہ شناس حضرات کی سہولت فہم کے لیے اِس طرح ہے:

مدعا:۔ اسلامی جہاد کے سلسلہ میں ظالم دشمن پر فدائی حملہ کرنا افضل الجہاد اور اِس میں مرنے والے شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ امر اللہ اور مطلوب شرعی کی دست آوری کے لیے قربانی کی اعلیٰ مثال ہے۔

کبریٰ:۔ قربانی کی اعلیٰ مثال پر مشتمل جہاد کی ہر صورت افضل الجہاد اور اُس میں مرنے والے شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

شرعی حکم جو تفصیلی دلیل کا نتیجہ ہے:۔ لہٰذا اقدامی جہاد کے سلسلہ میں ظالم دشمن پر فدائی حملہ کرنا افضل الجہاد اور اُس میں مرنے والے شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔

وضاحت در وضاحت:۔ فدائی حملوں کے حوالہ سے ہمارے اس اندازِ استدلال اور ان حملوں کا جہاد کی اعلیٰ قسم، افضل الجہاد اور اِس میں مرنے والوں کا شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہونے کے اظہار سے ممکن ہے کہ خودکشی اور فداکاری کے مفہوموں کے مابین تمیز نہ کرنے اور ایک کی جگہ دوسرے کو استعمال کرنے کی غلطی کرنے والے حضرات کو یہ مغالطہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم فداکاری کی ہر صورت کو افضل الجہاد اور اُس میں مرنے والوں کو شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز قرار دے رہے ہیں، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اِس سے ہماری مراد فداکاری کی صرف وہی صورتیں ہیں جن کو اسلامی جہاد کہنا درست ہے کیوں کہ فداکاری اور فدائی حملے اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں جو جائز و ناجائز دونوں کو شامل ہوسکتے ہیں۔ جسکی تفصیل آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) جبکہ یہاں پر ہم شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہونے پر تفصیلی دلیل بیان کر رہے ہیں یہ صرف اور صرف جائز صورتوں کے ساتھ خاص ہیں اِس میں بھی صرف اُن اقسام کو شامل ہیں جو اسلامی جہاد کے زمرہ میں داخل ہیں اِن کے سوا فداکاروں کی اُن اقسام کو ہرگز شامل نہیں ہیں جو ناجائز بھی

ہوسکتی ہیں جن کی مثالیں آگے چل کر ہم تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے۔(انشاء اللہ تعالیٰ)

جیسے ہماری اِس تحقیق سے اسلامی جہاد کی فدائی حملوں والی قسموں کو خودکشی کہہ کر حرام قرار دینے والے حضرات کو اُن کی غلطی پر تنبیہ اور اُن کے منشاء غلطی کی تشخیص ہو رہی ہے اِسی طرح اسلامی حکومت کی سرپرستی سے محروم اور عصری حکومتوں یا مسلم قومی ریاستوں کی گرفت سے آزاد پرائیوٹ عسکری تنظیموں کے فدائی حملوں کی شرعی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ اُن میں اُن اقل قلیل (بشرط الوجود) جو نظام مصطفیٰ ﷺ کی خالص اسلامی حکومت وجود میں لانے کی راہ میں واضح رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے کیے جانے والے غیر مسلح فرضی جہاد کی تقویت کے لیے ہو، جو اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق ہو، جو اُن سریات اسلامیہ کے اشباہ ونظائر ہو جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ ظالم کفار ومشرکین کے ساتھ مسلح جہاد کا حکم نازل ہونے سے قبل وجود میں لائے جاتے رہے۔ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس اصحابِ رسول پر مشتمل وہ سریہ جو ابوجہل کی قیادت میں شام سے مکہ کی طرف جانے والے اُس تجارتی قافلہ پر حملہ کے لیے بھیجا گیا تھا جو تین سو نفر پر مشتمل تھا۔(۱)

اِسی طرح مشرکین مکہ کے معاشی مفادات کے خلاف انجام دیئے جانے والا وہ مسلح غزوہ جو غزوہ ابوا (یا) غزوہ ودان کے نام سے مشہور ہے جس کی قیادت اللہ کے حبیب سید عالم ﷺ خود فرما رہے تھے جس میں آپ ﷺ کی ہمرکابی میں صرف ساٹھ (60) مہاجرین پر مشتمل دستہ تھا جو قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ تقریباً یہی حال غزوہ بُواط اور غزوہ بدر اُولیٰ کا بھی تھا۔ جس سے مقصد اسلام کے استحکام کے لیے کیے جانے والے غیر مسلح فرضی جہاد کا جو سلسلہ دراز جاری تھا اُس کو تقویت پہنچانے اور اُس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا قلع قمع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ کفار ومشرکین کی ہمہ وقت آمادہ جنگ عسکریت کے مقابلہ میں عسکر کشی اور مسلح جہاد کا حکم نازل ہونے سے قبل اُن کے معاشی مفادات کے خلاف بارگاہ نبوت کی طرف سے کیے جانے

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، ج:3،ص:173۔

والے یہ اِکا دُکا مسلح اقدامات جانبین سے مسلح تصادم پر منتج ہوئے بغیر اسلام کی تقویت اور مستقبل کے استحکام کے لیے جاری غیر مسلح جہاد کے حق میں جس انداز سے مفید ثابت ہوئے اُس سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص بے خبر نہیں ہے۔ موجودہ دور کی پرائیوٹ عسکری تنظیمیں چاہے امریکی مفادات کے خلاف فدائی حملے کرائے یا کسی دوسرے اسلام دشمن ملک کے خلاف بہر تقدیر اگر ان واقعات کے مطابق ہیں تو وہ بالیقین اسلامی جہاد کے زمرے میں شمار کیے جائیں گے ورنہ نہیں۔ اسی فلسفہ کی بنیاد پر ہم نے بین القوسین (بشرط الوجود) کہہ دیا ہے یہ اسلئے کہ اِن پرائیوٹ عسکری تنظیموں کے حوالہ سے معروضی حالات کچھ اِس طرح ہیں کہ اِن کے پس منظر میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا اقتدار اور قرآن وسنت کی حکومت قائم کرنے کا قطعاً کوئی منصوبہ پیش نظر نہیں ہے بلکہ اِن میں سے بعض غیر مسلم استعمار کے خفیہ ہاتھوں کی پیداوار ہیں جو جہاد کا نام غلط استعمال کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور مسلمانوں کے نوجوانوں کو بے مصرف مرواتے ہیں جبکہ بعض کسی مسلم استعمار یا کسی مسلم قومی حکومت کے خفیہ اداروں کی پیداور ہیں جن کو اُنہوں نے مخصوص عسکری مقاصد کے لیے پال رکھا ہے۔

گنجے کو خدا ناخن نہ دے

اسلحہ کی طاقت ہاتھ میں آنے کے بعد اپنے ہی ہم وطنوں کو جہاد کے نام پر بے مصرف قتل کرتے ہیں جس پر اسلامی جہاد کی تعریف صادق آنے کے بجائے دہشت گردی کی تعریف صادق آتی ہے جو ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے اور بعض اُن میں ایسے بھی ہیں جو مذہبی عصبیت کی پیداوار ہیں جن کی عصبیت زدگی اور فرقہ واریت کے ذہن سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر استعماری قوتیں اُن کی آبیاری کرتی ہیں، بیضۃ الاسلام کو منتشر کرنے اور مختلف مکاتب فکر مسلمانوں کو اپنے آپس لڑا کر کمزور کرنے کے لیے اُنہیں بھڑکا کر جہاد کے مقدس نام کو بدنام کرانے کے ساتھ مسلم کُشی کراتے ہیں اِس پر بھی دہشت گردی کی تعریف صادق آتی ہے۔ معروضی حالات کے اِس تناظر میں کسی بھی

پرائیوٹ عسکری تنظیم کواسلامی اُصولوں کے مطابق نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ اُن کے فدائی حملوں کو اسلامی جہاد کہا جاسکے یا انہیں فدا کاری کی جائز صورتوں کی فہرست میں درج کیا جاسکے (حاشاو کلا) اسلام میں ایسا تصور بھی نہیں ہے کہ مذہبی دہشت گردی کو اسلامی جہاد کا نام دینا جائز ہو۔

خلاصة الجواب بعدالتحقیق:۔

❶ خودکشی اور فدا کاری ایک دوسرے سے جدا جدا چیزیں ہیں ایک کی جگہ دوسرے کو استعمال کرنا غلط ہے کہ اِس سے مسلم معاشرہ میں اِن کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

❷ اِن کی حقیقتیں ایک دوسرے سے جدا ہونے کی طرح شرعی احکام بھی جدا ہیں کہ خودکشی کی ہرصورت حرام ہے جبکہ فدا کاری کی ہرصورت حرام نہیں ہے۔

❸ فدا کاری اپنے مفہوم کے اعتبار سے بمنزلہ جنس ہے جس کے ماتحت متبائن انواع واقسام پائے جاتے ہیں جن میں جائز بھی ہیں اور کچھ ناجائز بھی ہیں۔

❹ فدائی حملوں کی وہ اقسام جو شرعی جہاد کے زمرہ میں آتی ہیں، مسلح اسلامی جہاد کی اعلیٰ قسم اور افضل الجہاد ہیں اور اُن میں مرنے والے شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

❺ موجودہ دور میں مختلف ممالک کے اندر جہادی تنظیم کے نام سے جو پرائیوٹ عسکری تنظیمیں پائی جاتی ہیں اُن میں اگر کسی کا انداز عمل اُسوہ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق ہو تو وہ بالیقین اسلامی اُصولوں کے بھی مطابق ہوگی اور اُس کی طرف سے کیے جانے والے فدائی حملے بھی اسلامی جہاد کی اعلیٰ قسم افضل الجہاد اور اُس میں مرنے والے بھی شہادت کے اعلیٰ رُتبے پر فائز ہوں گے ورنہ اُسوہ حسنہ سید الانام ﷺ سے برعکس ہونے کی صورت میں اُن کی حیثیت مذہب کے نام پر دہشت گردی کرنے والے مجرموں سے مختلف نہیں ہوگی چاہے وہ غیر مسلم استعمار کی پیداوار ہو یا مسلم استعمار کی اور مذہبی عصبیت کی پیداوار ہو یا خفیہ اداروں کی، بہر تقدیر اُس کی شرعی حیثیت شرِ محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کے فساد کو سادہ لوح مسلمانوں

پر ظاہر کر کے مسلم نسل کو اُن کے ماحول سے بچانا کل مکاتب فکر میں موجود مصلحین پر لازم ہے۔

❻ اسلام کے تحفظ و بقاء اور اشاعت و توسیع کے لیے حسب استطاعت کوشاں رہنا ہر مومن مسلمان نرینہ و زنانہ پر ایسا فرض و لازم ہے جو کسی بھی وقت ساقط نہیں ہوتا اور اِس راہ میں حائل کسی بھی رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیے حسب استطاعت کوشاں رہنا، جو اسلامی جہاد کی ایک قسم ہے، بھی سب پر نا قابلِ سقوط لازمہ ہے۔

❼ اُمتِ مسلمہ جو تمام ضروریاتِ دین کو تسلیم کرنے والے اہل قبلہ سے عبارت ہے فقہی اختلاف کی بناء پر اُن میں سے کسی کے خلاف بھی اسلحہ اُٹھانا اشد الحرام و موجب نار جہنم ہے۔

❽ کل مکاتب فکر مسلمانوں اور فقہی اختلاف رکھنے والے فریقوں کے مابین تقریب پیدا کرنے کے ساتھ اتحاد بین المسلمین اور بیضۃ الاسلام کی یگانگت و استحکام کے لیے کوشاں رہنا بھی اسلامی جہاد کی ایک قسم ہے جو کبھی بھی قابل سقوط نہیں ہوتا۔

❾ نظامِ مصطفی ﷺ کا اقتدار اور قرآن وسنت کی حکمرانی پر مشتمل خالص اسلامی حکومت وجود میں لانے کے لیے حسب استطاعت کوشاں رہنا بھی نا قابل سقوط فریضہ اسلام اور اسلامی جہاد کی ایک قسم ہے جس سے بے اعتنائی برتنے یا اِس سے متضاد روش پر چلنے والے نادان مسلمانوں کی اصلاح کے لیے حسب توفیق کوشاں رہنا بھی اسلامی جہاد کی ایک قسم ہے۔

❿ کفار و مشرکین اور بغاۃ و مبتدعین جیسے ظالموں کے ساتھ مسلح اقدامی جہاد آخری آپشن ہے جس سے پہلے اِن ظالموں کے خلاف اسلامی جہاد کی مختلف قسمیں ہیں جن پر عمل درآمد کے لیے ہر ایک کا موسم و تقاضے اور اوقات و حالات بھی مختلف ہیں جن کو سمجھنا جملہ مسلمانوں پر فرض ہے۔

سوال نمبر 26 کا جواب بھی واضح ہوا کہ اپنا اور اپنی حکومت کا دفاع کرنا چاہیے جس طرح بھی ہو، نہ صرف اسلامی حکم ہے بلکہ بین الاقوامی اور سب کے نزدیک مسلمہ اُصول ہے جس

کے خلاف نہ کوئی بین الاقوامی معاہدہ موجود ہے اور نہ کسی ملک نے اس پر دستخط کیے ہیں البتہ دفاعی حق کے سوا جس بات کا بھی بین الاقوامی سطح پر یا کسی بھی حکومت کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا گیا ہو تو جہاد کے نام پر اُس کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔ کسی معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے عالمی رائے عامہ کی نگاہ میں اسلام کو بدنام کرنا بہت بڑا جرم ہے مسلمان اِس کا تصور بھی نہیں کر سکتا اسلام نے تو اِس حد تک معاہدہ کی پابندی کرنے کی تاکید کی ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا:

''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا'' (۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایفاء عہد کرو بیشک معاہدہ سے متعلق پوچھا جائے گا۔

اِس آیت کریمہ میں ایفاء عہد کا جو تاکیدی حکم دیا گیا ہے وہ عام ہے چاہے شخصی ہو یا حکومتی، نیز کسی مسلم کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ۔ نیز کسی ایک حکومت کے ساتھ ہو یا حکومتوں کے ساتھ الغرض بین الاقوامی معاہدوں کے دستخطوں تک سب کو شامل ہونے والے اس شرعی حکم کی موجودگی میں اسلامی ریاست کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ عہد شکنی کے موجب کوئی قدم اُٹھائے۔ اسلام نے نہ صرف معاہدوں کی پاسداری کا حکم دیا ہے اور عہد شکنی کرنے سے منع کیا ہے بلکہ اگر اسلامی حکومت کے ساتھ معاہدہ کرنے والی کسی غیر مسلم حکومت کی طرف سے عہد شکنی اور غداری کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو پھر بھی برائی کا جواب برائی سے دینے کے بجائے معاہدہ کی تنسیخ کا فیصلہ کر کے اُس کی تاریخ سے اُنہیں آگاہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ'' (۱)

ترجمہ:۔ اور اگر تم کسی قوم سے دغا کا اندیشہ کرو تو اُن کا عہد اُن کی طرف پھینک دو برابری پر بے شک دغا والے اللہ کو پسند نہیں۔

۱۔ بنی اسرائیل:34۔

۲۔ الانفال:58۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اپنی حدود میں کسی عسکریت، کسی تنظیم اور کسی بھی ادارے کو کوئی ایسی حرکت کرنے کا موقع نہ دے جس سے اسلامی حکومت کی بدنامی ہوسکتی ہویا اسلامی ریاست کی معیشت کو یا اُس کی تہذیب کو یا اُس کے سیاسی مستقبل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يقِفَنَّ مَوَاقِعَ التُّهَمِ''

حضرت علی المرتضٰی نوراللہ وجہہ الانور نے فرمایا:

''اِيَّاكَ وَمَايَسْبِقُ اِلَى الْقُلُوْبِ اِنْكَارُه وَاِنْ كَانَ عِنْدَكَ اِعْتِذَارُه''

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی مشہور حدیث نبوی ﷺ ہے:

''الا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْاِمَامُ الَّذِىْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ''(۱)

حکومت کی ذمہ داری سے متعلقہ اِس قسم تاکیدی احکام کی موجودگی میں جہاد کے نام پر دہشت پھیلانے والوں کی بہتات ناقابلِ فہم ہے جس کی بنیادی وجہ حکومتوں کی نااہلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ؎ اے بادِ صبا این ہمہ آوردہ تو ست

ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کا فلسفہ

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مسلم قومی ریاستوں کے اندر پرائیوٹ عسکری تنظیموں کی شکل میں جو بے اعتدالیاں، دہشت گردیاں اور مذہبی منافرت کا جو طوفان برپا ہے یہ دراصل ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کے مترادف ہے جس کا اصل فلسفہ اِن ریاستوں کا آدھا تیتر آدھا بٹیر ہونا ہے کہ آبادی کی اکثریت مسلم رعایا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کچھ حکومتی کام اسلام کے مطابق ہوتے ہیں جبکہ مغرب کی مادی ترقی سے متاثر ہونے کی بناء پر زیادہ تر اُمور سلطنت میں تقلیدِ مغرب

۱۔ بخاری شریف، کتاب الاحکام، ج:2، ص:1057۔

کی روش غالب ہے۔نتیجتاً اِسلامی کہلانے والے اکثر ملکوں میں دوہرا تصورِ اقتدار ہے جس کے مطابق سیاسی اقتدار پر مسلط زعماء سے لے کر کلیدی عہدوں پر فائز کار پردازوں تک سب کے سب کا رجحان تہذیبِ مغرب کی طرف ہے اور مغرب کی مادی ترقی کو انسانی ترقی وعروج کا معیار سمجھتے ہیں۔اِسی تصور کی بنا پر مذہبی اقدار کو وہ ثانوی درجہ میں رکھتے ہیں جبکہ مذہبی اقتدار پر مسلط طبقہ علماء کا رجحان اِس کے برعکس ہے۔ذہنی رجحان اور عملی جھکاؤ کی اِس کشمکش میں اِن دونوں طبقات کے مابین بے تناسبی کا بُعد حائل ہے جس وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے کی معاونت کر کے ملک کو ہر دونوں شعبوں میں ترقی وعروج دینے اور اُسے آگے لے کر جانے کے بجائے ایک دوسرے سے بے خبر رہتے ہیں جس کے نتیجے میں ہر شعبہ زوال پذیر ہوتا جارہا ہے بالخصوص مذہبی اقتدار پر مسلط طبقہ کے مختلف الخیال حضرات خود کو سیاسی اقتدار کی گرفت سے آزاد سمجھ کر طوائف المذہبی کا وہ گل کھلاتے ہیں جو کسی بھی شعبہ کے مفاد میں نہیں ہے اور اِسی طوائف المذہبی کا نتیجہ ہے کہ مذہبی اداروں میں فرقہ واریت وعصبیت کی ذہنی تربیت دے کر نئی نسل کو انجانے میں بیضۃ الاسلام کے خلاف تیار کیا جاتا ہے جس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر غیر مسلم استعمار کے خفیہ ادارے اسلام کے ان نادان دوستوں کو جہاد کے نام پر تفریق بین المسلمین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔اسلام کے خلاف یہ سازش رفتہ رفتہ اتنی ترقی کر جاتی ہے کہ دیکھا دیکھی چند سالوں میں ہی ریاست کے اندر ''مذہبی ریاستیں'' قائم ہو جاتی ہیں جس کو دنیاداروں کا کوئی طبقہ پسند کر سکتا ہے نہ دینداروں کا۔مسلم قومی ریاستوں کو اس نامعقولیت، اِس فساد اور اُمتِ مسلمہ کی جگ ہنسائی کے سبب بننے والے اِن معروضی حالات کی دلدل سے نکال کر اُس کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کا واحد راستہ اِس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ نظامِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتدار لایا جائے، قرآن وسنت کی حکومت قائم کی جائے اور موجودہ ہیئت کذائیہ جو ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' کا مصداق ہے کو ختم کر کے مکمل نظامِ اسلام لاگو کیا جائے جس کے بغیر ریاست کے اندر ریاستیں قائم کرنے کی یہ مہلک روش کبھی ختم ہو سکتی نہ اُمتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کی بحالی ممکن ہے۔

دہشت گردی کی تعریف

سوال نمبر 27 کا جواب یہ ہے کہ دہشت گردی نہ صرف اسلام بلکہ پوری دنیا انسانیت کی نگاہ میں قابل مذمت عمل ہے۔ اِس کی تعریف یہ ہے کہ یہ ہر وہ ناجائز قتل وظلم اور محض شر ہے کہ جس سے انسانی معاشرہ میں خوف وہراس پھیلے عام اِس سے کہ یہ کسی ناجائز مقصد کے حصول کے لیے ہو یا بغیر مقصد کے بلکہ قتل برائے قتل اور خوف برائے خوف پھیلانے کے ہو۔ نیز ایسا کرنے والے اُسے ظلم سمجھ کر کر رہے ہوں یا ظلم ہونے کے شعور سے خالی اور جہل کی بناء پر کر رہے ہوں۔ نیز ایسا کرنے والوں کے پیش نظر مقاصد سیاسی ہوں یا مذہبی، معاشی ہوں یا سماجی، علاقائی ہوں یا بین الاقوامی یا کوئی اور شیطانی تصور، بہر تقدیر یہ سب کے سب دہشت گردی کی وہ صورتیں ہیں جو اِس وقت مختلف ملکوں میں پائی جاتی ہیں۔ اِس کی شکل، طریقہ واردات اور مقاصد چاہے جیسے بھی ہوں بہر حال اِس کی کوئی قسم بھی محض شر اور قابلِ مذمت ہونے سے خالی نہیں ہے۔ نیز قابلِ مذمت وظلم ہونا اِس کی تمام قسموں کا لازمہ ہونے کے بعد مذہبی دہشت گردی پر لگنے والے دفعات اِس مشترکہ لازمہ سے کئی گنا زیادہ ہیں یعنی دہشت گردی کی وہ قسم جس میں اسلام کے نادان دوست جہاد کے نام پر اپنے فقہی حریفوں کا خون کرتے ہیں، مذہبی تعصب کی بناء پر مسلم کُشی کرتے ہیں، مذہبی فرقہ واریت کو جہاد کا نام دے کر مسلم معاشرہ میں خوف وہراس پھیلاتے ہیں اور بد تر بیتی کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو واجب القتل کہہ کر اُن کے خلاف قتل وبربریت کی دہشت پھیلاتے ہیں۔ دہشت گردی کی یہ صورت اسلام کی نگاہ میں اُس کی دیگر تمام اقسام سے زیادہ قابل مذمت اور زیادہ مستحق عذاب ہے۔ دہشت گردی کی دوسری قسمیں اگر سو بار قہر خداوندی کے موجِب ہیں تو مذہب کے نام پر دہشت پھیلانے والے یہ مجرم ہزار بار قابل مذمت و مستحق عذاب ہیں کیوں کہ اِس سے نہ صرف یہ کہ ناحق خون ریزی ہوتی ہے بلکہ اِس جرم کو جہاد کے نام پر یاد کرنے سے التباس الحق بالباطل بھی ہوتا ہے، عصبیت وفرقہ واریت کو بھی فروغ ملتا ہے جو بجائے خود جرم عظیم ہے، تفریق

بین المسلمین ہو کر بیضۃ الاسلام کو بھی نقصان پہنچتا ہے جس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ''(۱)

الغرض مذہبی دہشت گردی کا ضرر اسلام کے لیے سب سے زیادہ اور ناقابل تصور ہے ایسے میں جن مسلم قومی ریاستوں میں پرائیوٹ عسکری تنظیموں کی طرف سے جہاد کے نام پر دوسرے مسلمانوں کا جو خون بہایا جا رہا ہے اُس کا تصور ہی اسلام میں نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کہ اُسے جہاد کہنا جائز ہو، مذہبی عصبیت یا غیر مرئی استعماری طاقتوں کے اشارہ پر مبنی یہ سب کچھ دہشت گردی کی بدترین قسم اور محض شر ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہیں جو لوگ اِس قسم دہشت گردوں سے اسلامی جہاد کی توقع کرتے ہیں وہ بجائے خود قابلِ اصلاح ہیں، دہشت گردوں کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنے والے یہ قابلِ رحم حضرات اسلام کے ساتھ اندھا دُھن جذبہ رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے ہیں جس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر استعمار کے غیر مرئی ہاتھ اپنے گماشتوں کو مزید آگے بڑھاتے ہیں اور اسلامی جہاد کے مقدس نام کو بے مصرف استعمال کرا کر خونِ مسلم کی ارزانی کراتے ہیں۔

یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ دہشت گردوں کو مجاہد فی سبیل اللہ کہہ کر اُن سے نفاذِ اسلام کی اُمیدیں وابستہ کرنے والے غلط کاروں کو اگر جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقی تعلیم دی جائے، اسلامی جہاد کی حدود اربعہ سے اُنہیں آگاہ کیا جائے اور جہاد فی سبیل اللہ کی شرائط، لوازمات، موسم اور تقاضوں سے اُنہیں باخبر کیا جائے تو وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کریں گے لیکن ایسا کرے کون؟ رعایا کو جہالت کاریوں کی ایسی اندھیریوں سے نکال کر علم کی روشنی دینا حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کو نبھانے کے لیے اہلیت اور خود صلاحیت کا ہونا ضروری ہے جو اسلامی ممالک کی غالب اکثریت کے سربراہوں میں چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتی ورنہ قرآن شریف کی حکمرانی

۱۔ مشکوٰۃ شریف، ص:320۔

اور صُلحاءِ اُمت کے اقتدار میں دہشت گردی کا طول پکڑنا یا رعایا میں کچھ فساد کاروں کی حمایت اُنہیں حاصل ہونا یا حکومتی اہل کاروں کا اُن کے ساتھ مربوط ہونا ممکن ہی نہیں ہے اہل دانش کو اِس حقیقت پر بار بار غور کرنا چاہیے کہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی حکومت کے اوائل یعنی عہدِ نبوت میں صرف ایک بار وہشت گردی کا دل خراش واقعہ رُونما ہوا جس کو قرآن میں سورۃ المائدہ، آیت نمبر 33 میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ اور فساد فی الارض سے تعبیر فرمایا، جب اُن کی ایک بار کی دہشت گردی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ اور فساد فی الارض قرار دیا تو پھر اِن مذہبی دہشت گردوں کی طرف سے مسلم معاشرہ پر بار بار کی جانے والی دہشت گردی کو کیونکر اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ قرار نہ دیا جائے جبکہ قرآن شریف کے احکام اور جرائم پر ذکر کی گئی حدود وسزائیں جرم کی نوعیت کے مطابق عام ہوتی ہیں، زمانہ اور واقعہ کے ساتھ مختص ہونے کے بجائے قیامت تک رونما ہونے والے تمام اشباہ ونظائر پر یکساں جاری ہوتی ہیں تو پھر اِس قرآنی سزا کو موجودہ دور کے اِن مذہبی دہشت گردوں پر جاری کر کے اِن کو نشان عبرت بنانے سے کیا چیز مانع ہے؟

اِس کا جواب سوا اِس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ سعادت عصری حکومتوں کو اُس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک اُنہیں مذہبی دہشت گردی کی ہولناکی اور اُس کا خدا اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ ہونے کا احساس نہ ہو اور یہ احساس قرآن وسنت کی حقیقی تعلیم کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر قرآن وسنت کے احکام وتعلیمات سے غافل ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' حکمرانوں کو اِس کی توفیق میسر ہونے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُنہیں اِس کا کچھ نہ کچھ احساس اُس وقت پیدا ہونے لگتا ہے جب دہشت گردی کا طوفان سر سے اُونچا ہو چکا ہوتا ہے، جب ملک میں افراط وتفریط کی عفریت اپنے پنجے گاڑ چکی ہوتی ہے اور جب ریاست کے اندر ریاست قائم ہونے کے قوی آثار دکھائی دینے لگتے ہیں تو پھر فائدہ کیا؟ پورے جسم میں مہلک جراثیم سرایت کرنے کے بعد آپریشن نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ یہ سعادت صرف اور صرف نظام مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل قرآن وسنت کی

خالص اسلامی حکومت کو ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ "گربہ کشتن روز اول است" کے نسخہ پر عمل کرتی ہے۔ اِسی طرح جو لوگ اِن مذہبی دہشت گردوں کے ہاتھوں قرآن وسنت کی خالص اسلامی حکومت وجود میں لائے جانے کی اُمید کرتے ہیں وہ نہایت بے خبر اور قابل اصلاح ہیں، اِس لیے کہ عصبیت اور فرقہ واریت پر مبنی کوئی عمل قابل قبول ہوسکتا ہے نہ کوئی تحریک نتیجہ خیز ہوسکتی ہے اُس کا انجام ہمیشہ نقصان وخسران ہوتا ہے اِسی وجہ سے بزرگانِ دین نے فرمایا:

"اَلتَّعَصُّبُ اِذَا تَمَلَّكَ اَهْلَكَ"

یعنی تعصب جس شخص اور جس جماعت پر بھی غالب ہو جائے اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔

یہ تو عمومی تعصب کی بدانجامی ہے جبکہ مذہبی تعصب کا نقصان وخسران اسلام کے لیے شمار سے باہر ہے۔

سوال نمبر 28,29,30 کا جواب اِس طرح واضح ہوا کہ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو جہاد کے نام سے مسلم کُشی کی یہ دہشت ناک وارداتیں کرنے والے نہ صرف مسلم کُشی کی دہشت پھیلا رہے ہیں بلکہ اسلام کو ہی ذبح کر رہے ہیں، خدا کے ساتھ اور اُس کے رسول کے ساتھ انجانے میں جنگ کر رہے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا اقتدار اور قرآن وسنت کی خالص اسلامی حکومت ہو تو اِن مجرموں کو سورۃ المائدہ، آیت نمبر 33 کے مطابق سزا دے کر نشان عبرت بنائے بغیر کبھی نہیں چھوڑے گی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" (۱)

وہ کہ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اُن کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور

۱۔ المائدۃ:33۔

دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کردیئے جائیں یہ دُنیا میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب۔

یہ آیت جن منافقین یا مرتدین یا ہوشیار و چالاک کافروں سے متعلق نازل ہوئی ہے اُن کا جرم یہ تھا کہ اُنہوں نے چند صحابہ کرام ﷺ اور مسلم اسٹیٹ کے کچھ کارندوں کو قتل کر کے مال لوٹا تھا۔

سوال نمبر **28,29,30** کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ جب نظام مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل قرآن وسنت کی حکومت وجود میں لانے کے لیے حتی المقدور جدوجہد کرنا اسلامی جہاد کہلاتا ہے اور یہ حسب استطاعت تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے تو پھر غیر مسلم استعمار کے آلہ کار برائے نام مسلم مقتدرہ سے چھٹکارا پانے کے لیے اِس فریضہ کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور ہم واضح کر آئے ہیں کہ اسلامی جہاد کی ہر نوعیت اور اُس کی ہر قسم کی فرضیت کے لیے اپنے موسم اور اپنے اپنے تقاضے و شرائط ہوتے ہیں جبکہ استطاعت سب کے لیے قدر مشترک ہے کہ اُس کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بھی بندے سے کسی بھی عمل کا مطالبہ نہیں فرماتا، جیسے فرمایا:

"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (۱)

یعنی استطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حکومت کے ساتھ مسلح جہاد کی استطاعت ممکن نہیں ہے بالخصوص ایسے وقت میں کہ جب مختلف الخیال مسلمانوں کا شیرازہ مزید بکھرنے اور اُن کے مابین افتراق کو مزید فروغ ملنے کا بھی اندیشہ ہو، استعمار کے آلہ کاروں کو مسلمانوں کی بے ترتیبی و بے ضابطگی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا خوف بھی موجود ہو اور جب مسلح جہاد کے ذریعہ غیر اسلامی اقتدار کو اسلامی میں تبدیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں ہے تو پھر ایسی حکومتوں کے ساتھ مسلح جہاد کے لازم ہونے کی اجازت بھی اسلام میں نہیں ہو سکتی کیوں کہ اسلام نے اغیار کے گماشتے اور اُن کے لیے آلہ کار کا کردار ادا کرنے والے جابر مقتدرہ کو برداشت کرنے، اُس پر راضی ہونے اور اُس

۱۔ البقرۃ:286۔

کے ساتھ تعاون کرنے کے بجائے اُس کے خلاف جس جہاد کو لازم قرار دیا ہے وہ اسلامی جہاد کی بالیقین وہی اقسام ہوسکتی ہیں جو مسلمانوں کے لیے مقدور اور اُن کی استطاعت کے مطابق ہوں چاہے سیاسی جدوجہد کی شکل میں ہوں یا دعوت وتبلیغ کے انداز میں بہر تقدیر اُس سے جان چھڑوانے کے سلسلہ میں حسبِ استطاعت بین الاقوامی اور موسمی حالات کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر حتی المقدور جو کوشش بھی کی جائے گی وہ اسلامی جہاد ہی کہلائے گی، جو تمام مسلمانوں پر نا قابلِ سقوط فریضہ ہے۔

سوال نمبر 31،32 اور 33 کا جواب اس طرح واضح ہوا کہ جب شرعی جہاد کے جواز کے لیے اِعلاء کلمۃ الحق کی نیت شرط ہے کہ جہاں پر مجاہد کی نیت اور اُس کا مقصد کلمہ حق کا بول بالا کرنا ہو وہیں پر مسلح جہاد کرنے والا شخص اللہ کی راہ کا مجاہد کہلاتا ہے اور مخالف کے ہاتھ سے قتل ہونے کی صورت میں شہید سمجھا جاتا ہے تو پھر موجودہ دور میں شیعہ سنی اور دیوبندی بریلوی اختلافات کی بنا پر اُن کے جو افراد یا مسلح تنظیمیں ایک دوسرے کو جو قتل کرتی ہیں اِس کو اسلامی جہاد کیوں نہیں کہا جاتا؟ حالانکہ وہ بھی تو کفر کو یا باطل اور ظلم کو مٹانے اور کلمہ حق کا بول بالا کرنے کی نیت سے ایسا کرتے ہیں مسلح جہاد کی شرط یہاں پر موجود ہونے کے باوجود اِس تفریق کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ظاہری کافروں کے ساتھ اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر کرنے والے جہاد کو شرعی جہاد اور اُس میں مرنے والوں کو شہید کہہ کر مذہبی مخالف کافروں یا ظالموں کے خلاف اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر کیے جانے والے جہاد کو نا جائز قرار دینے کا کیا جواز ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ فقہی اختلاف کی بنیاد پر کسی کو کافر سمجھ کر اُس کے خلاف اسلحہ اُٹھانے والوں کے اس کردار کو جہاد فی سبیل اللہ اِسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ جہاد فی سبیل اللہ ہونے کے لیے یہ بھی ناگزیر شرط ہے کہ جس کو قابلِ جہاد سمجھا جارہا ہے یا جس کو کافر کہہ کر اُس کے خلاف اسلحہ اُٹھایا جارہا ہے وہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہو ورنہ اسلحہ اُٹھانے والوں کا یہ عمل شرعی جہاد ہرگز نہیں بلکہ جہالت یا مذہبی تعصب یا کسی اور گھناؤنے منصوبہ کا حصہ ہونے سے خالی نہیں ہوگا۔ جو بھی ہو

بہر تقدیر مذہب کے نام پر آج کل جو قتل ہو رہے ہیں یا مذہبی اقتدار پر مسلط نااہلوں کے اُکسانے پر اُن کے زیرِ اثر نوجوان اپنے مذہبی مخالفین کو جو قتل کر رہے ہیں اِس کو شرعی جہاد اور ایسا کرنے والوں کو غازی، مرنے والوں کو شہید اور اِس عمل کو جہاد مشہور کر رہے ہیں اِس کا شرعی جہاد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کیوں کہ شرعی جہاد کا معیار کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں فقہی اختلاف ہو سکے، جو ایک فقہ میں جہاد کہلائے اور دوسرے فقہ میں فساد کہلائے یا کسی ایک اسلامی مذہب میں جائز اور دوسرے میں ناجائز سمجھا جائے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ شریعت مقدسہ کی زبان میں جس عمل کو جہاد کہا جاتا ہے اُس کے معیار و شرائط تمام اسلامی مذاہب میں متفقہ و یکساں ہیں کیوں کہ وہ قرآن و سنت کے واضح نصوص کے مدلول ہیں اور اُسوہ حسنہ سید الانام ﷺ سے متواتر الثبوت منطوق ہیں، وہ تمام اُمت کے نزدیک اجماعی اور ناقابل اختلاف ہونے کی بناء پر محل اجتہاد ہی نہیں ہیں تو پھر اختلافی ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا۔

اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فتنہ خوارج میں مبتلا اسلام کے نادان و ناتربیت دوستوں کے ماسوا دائرہ اسلام میں جتنے بھی قابل اعتبار فقہی مسالک روز اول سے چلے آ رہے ہیں، چاہے اہل سنت کے نام سے ہو یا اہل اعتزال کے، اہل حدیث کے نام سے ہو یا اہل تشیع کے، چاہے اُن کے پیروکار دُنیا میں پھیلے ہوئے زندہ ہوں یا گمنام و مندرس ہو چکے ہوں۔ اُن سب کے نزدیک جہاد کا شرعی مفہوم ایک ہے کہ **"اِعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے حقیقی ظالموں کے خلاف حتی المقدور جدوجہد کرنا"** اور اِس مفہوم کے تحت آنے والے انواع و اقسام میں سے فردِ اعلیٰ یعنی حقیقی ظالموں کے خلاف اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر حتی المقدور مسلح جدوجہد کرنے سے لے کر فردِ ادنیٰ یعنی ظالم معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر حتی المقدور زبانی و تبلیغی جدوجہد کرنے تک سب کا مرادِ الٰہی، برحق اور شرعی جہاد کے مظاہر و مصداق ہونے پر بھی سب متفق ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ ایک فقہ میں شرعی جہاد کے اِس مفہوم کو مسلح جہاد کے ساتھ مختص قرار دے کر اُس کی دوسری اقسام کو ناجائز اور مرادِ الٰہی کے منافی سمجھا گیا ہو اور دوسرے فقہ میں اِس کو ظالم معاشرہ کی اصلاح

کے ساتھ مختص قرار دے کر اُس کے ماسواء قسموں کو ناجائز اور مرادِ الٰہی کے منافی قرار دیا گیا ہو۔ جہاد کے شرعی مفہوم اور اُس کی تمام اقسام کا اپنے اپنے اوقات اور موسم و حالات کے مطابق مرادِ الٰہی ہونے پر اجماع و اتفاق ہونے کی طرح ذرائع جہاد میں بھی مسالک کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اِسی طرح مقاصد اور مصارف جہاد میں بھی سب کا اتفاق و اجماع ہے کہ اِعلاء کلمۃ الحق اور اُس کے تقاضے و مظاہر کے بغیر شرعی جہاد کا تصور اسلام میں نہیں ہے اور جس ظالم کے خلاف ایسا کیا جارہا ہے وہ صرف جہاد کرنے والے کے گمان اور اُس کے زعم تک محدود نہ ہو بلکہ امر واقع بھی ہو۔

مصرف جہاد کا امر واقع ہونے کی پہچان و معیار

جس کی پہچان کے لیے معیار کسی فقیہ و مجتہد کی فکری کاوش نہیں بلکہ صرف اور صرف قرآن وسنت کے وہ نصوص ہیں جو اپنے ثبوت و دلالت دونوں کے حوالہ سے قطعی و یقینی ہیں۔ جیسے فرمان الٰہی:

"وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ"(۱)

ترجمہ:۔اور اگر ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

اِس قسم کے درجنوں نصوص کے سننے اور پڑھنے والے کس شخص کو یقین نہیں ہوتا کہ لفظ "قَـاتِـلُـوهُـمْ" جہاد کے شرعی مفہوم پر قطعاً و یقیناً دلالت کرنے کی طرح اِس کے مفعول بہ یعنی لفظ "هُـمْ" بھی حقیقی کفار و مشرکین پر قطعاً و یقیناً دلالت کر رہا ہے۔ اِسی طرح اِس کے بعد والے کلام کے دونوں حصے یعنی معطوف و معطوف علیہ بھی بالترتیب فساد کے خاتمہ اور کلمۃ الحق کے بول بالا ہونے کا مقصدِ جہاد ہونے پر قطعاً دلالت کر رہے ہیں جس کے بعد مختلف مسالک والوں کو اس سے ہٹ کر کسی کو مصرف جہاد قرار دینے کی گنجائش نہیں رہتی ورنہ ہر مسلک کے اندر موجود اہل تعصب

۱۔ الانفال،39۔

دوسرے مسالک والوں کو بزعم خویش مَصرف جہاد قرار دیکر مسلم کُشی کے جرم کا ارتکاب کریں گے جو بجائے خود فساد و فتنہ ہے جس کے انسداد کے لیے قرآن وسنت کے اس قسم قطعی نصوص میں اللہ تعالیٰ نے خود شرعی جہاد کے مصرف کو متعین کر دیا کہ وہ کسی کے مزعومہ کافر نہیں بلکہ حقیقی کافر ہیں، مزعومہ ظالم وفسادی نہیں بلکہ حقیقی فسادی ہیں، اور مخالف مذہب والوں کی خواہش پر نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں شیطان ومُبتدع اور مشرک ہیں۔ مصرف جہاد کا مزعومہ نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ہونے پر اس قسم قطعی نصوص کی موجودگی میں سوالنامہ کے اندر مذکور مذہبی فرقوں کا ایک دوسرے کو کافر کہہ کر مصرف جہاد قرار دینا مسلم کُشی کے جرم عظیم کے سوا اور کچھ نہیں ہے، جو بالیقین مندرجہ ذیل سزاؤں کے زمرہ میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1 ”وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا“(۱)

ترجمہ:۔اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار رکھا بڑا عذاب۔

بزعمِ خویش دوسرے مسالک کے مسلمانوں کو کافر کہہ کر اُن کے قتل کرنے والے غلط کار اگر اِس آیت کریمہ میں مسلم کُشی کرنے والوں پر منجانب اللہ لگائے گئے اِن سزاؤں پر غور کریں تو کبھی ایسا نہیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں قتل مسلم کے مجرموں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دیا۔ جیسے ”فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا“ کے الفاظ بتا رہے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اِس کے بعد ”وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ“ کے الفاظ میں اِن مذہبی مجرموں کو اپنے قہر وغضب کا بھی مستحق قرار دیا کہ اِس جرم کے بعد اُن کی پوری زندگی اللہ کے قہر وغضب کی تپش میں گزرتی ہے کہ دل کی سختی اور غلبہ شقاوت کی وجہ سے ”وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ“ کا نمونہ بن کر مقصد تخلیق کی طرف آنے سے محروم رہتے ہیں جس کا شعور بھی اُنہیں نہیں ہوتا۔ مذہب کے نام پر قتل

۱۔ النساء:93۔

کرنے والے یہ مجرم اور جہاد کہہ کر مسلم کشی کرنے والے یہ فساد کار اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنے بڑے مجرم ہیں کہ گویا ایک مسلمان کا خون بہانے کی شکل میں وہ تمام انسانوں کا خون کر رہے ہیں۔ جیسے فرمایا:

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا''(۱)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔

مذہب کے نام پر خونریزی کے اِس جرم کے منحوس اثرات کے پیش نظر ان سیاہ کاروں کو صرف جہنمی اور مقہور و مغضوب قرار دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اِس کے بعد ''لَعَنَهٗ'' کہہ کر ہمیشہ کے لیے لعنتی بھی قرار دیا جو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے شیطان کی طرح ہمیشہ محروم ہوتا ہے۔ اِس کے بعد ان تینوں سزاؤں کی ہیبت اور ہولناکی کا ''وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا'' کے الفاظ میں اظہار فرمایا جو اِن تینوں کے ناقابل تصور ہونے کے ساتھ سزا مطابق جرم ہونے کا اظہار ہے کیوں کہ ہر گناہ کی سزا اُس کے حجم کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا:

''جَزَآءً وِّفَاقًا''(۲) یعنی جرم کے مطابق سزا۔

یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب کے نام پر مسلم کشی کرنے والے مجرم اپنے لیے مقررہ اِن خدائی سزاؤں پر اگر غور کریں، قرآنی احکام سے روشنی لیں یا کم از کم خود کو مسلمان کہلانے کے تقاضوں پر غور کریں تو دوسرے مسلک کے مسلمانوں کا خون کبھی نہیں کریں گے یا اصحاب محراب و منبر حضرات اگر یہ سزائیں پڑھ کر اُنہیں سنائیں تو کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو جہنمی بننا پسند کرے، اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کو گوارا کرے یا لعنتی قرار پانے کے موجب کوئی قدم اُٹھائے۔ اِس حوالہ سے علماء کرام پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کاش وہ اس کو فریضہ کو نبھائیں۔

۱۔ المائدۃ:32۔

۲۔ النباء:26۔

دائرۂ اسلام میں موجود کسی فرقہ کو کافر کہہ کر مصرف جہاد قرار دینا اور اُس کا خون بہانا اِس وجہ سے بھی موجب عذاب ہے کہ یہ بجائے خود جرم عظیم ہونے کے ساتھ دین اسلام میں تفرقہ بازی پیدا کرنے اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متنفر کر کے اسلام کو کمزور کرنیکا سبب ہے جس کی سزا حدیث نبوی ﷺ کے مطابق قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جیسے نسائی شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''أَيُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ يُفَرِّقُ بَيْنَ أُمَّتِي فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ''(۱)

جس شخص نے بھی میری اُمت میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کی اُس کی گردن اُڑا دو۔

اِس روایت سے یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ فرقہ واریت پھیلانے والے کافروں کے برابر مجرم ہیں کیوں کہ اِس کو قتل کا مستحق قرار دینے کا فلسفہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تفرقہ بازی کر کے اسلام کو کمزور کرنے کی بناء پر کافر کا ہم وصف و ہم خیال ہو رہا ہے۔

مسلم کُشی کرنے والوں کا خارج اسلام ہونا

مذہب کے نام پر مسلم کُشی کرنے والے مجرموں کو اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام سے خارج فرمایا ہے۔ جیسے:

1. حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے:

''مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا''(۲)

جس نے مسلم کُشی کے لیے اسلحہ اُٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

2. حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

۱۔ نسائي شريف، باب المحاربة، ج:2، ص:165۔

۲۔ نسائي شريف، ج:2، ص:173۔

"قِتَالُ الْمُسْلِمِ كُفْرٌ وَسِبَابُهُ فُسُوقٌ" (۱)

مسلمان کو قتل کرنا کفر اور اُسے گالی دینا فسق ہے۔

❸ حضرت جریر ابن عبد اللہ الجبلی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے اللہ کے حبیب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کے مابین اتحاد کی اہمیت اور ایک دوسرے کو مذہب کے نام پر قتل کرنے کو کفر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"لَا أُلْفِيَنَّكُمْ بَعْدَ مَا أَرَى تَرْجِعُونَ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ" (۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام پر تم کو متحد دیکھنے کے اس حال کے بعد تمہیں نہ دیکھوں کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافروں کی صفت پر لوٹ جاؤ۔

اہل انصاف جانتے ہیں کہ اس حدیث کا حقیقی مظہر اور یقینی مصداق مذہبی عصبیت میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے کے خلاف اسلحہ اُٹھانے کو افضل جہاد قرار دینے والے کج فہموں کے سوا اور کوئی نہیں ہے کیوں کہ دنیوی معاملات کا اختلاف مختلف طبیعتوں کے تقاضوں کے مطابق اُس وقت بھی تھا جو بعد میں بھی رہا اور موجودہ دور کے مسلمانوں میں بھی موجود ہے جس کو کبھی بھی موجب کفر قرار نہیں دیا گیا۔ اِسی طرح الٰہیات کے وہ حصے جن میں قرآن وسنت کے واضح اور یکطرفہ احکام نہیں پائے جاتے ہیں اُن میں بھی اختلاف رائے کا پایا جانا عین مقتضائے فطرت ہونے کی بنا پر روزِ اول سے چلا آ رہا ہے جس کو تاریخ کے ہر دور میں مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ ایسے میں اِس حدیث کا حقیقی مظہر و یقینی مصداق مذہبی عصبیت کے دہشت گردوں کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں؟ ایسے مجرموں کو کفر سے بچانے کے لیے ہزار جتن کیے جائیں پھر بھی سامعین کی تسلی کا سامان نہیں ہو سکتا۔

۱۔ نسائی شریف، ج:2، ص:174۔

۲۔ نسائی شریف، ج:2، ص:176۔

مذہب کے نام پر مسلم کشی کا سب سے بڑا گناہ ہونا

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمان کے قتل کو دنیا بھر کے جرائم سے بڑھ کر جرم عظیم قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَقَتْلُ مُؤْمِنٍ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْیَا''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس ذات کی مجھے قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی مومن مسلمان کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پوری دنیا کے ویران ہونے سے زیادہ سبب خفگان ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے جس مسلم کشی کو سب سے بڑا گناہ اور دنیا بھر کی خرابی سے زیادہ مکروہ وسبب خفگان الٰہی قرار دیا ہے اُس کی یقینی صورت مذہب کے نام پر کیے جانے والی مسلم کشی کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ اِس لیے کہ قتل مومن کی دونوں وجوبی صورتیں ''رجم اور قصاص'' شرعی احکام ہونے کی بناء پر گناہ کے بجائے ثواب ہیں اور مرتد کا قتل درحقیقت قتل مومن ہی نہیں ہے۔ اِن تینوں کے علاوہ قتل مومن کی جتنی بھی صورتیں وجود میں آرہی ہیں اُن سب میں دنیا کے رنگ میں رنگین انسی شیطانوں کا دخل ہوتا ہے جبکہ مذہبی قتل میں مذہبی عصبیت کے رنگ میں رنگین مذہبی شیطانوں کا دخل ہوتا ہے اور فرمان نبوی ﷺ کے مطابق مذہبی شیطانوں کا جرم دنیا بھر کے شیطانوں کے اجتماعی جرم سے بھی متجاوز و بے انتہا ہوتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے:

''اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِ شِرَارُ الْعُلَمَآءِ وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَآءِ''(۲)

سنو بیشک سب سے بڑا شر علماء سُوء ہیں اور بیشک سب سے زیادہ خیر علماء حق ہیں۔

۱۔ نسائی شریف، ج:2،ص:162۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم بحوالہ الدارمی،ص:37۔

اپنے من پسند کے خلاف اسلامی فرقوں کا خون بہانے کو جہاد کہہ کر اللہ کے قہر و غضب کو دعوت دینے والے یہ حضرات چاہے خود کو سنی کہیں یا شیعہ، اہلحدیث کہلائیں یا اہل تقلید اور دُنیا اُنہیں حنفی کہہ کر پکارے یا شافعی کہہ کر، بہر حال حقیقت میں وہ کسی بھی اسلامی مذہب کے ساتھ وفادار نہیں ہیں کیوں کہ اسلامی فرقوں میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں مسلم کُشی کو جہاد کا نام دینے کی اجازت ہو یا فقہی اختلاف کی بنیاد پر کسی کو قتل کرنے کی گنجائش ہو۔ اسلام کے اندر موجود فقہی مسالک کا مطالعہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ مسلم کُشی جیسے جرم عظیم کو جہاد کہنے والے ان فسادکاروں کو کوئی ایک فقہ بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، تو اسلام اُنہیں کیوں قبول کرے؟ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو سُنن نسائی میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے واقعی مصداق بھی یہی علماء سوء ہیں جس میں مومن مسلمان کے خون بہانے والوں کو پوری دنیا کو خراب کرنے والوں سے بھی زیادہ مجرم قرار دیا گیا ہے۔ کیوں کہ قرآن وسنت کے وہ نصوص جن میں بیضۃ الاسلام کے استحکام اور اتحاد اُمت کے لیے کام کرنے والے علماء دین کو علماء حق اور اس کے منافی کردار کے حامل علماء کو علماء سوء کہا گیا ہے اُن پر غور کرنے سے جہاد کے نام پر مسلم کُشی کرنے والے علماء سوء کا دُنیا بھر کے مجرموں سے بڑھ کر مجرم ہونا ثابت ہو رہا ہے تو پھر ان کا یہ جرم خدا کے نزدیک پوری دنیا کو ویرانہ میں تبدیل کرنے سے زیادہ کیوں نہ ہو۔

مسلم کُش دہشت گردوں کا مباح الدم ہونا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے نام پر مسلم کُشی کی دہشت گردی پھیلانے والوں کو مباح الدم قرار دیا ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے ''قَالَ مَنْ شَهَرَ سَيْفَهُ ثُمَّ وَضَعَه فَدَمُهُ هَدَرٌ'' جبکہ دوسری راویت میں ''مَنْ رَفَعَ السَّلَاحَ ثُمَّ وَضَعَه فَدَمُهُ هَدَرٌ'' (۱) کے الفاظ آئے ہیں۔

۱۔ نسائی شریف، ج:2،ص:173۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی اسلحہ اُٹھا کر لوگوں کا خون کیا اور دہشت پھیلائی تو اُس کا اپنا خون ضائع ہے کہ جس کے ہاتھ سے بھی مارا جائے اُس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اس کے یقینی مظاہر میں درج ذیل مجرم مراد ہو سکتے ہیں:

1. مذہبی دہشت گرد یعنی مذہب کے نام پر دوسرے مسالک کے مسلمانوں کو قتل کرنے والے۔
2. مسلم مملکت کے اندر رہزنی کرنے والے۔
3. نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کرنے والے۔
4. اسلحہ کے زور سے اسلامی ریاست کے باسیوں کی جان و مال، عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے والے۔
5. اغیار کے لیے آلہ کار بن کر مسلم معاشرہ میں دہشت پھیلانے والے۔

اہلِ انصاف جانتے ہیں اِن سب میں مباح الدم قرار دینے کے زیادہ سے زیادہ اور شدید سے شدید تر مستحق مذہبی دہشت گرد ہے کیوں کہ اُس کا ضرر اِن سب سے زیادہ اور متعدی ہونے کے علاوہ وہ اپنے اس جرمِ عظیم کو جہاد کا نام دے کر سادہ لوح مسلمانوں کا ایمان بھی خراب کر رہا ہے، التباس الحق بالباطل بھی کر رہا ہے، بیضۃ الاسلام کو کمزور کر رہا ہے اور اسلامی جہاد کے مقدس نام کو بدنام کر کے اسلام دشمن طاقتوں کو دین محمدی کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ اِن میں سے ایک ایک جرم انفرادی طور پر بھی دوسرے مجرموں کی طرح مباح الدم ہونے کا سبب ہے جبکہ مذہبی دہشت گرد میں بیک وقت سب پائے جانے کی بنیاد پر وہ دوسرے مجرموں سے کئی گنا زیادہ سزاوار قرار پا رہا ہے کہ جس کے ہاتھوں بھی قتل ہو جائے اُس کا خون ضائع سمجھا جائے۔ اِس حدیث کا ایک مفاد یہ بھی ہے کہ اسلام نے جن دہشت گردوں کو مباح الدم قرار دیا ہے اُن کی فہرست میں مذہبی دہشت گرد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ قابل مذمت ہیں۔

مسلم کشی کے درپے رہنے والوں کا جہنمی ہونا

اپنے مذہبی حریفوں کو بزعم خویش کافر کہہ کر اُن کے خلاف اسلحہ اُٹھانے والوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے جہنمی قرار دیا ہے۔ جیسے حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے:

''إِذَا أَشَارَ الْمُسْلِمُ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ بِالسِّلَاحِ فَهُمَا عَلَى جُرُفِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا قَتَلَهُ خَرَّا جَمِيعًا فِيهِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی پر اسلحہ نکالنے کے درپے ہوتا ہے تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور جب ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو دونوں اکٹھے جہنم میں گئے۔

اِس حدیث کی طویل فہرست میں مذہبی قاتل ومقتول سرفہرست ہیں کیوں کہ اُن کا یہ جرم دوسروں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ سخت وقابل مذمت ہے۔ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن وسنت کے اِن احکام کو اگر عام کیا جائے، مذہبی اقتدار پر فائز طبقہ اگر محراب ومنبر کے ذریعہ اِن کی روشنی کو پھیلائے تو مسلم کشی کے اس خطرناک رجحان کا آسانی انسداد ہوسکتا ہے، یہ اِس لیے کہ جہنم سے ہر شخص پناہ مانگتا ہے جب قتلِ مسلم کی یقینی سزا جہنم ہونے کا سبق اُنہیں یاد کرایا جائے گا تو وہ کبھی ایسا اقدام نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اصحاب محراب ومنبر کو یہ فریضہ نبھانے کی توفیق دے تو اِس حوالہ سے سب کچھ ٹھیک ہوسکتا ہے ورنہ مسلم کشی کے منحوس اثرات سے معاشرہ کا کوئی ایک فرد بھی نہیں بچ سکتا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس فتنہ وفساد سے بچنے کا سامان کرو جو پھیلے گا تو صرف ظالموں تک

۱۔ نسائی شریف، ج:2، ص:175۔

۲۔ الانفال:25۔

محدود نہیں رہے گا۔

مذکورہ حدیث سے مسلمانوں کے خون بہانے کے درپے رہنے والے قاتل ومقتول کا جہنمی ہونا معلوم ہونے کی طرح اِس آیت کریمہ سے تعصب زدہ معاشرہ کے جملہ افراد کا اِس کے مشئوم اثرات سے متاثر ہونا بھی معلوم ہورہا ہے۔ جہاں تک قاتل ومقتول کے جہنمی ہونے کا مسئلہ ہے اُس کا تعلق عالم غیب کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ایمان بالغیب کے درجہ میں اُس پر صرف یقین کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے معصوم پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے اور اللہ کے معصوم پیغمبر کا ہر فرمودہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس پر بھی تمام اہل ایمان کو یقین ہے جبکہ مذہبی تعصب کے متاثرہ معاشرہ کا مسئلہ اس کے برعکس ہے کیوں کہ انسانی معاشرہ کا ہر فرد عملی طور پر اِس کو محسوس کررہا ہوتا ہے کہ ایسے قابلِ رحم معاشرہ کا کوئی فرد، کوئی گھر اور کوئی محلہ افتراق بین المسلمین کے منحوس اثرات سے محفوظ نہیں ہوتا، بھائی اپنے بھائی سے، ہمسایہ اپنے ہمسایہ سے بدگمان و بے اعتماد ہوتے ہیں یہاں تک کہ ایک محلہ کی مسجد میں اور ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے، مذہبی تعصب کی اسی منحوس روش کے مشئوم نتیجہ میں متعدد ایسے واقعات کا تجربہ ہوا ہے کہ ایک مسجد کے بیچ میں دیوار کھینچ کر تقسیم کردی گئی ہے اور کتنے امامانِ مساجد کو قتل کردیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مسجدوں کو مسجد ضرار کے نام سے مشہور کیا گیا ہے اور کتنے دیندار شرفاء ہیں جو مذہبی دہشت گردوں کے خوف سے مسجدوں میں جانے سے ہی کتراتے ہیں، اور کتنے غیر ملکی مہمان، تجار و سیاح ایسے ہیں جو ایسے معاشروں میں جانے سے ڈرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ملکی معیشت سے لے کر قومی و مذہبی وقار بھی مجروح ہوجاتا ہے اور معصوم مذہب اسلام کی بین الاقوامی برادری میں جگ ہنسائی ہوتی ہے۔ اِس پر مستزاد یہ کہ مذہبی عصبیت میں مبتلا علماء سوء کا نیم خواندہ طبقہ اِسے اسلامی جہاد کا نام دے کر اسلام کی بدنامی کا سامان کررہا ہوتا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

مذہبی عصبیت کی موت جاہلیت کی موت ہونا

مذہبی عصبیت وفرقہ واریت کی بنیاد پر اپنے مذہبی حریفوں کو بزعم خویش کافر کہہ کر اُنہیں قتل کرنے کو اسلامی جہاد مشہور کر کے دین اسلام میں اشتباہ پیدا کرنے والوں کی اصلاح کے لیے قرآن وسنت میں کافی سے زیادہ سبق موجود ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ اَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى''(۱)

کسی قوم کی مخالفت تمہیں عدل کے خلاف کرنے پر نہ اُبھارے۔ عدل کرو وہی تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

اہل انصاف جانتے ہیں کہ فقہی اختلاف کو اُصول کا درجہ دے کر حریف مذہبی فرقوں کو کافر کہنا اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کی کُھلی خلاف ورزی ہے۔ اِس پر مستزاد یہ کہ اس مرض میں جو مبتلا ہیں وہ اِس گناہ کو جہاد سمجھ کر ایسا کرتے ہیں جس کو جہل بالائے جہل اور ''ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ قرآن شریف میں اس آیت کریمہ کو پڑھنے اور سمجھنے کے باوجود عملی انحراف کا فلسفہ اِس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ مذہبی تعصب کے حصار میں محصور ہو چکے ہیں، اللہ کے وسیع دین اسلام کو اپنی فہم کے تابع سمجھ کر محدود کر چکے ہیں اور تعصب کے اندھیرے میں اندھے ہو چکے ہیں جس وجہ سے اُصول اسلام اور مذہب کے فروعی مسائل میں تفریق کرنے کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں جس کے نتیجہ میں فقہی اختلاف کی بنیاد پر حریف فرقوں پر اسلحہ اُٹھانے کا جرم اُنہیں کارِ ثواب وجہاد نظر آرہا ہے جبکہ اس میں مرنے اور مارنے والوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے جہالت کی موت قرار دیا ہے۔ جیسے صحابی رسول حضرت جندب ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے:

''قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ

۱_ المائدة:8_

یُقَاتِلُ عَصَبِیَّةً وَیَغْضَبُ لِعَصَبِیَّةٍ فَقِتْلَتُهٗ جَاهِلِیَّةٌ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے جہالت کے جھنڈے کے تحت لڑائی کی کہ اُس کا لڑنا تعصب کے لیے ہے اور اُس کا غصہ کرنا بھی عصبیت کے لیے تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

یہ حدیث اپنے الفاظ کے عموم کی وجہ سے ہر جہالت پر مبنی عصبیت کے لیے لڑنے والوں کی موت کو جاہلیت کی موت قرار دے رہی ہے جس میں تخصیص کی گنجائش ہی نہیں ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ قومی عصبیت، لسانی عصبیت اور وطنی عصبیت کی جہالت سے مذہبی عصبیت کی جہالت ہر اعتبار سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے کیوں کہ اس کے اثرات لا محدود ہونے کے ساتھ التباس الحق بالباطل کے بھی موجب ہوتے ہیں، اسلام کی بدنامی کا سامان ہوتے ہیں اور اُمت کی تفریق کا سبب ہوتے ہیں جب قلیل الشر عصبیت کی موت جاہلیت کی موت قرار پا رہی ہے تو مذہبی جہالت پر مبنی عصبیت کی موت بدرجہ اولیٰ موت جاہلیت ہوگی جس سے اُمت کو بچانے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ قرآن وسنت کے اِن احکام کو عام کیا جائے۔ منبر ومحراب کو افتراق کے بجائے اتحادِ اُمت کی تعلیم گاہ بنایا جائے اور دوسرے فقہی مسالک کو بھی اسلام کا احترام دیا جائے جس کے لیے ضروری ہے کہ علماءِ حق آگے آئیں اور دین فروش علماءِ سوء کو مسترد کریں تاکہ جہاد کے مقدس نام کو بدنام کرنے والے گمراہوں سے چھٹکارا حاصل ہو۔

ہر کافر مسلح جہاد کا مصرف نہیں ہوتا

جہاد کے نام سے فقہی اختلاف والے مسلمانوں کا خون بہانا اسلامی جہاد ہونا بہت دور کی بات ہے جبکہ اسلام میں ہر کافر بھی مسلح جہاد کا مصرف نہیں ہوتا کیوں کہ قرآن وسنت کی روشنی میں صرف وہی کافر ومشرک مسلح جہاد کے مصرف قرار پاتے ہیں جو مسلمانوں پر حملہ کریں، اُنہیں

۱۔ نسائی شریف، ج:2، ص:175۔

ستائیں، اُن کے املاک پر قبضہ کریں (یا) حدود اللہ کے نفاذ اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنیں اور کسی بھی غیر مسلح جہادی کوششوں سے اثر لے کر باز نہ آجائیں (یا) نظامِ مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل اسلامی ریاست کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ سازش کر رہے ہوں۔ جیسے بالترتیب قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات سے مفہوم ہو رہا ہے"اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا" (۱)، وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ" (۲)، فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ" (۳) قرآن وسنت اور اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کی روشنی میں اسلام کے سخت سے سخت مخالف کافر و مشرک کے خلاف بھی اُس وقت تک اسلحہ اُٹھانے کی اجازت نہیں ہے جب تک مسلم ریاست کی طرف سے اُس کو شرارت سے باز رکھنے کے لیے جملہ اصلاحی کوششیں ناکام نہیں ہوتیں، تبلیغی اور سیاسی راہیں مسدود نہیں ہوتیں کیوں کہ کسی بھی مخالف اسلام پر اسلحہ اُٹھانے کا حکم آخری آپشن ہے جس پر عمل کرنا اُس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب اِس سے بچنے کی کوئی اور راہ نہ ہو۔ فروعی اور فقہی اختلاف کی بناء پر کسی مسلمان کے خلاف اسلحہ اُٹھانے کا تصور دور کی بات ہے بلکہ اسلام نے تو اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے غیر مسلم اقلیت کے خلاف اسلحہ اُٹھانے کو بھی ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے:

"وَمَا مِن عَبدٍ يقتُلُ مُعَاهِدَةً اِلَّا حَرَمَ اللهُ عَلَيهِ الْجَنَّةَ" (۴)

یعنی غیر مسلم اقلیت کو قتل کرنے والا جہنمی ہے۔

مقامِ عبرت ہے کہ جب اسلام نے اپنی رعایا کی جان و مال اور عزت و ناموس کے تحفظ کا اس حد تک اہتمام کیا ہے کہ کسی غیر مسلم اقلیت کے خلاف اسلحہ اُٹھانے والے کو بھی معاف نہیں کرتا

۱۔ الحج:39۔

۲۔ النساء:91۔

۳۔ التوبہ:12۔

٤۔ المستدرك للحاكم، ج:2، ص:126۔

تو پھر اپنی ہی کسی شاخ کے خلاف اس کی اجازت کیوں دے؟ حقیقت یہ ہے کہ فقہی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو واجب القتل قرار دینے اور اُنہیں مصرف جہاد کہنے والے جہل مرکب یا اسلام کے خلاف کسی گھناؤنی سازش کے خطرہ سے خالی نہیں ہیں۔ ایسے میں اُن کے اِس کردار کو اسلامی جہاد کہنے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو لوگ اِس کے اسلامی جہاد ہونے کا گمان کرتے ہیں وہ شدید غلطی اور جہالت میں مبتلا ہیں۔ علماء حق پر لازم ہے کہ محراب و منبر کے ذریعہ اُنہیں تبلیغ کر کے سمجھائیں، جہالت کی اس وادی لاامتناہی سے اُنہیں نکالیں اور جہاد کے نام پر اسلام کے ہی خلاف کی جانے والی اِس پراسرار سازش سے پردہ اُٹھائیں ورنہ خاموش تماشائی بنے رہنے والے گونگے شیطان سے مختلف نہیں ہوں گے۔

ہماری اِس تحقیق سے جہاں مذکورہ سوالنامہ کے مندرجات کا جواب واضح ہوا وہاں 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ کے خلاف پینٹاگون و نیویارک میں ہونے والی تباہ کاریوں سے پیدا ہونے والے عالمی حالات کی وجہ سے مفتیان وطن کی فتویٰ بازیوں کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ آیا کس حد تک یہ قرآن وسنت کے مطابق ہیں اور کس حد تک منحرف ہیں۔ نیز اِس واقعہ کے بعد (1) طالبان و امریکہ، (2) اُسامہ بن لادن و امریکہ، (3) اور حکومت پاکستان و امریکہ، طالبان، القاعدہ اور نیٹو کی افواج در افغانستان۔ اِن تینوں بلکہ چاروں کی کشمکش سے پاکستانی طالبان کا وجود میں آنا اور اِن متضاد قوتوں کا ایک دوسرے کے مفادات کے خلاف خودکش حملوں کی بنیاد رکھنے جیسے تمام معروضی حالات کی شرعی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے کہ اِن میں سے کس کا وجود و کردار درست ہے اور کس کا غلط ہے، جہاد کے کن مدعیوں کا دعویٰ قرآن وسنت کے موافق ہے اور کس کا مخالف ہے، اور کس کی فداکاری حرام موت ہے کس کی شہادت و جہاد ہے۔ اِس کے ساتھ خودکش حملوں سے متعلق اب تک مختلف ممالک کے مفتیان کرام کے قلم سے وجود میں آنے والے فتوؤں کی حیثیت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ کس حد تک قرآن وسنت کے مطابق ہیں اور کس حد تک غلط فہمی واشتباہ پر مبنی یا مجمل اور بجائے خود محتاجِ تفصیل ہیں۔

☆☆☆☆☆

کیا حکومتِ پاکستان کا فیصلہ ناجائز و کفر تھا؟

اِس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہاں پر چند چیزوں کو جدا جدا سمجھنے کی ضرورت ہے جن کی حدود و اربعہ بھی ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں:

❶ اُسامہ بن لادن اور اُن کی ''القاعدہ'' تنظیم۔

❷ افغانستان کی اسلامی حکومت اور اُس کا کردار۔

❸ امریکہ اور اس کا کردار۔

❹ حکومت پاکستان کے ارباب اختیار کا موجودہ حالات میں ان تینوں کے حوالہ سے کردار و مؤقف۔

❺ اسلام دین فطرت ہونے اور قیامت تک نوع بنی آدم کو پیش آنے والے تمام حالات میں راہنمائی کا ضامن ہونے کی بنیاد پر جہاں دنیوی اور مادی وسائنسی ترقی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے جدید سے جدید اور نت نئے مسائل کی شرعی حیثیت متعین کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہاں اس بات کی بھی صلاحیت رکھتا ہے کہ افراد یا جماعتوں کو عوام ورعایا اور حکومتوں کو سٹیٹ کے اندرون و بیرون پیش آنے والے اضطراری واختیاری دونوں حالتوں میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی مقتضاء حال کے عین مطابق کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں حالتِ اضطرار واختیار کے احکام ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عام حالات میں جو قول و عمل قطعی طور پر حرام ہوتے ہیں اضطراری حالت میں حلال قرار پاتے ہیں۔ اور اضطراری حالت میں جن ممنوعات کو جائز قرار دیا جاتا ہے عام حالات میں ان کے ارتکاب کرنے والے مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب ہوتے ہیں لیکن بحالت مجبوری ان کے ارتکاب کرنے کی اجازت ہونے

کے ساتھ ان پر کسی قسم کا مواخذہ وگرفت بھی نہیں ہوتی جیسے سور کا گوشت کھانا عام حالات میں قطعی حرام ہے لیکن حالت اضطرار ومخمصہ میں جائز ہے۔

اسلام کے منافی قول وعمل اور صریح کفر کا عمل کرنا عام حالات میں حرام قطعی اور اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا موجب ہے لیکن حالت اضطرار واکراہ اور مجبوری کی صورت میں قابل مواخذہ نہیں ہوتا اس کے علاوہ عقل ونقل اور تمام مذہب اہلِ اسلام کا متفقہ اصول ہے کہ دو مصیبتوں یا گناہوں میں سے کسی ایک کا اختیار کرنا جب ناگزیر ہو جائے اُس وقت نسبتاً کم گناہ کو بادلِ ناخواستہ اختیار کرنے میں کوئی حرج ہوتا ہے نہ مواخذہ جیسے امریکہ جیسے کوئی منہ زور بدمعاش کسی مسلمان کو صلیب کو معبود کہہ کر اسے سجدہ کرنے یا اللہ کی صفات سے انکار کرنے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر جب مجبور کریں تو جان بچانے کی خاطر اسے دوسری صورتِ کفر پر عمل کرنے کی اجازت ہے اِس لیے کہ شرک کے مقابلہ میں زبانی کفر کم ہے۔ اِسی طرح کوئی منہ زور ظالم ودہشت گرد کسی بہانہ سے اگر کسی مسلمان کو اس کے ایک ہاتھ کاٹنے پر مجبور کریں اور کہے کہ اگر تو اپنا ایک ہاتھ کاٹنے نہیں دیگا تو میں تیرے دونوں ہاتھ کاٹ دوں تو حالت اضطرار کے ساتھ دوچار اس مجبور محض مظلوم کو خود کو بچانے کے لیے ایک کی قربانی دینے کی اجازت ازروئے عقل ونقل حاصل ہے۔

فقہ کا یہ مسئلہ مختلف انداز بیان کے ساتھ تمام مذاہب اہل اسلام کی کتبِ اُصول میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔ جیسے تلویح توضیح، مسلم الثبوت، المستصفی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، منھاج الاصول، شرح الاسنوی (نھایۃ السو ل فی شرح منھاج الاصول) وغیرہ میں موجود ہے۔ تاریخ التشریع الاسلامی میں ہے:

”یُتَحَمَّلُ الضَرَرُ الخَاصِ لِدَفعِ الضَرَرِ العَام“(۱)

یعنی عمومی مصیبت سے بچنے کے لیے خصوصی مصیبت کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اور اِسی میں ہے: ”یُرتَکَبُ اَخَفُ الضَرَرَینِ لِاتِقَاءِ اَشَدِّھِمَا“

۱۔ تاریخ التشریع الاسلامی، ص:246، مطبوعہ استنبول۔

یعنی دو مصیبتوں میں سے زیادہ خطرناک سے بچنے کے لیے ان میں سے کم خطر والی مصیبت کو برداشت کیا جائے گا۔

اسلام کے اِس مسلمہ اُصول کے مطابق افغانستان و امریکہ کے حوالے سے 11 ستمبر 2001ء کے بعد کی صورتِ حال میں پاکستان نے جو مؤقف اختیار کیا، وہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مؤدت ہے نہ کفر، نہ افغانستان کی اسلامی حکومت کے ساتھ غداری ہے نہ امریکہ کے ساتھ محبت، نہ اسلام کی طرف پیٹھ ہے نہ کفر کو گلے لگانا، بلکہ پرویز مشرف کا یہ مؤقف اور حکومت پاکستان کا یہ کردار یہ سب کچھ حالت اضطرار کے فیصلے ہیں کیوں کہ 11 ستمبر 2011ء کو نامعلوم اشخاص کے ہاتھوں امریکہ کی ناک کٹ جانے کے بعد حکومت پاکستان و افغانستان دونوں کے خلاف پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے ہندو بنیوں کی طرف سے اور بشمول امریکہ مغربی میڈیا میں جس انداز سے منفی پروپیگنڈہ کیا گیا اور بھارت موقع کو سنہری سمجھ کر اپنے تمام تر حربی وسائل و ذرائع کی پیشکش کرتے ہوئے اس بدمست و مدہوش ہاتھی کو افغانستان کے ساتھ پاکستان کے خلاف بھی بھڑکانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف کر کے یہ باور کروا رہا تھا کہ طالبان حکومت کا وجود پاکستان کے دم قدم سے وابستہ ہے۔ اس پروپیگنڈا کو تقویت دینے کیلئے پاکستان و افغانستان کے مابین ثقافتی، جغرافیائی، قومی اور مذہبی رشتوں کے علاوہ 23 سال سے افغانیوں کی اخلاقی و سیاسی امداد کی روایت کو بھی منفی انداز میں پیش کر کے افغانستان کی طرح پاکستان پر بھی ہر طرف سے فوجی یلغار کرانا چاہتا تھا۔ اسلام کے خلاف طویل المیعاد سازش کرنے کے عادی یہود و نصاریٰ کی نگاہ میں پاکستان کی نیوکلیئر انسٹالیشن پہلے سے کانٹا بنا ہوا تھا۔ پاکستان وجود میں آنے کے وقت سے لیکر نصف صدی کا عرصہ گزرنے تک غیر صالح قیادتوں کی امریکہ نواز پالیسیوں کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ امریکہ جیسے بھیڑیے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے، دہشت گردی کے الزامات کا ثبوت مانگ سکے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکے۔ اس کے علاوہ سطح زمین پر پانچ درجنوں سے زیادہ برائے نام مسلم ممالک کا حال بھی پاکستان سے کچھ مختلف نہیں ہے بلکہ

باستثناء چند امریکی کالونی سے مختلف نہیں ہیں۔

ماسوا ایک دو کے باقی سب میں سیاسی اقتدار پر نام کے مسلمان کام کے فرنگیوں کے تسلط کی وجہ سے باہمی اتحاد، اسلام کی صحیح سمجھ، ایمانی جذبہ اور استحکامِ ایمان کے فقدان کی بنا پر اول تو ان میں اس بھیڑیا کا سامنا کرنے کی عسکری صلاحیت ہی نہیں ہے اگر کہیں تھوڑا بہت کچھ ہے بھی تو اِن سربراہوں میں وہ ہمت نہیں ہے جس کا مظاہرہ کیا جاسکے، وہ جذبہ نہیں ہے جو کام آسکے اور وہ اخلاص نہیں ہے جو اپنا جوہر دِکھاسکے اگر ان برائے نام مسلم حکومتوں کے سربراہ مسلمانوں کی قیادت کے قابل اور اسلام کے حق میں مخلص ہوتے تو یہود و نصاریٰ کی ان پر بالادستی ہی نہ ہوتی۔ ہر خطہ میں مسلم اُمت ان برائے نام مسلم سربراہوں کی وجہ سے زوال و انحطاط کے ساتھ دوچار ہے۔ مسلم اُمت کو درپیش ان معروضی حالات کے ہوتے ہوئے افغانستان و امریکہ کے حوالہ سے موجودہ حالات میں جہاد کے نام پر نہتے عوام کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے بین البراعظمی میزائلوں کے منہ میں ڈالنا ملک کو بین الاقوامی برادری میں تنہا، بے یار و مددگار، اقتصادی و سیاسی بدحالی، بدنامی اسلام، انڈیا کے ناپاک عزائم کی برآری ہونے کے ساتھ ساتھ خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوتا جس کی اجازت قرآن و سنت میں کہیں نہیں ہے۔ ایسے میں پاکستان کے اُس وقت کے کردار و مؤقف کو افغانستان کے ساتھ غداری، طالبان حکومت کے ساتھ بے وفائی اور امریکی مقاصد کی تکمیل کہہ کر بدنام کرنے کے بجائے اس فیصلہ کو حالت اضطرار و مجبوری کا فیصلہ کہا جائے یا ہر طرف سے دشمنوں کی فوجی یلغار سے بچنے کی خاطر فوجی حکمت عملی قرار دیا جائے یا دو مصیبتوں میں سے کم مصیبت و خرابی کو گلے لگانے کے اسلامی اُصول پر عمل گردانا جائے تو زیادہ قرین انصاف ہوگا لیکن مسلمانوں کی شومئی قسمت کہیے کہ ہمارے علماء کرام حضرات ایسے پیچیدہ مسائل میں ہوش سے کام لینے، قرآن و سنت کے ترازو میں تولنے اور گہری نظر سے دیکھنے کے بجائے محض جذبات سے کھیلتے ہوئے سطحی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔

11 ستمبر 2001ء کو نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں پینٹاگون میں عالمی عسکری برتری

اور نیویارک میں اقتصادی برتری کے فلک بوس دیوہیکل دو جڑواں عمارتوں اور ان میں موجود غیر معمولی تعداد انسانوں کی ہلاکت کے بعد عالمی افق پر رونما ہونے والے بدلتے ہوئے حالات کے نتیجہ میں امریکہ کا اس دہشت گردی کی ذمہ داری بلاثبوت اُسامہ بن لادن پر ڈال کر 7 اکتوبر 2001ء کو افغانستان پر حملہ کرنے کے تناظر میں اندرون ملک و بیرون ملک حکومتوں سے لے کر دانشوروں کی سطح تک تقریباً سب نے اپنے اپنے انداز فکر میں اظہار خیال کیا اور مسلسل کر رہے ہیں۔

آج 28/11/2001 کو جب میں یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں افغانستان پر اس مسلسل شب و روز بربریت کے اکیاون دن پورے ہو چکے ہیں جبکہ امریکی مظالم میں تیزی کے ساتھ ساتھ عالمی رائے عامہ کے اظہارِ خیال میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اِس سلسلہ میں ہم نے پاکستان، امریکہ، طالبان اور اُسامہ کے کردار کا الگ الگ تجزیہ کر کے ہر ایک کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔ نیز یہ کہ کافی دنوں سے خودکش اور فدائی حملوں کی شرعی حیثیت معلوم کرنے سے متعلق جواب طلب مسئلہ آیا پڑا ہوا تھا جس پر قلم اُٹھانے کی ہمت مجھے شاید نہ ہوتی لیکن یہ سب کچھ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والی خودکش حملوں کی پیداوار اور اس کی بنیاد پر وجود میں آئے ہوئے ہیں۔ اِس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ فدائی حملوں کی شرعی حیثیت پر اظہار خیال کرنے سے پہلے بطور تمہید ان چاروں کی شرعی حیثیت جدا جدا بیان کروں اس حوالہ سے پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف امریکی قیادت میں بین الاقوامی اتحاد کا حصہ بنانے اور طالبان سے منہ پھیرنے کی شرعی حیثیت کا بحمدہ تعالیٰ تسلی بخش بیان گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے لیکن ابتک مختلف اداروں اور شخصیات کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات و شبہات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے تاکہ مسئلہ بے غبار ہو سکے۔ پاکستان کے مذکورہ فیصلے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ مذہبی جماعتوں اور سیاسی زعماء سے مشورہ کیے اور انہیں اعتماد میں لئے بغیر عجلت میں کیا گیا ہے ورنہ اگر سب کی مشترکہ مشاورت بلائی جاتی تو صورتحال کچھ اور ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض عوام کو بے وقوف بنانے یا ان کی آنکھوں پر پردہ

ڈالنے کے مترادف ہے ورنہ 18/11/2001، اسلام آباد میں اس نازک صورتِ حال پر مشترکہ میٹنگ نہیں تو اور کیا چیز بلائی گئی تھی؟ اگر ان حضرات کے پاس امریکہ جیسے متکبر عالم اور اس کے اتحادی فراعنہ کا سامنا کرنے۔ نیز سمتِ مشرق سے متوقع حملہ سے بچنے اور عالمی برادری میں تن تنہا بدنام ہونے کے سر پر منڈلانے والے خطرات سے باعزت طور سے بچنے کی کوئی قابل قبول تجویز ہوتی تو ان حضرات کو وہ پیش کرنا چاہیے تھا جس سے ملک وملت کا بول بالا ہوتا لیکن اُس وقت اِن کی خاموشی کس بات کی غماز تھی؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیصلہ کرنے سے قبل اسلامی ممالک سے مشورہ کرنا چاہیے تھا تاکہ وہ سب متحد ہو کر اس آفت کا مقابلہ کرتے، یہ اعتراض بھی طفل تسلی یا سوتیلی ماں کے خلاف بہانہ بازی کے مترادف ہے ورنہ ایک دو کے علاوہ نام نہاد اسلامی ممالک میں اتنی جرأت اور اسلامی حمیت کہاں سے آتی انہیں تو وقتِ سکون میں کبھی باہمی اتحاد ایک دوسرے کے دکھ درد میں جذبہ شرکت اور عالَم اسلام کا بول بالا کرنے کی فکر نصیب نہیں ہوتی تو اضطراب وتکلیف اور آفت کے نازل ہوتے وقت کیا وہ خاک متحد ہوں گے؟ وہ تو ان متکبرین کی جوتیوں کو سیدھی کرنے میں ہی اپنی عافیت اور اپنی ڈیڑھ اینٹ اقتدار کی بقاء سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے اصل اسباب بھی یہی نااہل سربراہانِ مملکت ہیں لہٰذا ان سے متحد ہو کر ان متکبرین کا مقابلہ کرنے کی اُمید رکھنا اونٹ سے دودھ کی اُمید رکھنے کے مترادف ہے۔

یہ اعتراض بھی اُٹھایا گیا ہے کہ اس سے اسلامی ملکوں کی نگاہ میں پاکستان کا وقار ختم ہوا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ہوائی فائرنگ کے مترادف ہے ورنہ بتایا جائے کہ وہ کون کون سے اسلامی ممالک ہیں جو ان عالمی متکبرین کا سامنا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں یا پاکستان کا حلیف بن کر دفاع اسلام کرنے میں عملی جہاد کا حصہ بننا چاہتے ہیں یا امریکہ کے کسی دشمن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی اخلاقی جرأت رکھتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے عوام کو دھوکہ دینے سے نہ قومی مسائل سلجھائے جاسکتے نہ اسلامی۔ یہ بھی کہا جاتا رہا کہ ملک کے اندر عوام امریکہ اور اس

کے اتحادیوں کے ساتھ جہاد کے لیے تیار تھی لیکن حکومت نے جہاد سے منع کر کے ظلم کیا ہے، یہ اعتراض بھی منفی پروپیگنڈا کے سوا اور کچھ نہیں ہے ورنہ بین البراعظمی میزائلوں اور جدید سائنسی فضائی حملوں کے مقابلہ میں نہتے عوام کو جہاد کے نام پر مروانے کی اجازت اسلام میں ہرگز نہیں ہے کوئی بھی دین دار اور ذمہ دار حکومت اپنے عوام کو ہلاکت کے ایسے غار میں کبھی نہیں دھکیل سکتی ورنہ جہالت، خیانت، جہاد کے نام پر حماقت اور عاقبت نااندیشی ہوگی جو شریعت کی نگاہ میں گناہ و معصیت اور ممنوع ہے۔ جہاں عوام و خواص کا ان متکبرین و فراعنہ کے مظالم کے خلاف جذبہ جہاد کا اظہار کرنا ہے تو یہ ان کے اندر موجود ایمان کی چنگاری کا مظہر ہے ضرور ہونا چاہئے کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جو اس جذبہ کی قدر نہیں کرے گا لیکن حکومت اپنی رعایا کے لیے بمنزلہ ماں باپ ہے جو اپنی اولاد کی تقدیر کے فیصلے محض اُن کے جذبات کے مطابق نہیں کرتے بلکہ پیش و پس دیکھ کر تقاضا عقل و دانش اور اسلامی اُصولوں کے مطابق کرنے کے پابند ہیں اگر بھیڑیے کے ہاتھوں ستائے ہوئے اہل محلّہ کے پانچ چھ سال عمر کے کچھ کمزور و ناتواں اور نہتے بچے اپنی ایمانداری و جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس ظالم سے نجات پانے کی غرض سے اُس کے ساتھ جہاد کے جذبات کا اظہار کریں تو یہ اُن کی جرأت و ایمانداری کی علامت اور قابل تعریف عمل ہوگا لیکن والدین ان نہتے معصوموں کو مکار بھیڑیے کے منہ کا لقمہ بننے کی اجازت دینے کی بجائے اُس ظالم سے نجات پانے کے لیے وقتی طور پر خود کو اُس سے بچا کر آئندہ کے لیے اُس سے نجات پانے کی مستقل تیاری کی انہیں تربیت دیں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس فیصلہ سے مجاہدین کی حوصلہ شکنی اور مسلم دشمنوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و دوستی کرنے کی بجائے کفار کے ساتھ ہمدردی و مودّت قائم کر کے غیر اسلامی حرکت کی گئی ہے۔ انصاف کی نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو یہ اعتراض بھی اعتراض برائے اعتراض ہی ہے ورنہ گزشتہ صفحات میں ہم شرعی دلائل کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہونے کی بناء پر حالتِ اضطرار اور حالتِ اختیار کے احکام جدا

جدا ہوتے ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کو نیویارک اور پینٹا گون میں نامعلوم ہاتھوں کے ذریعہ امریکہ کی ناک کٹ جانے کے بعد اُسامہ، طالبان اور امریکہ کے حوالے سے پاکستانی قیادت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ حالت مجبوری واضطرار کا فیصلہ تھا مجاہدین سے لے کر طبقہ علماء اور عوام سے لے کر طبقہ خواص تک سب پر اسلام کی جامعیت اور دونوں حالتوں میں اپنے ماننے والوں کی دستگیری و رہنمائی کرنے کی صلاحیت کو سمجھنے کے لیے ان دونوں حالتوں میں اس کے جدا جدا احکام وہدایات کو سمجھنا فرض ہے ورنہ ہر دونوں حالتوں پر ایک جیسے احکام لاگو کرنا دین اسلام کے لیے باعث بدنامی ونا کامی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا جس کی اجازت اسلام ہر گز نہیں دیتا لہٰذا جہاد جیسے عظیم فریضہ اسلام کے لیے کمر بستہ عظیم المرتبت مجاہدین کو چاہئے کہ عملی جہاد میں شامل ہونے سے قبل اسلام کے ان ضروری احکام کی تمیز کریں نیز یہ کہ یہود ونصاریٰ جیسے کفار کے شر سے بچنے کے لیے خاص کر موجودہ دور کے بڑے شیطان امریکہ اور اس کے اتحادی خصوصاً پوری مغربی دنیا پر محیط نیٹو اور یہود و ہنود کی طرف سے اسلام کے خلاف سازشوں کو سمجھیں اور عالمی سطح پر اسلام کے خلاف ہونے والے منفی پراپیگنڈہ سے بھی آگاہی حاصل کریں۔ اِس کے ساتھ ساتھ دشمن کے مقابلہ میں کام زیادہ، نام اور شہرت کم، کے اسلامی اُصولوں پر عمل کرتے ہوئے جوش سے زیادہ ہوش سے اور جذبہ سے زیادہ تجربہ سے کام لیں ورنہ گردوپیش حالات کا جائزہ لئے بغیر محض جذبہ کو بروئے کار لانے سے نقصان ہوسکتا ہے۔

دشمن کے منفی پروپیگنڈا کا موثر جواب دینے سے پہلے طاقت کے استعمال کرنے سے عالمی برادری کی نگاہ میں بدنامی وتنہائی کی شکل بھی بن سکتی ہے جس کی اجازت اسلام میں ہرگز نہیں ہے۔ جہاد کے حوالہ سے سیرت النبی ﷺ عالم اسلام کے تمام مجاہدین کو یہی سبق دیتی ہے کہ عملی جہاد سے قبل دشمن کی چال، اِستعداد اور عدد کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ازاں بعد دشمن کی طرف سے منفی پروپیگنڈا کا موثر جواب دینے اور اپنی طرف سے ہر اُس قول وعمل سے کلی طور پر اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے جو مسلمانوں کے لیے یا اسلام کے لیے بدنامی کا سبب بن سکے۔ ان تمام تمہیدات و

تیاریوں کے بعد عملی جہاد کا حکم ہے۔ سیرت طیبہ کے ان اُصولوں کی روشنی میں مجاہدین اسلام پر فرض ہے کہ وہ موجودہ اُفتاد سے دل برگشتہ ہونے کے بجائے عقل وفراست سے کام لیں اور سوچیں کہ مستشرقین یورپ وامریکہ اور پوری مغربی دنیا پر محیط نیٹو نے اپنے دم چھلوں (اسرائیل و بھارت) کے ہاتھ بٹائی سے جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کرنے میں کون سی کسر چھوڑی ہوئی ہے، مجاہدین کو دہشت گرد قرار دینے میں کون سا زاویہ باقی چھوڑا ہے جسے انہوں نے مختلف انداز بیان کے ساتھ عالمی میڈیا پر منتشر نہ کئے ہوں جسکے نتیجہ میں 80% غیر مسلم اقوام کے علاوہ کم از کم 50% برائے نام مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کا منفی اثر چھایا ہوا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ میڈیا کی طاقت سب سے زیادہ موثر ہے ورنہ ایک کروڑ کے سرمایہ سے فیکٹری لگانے والے ماہرین اقتصادیات اس کی ترویج وتشہیر کے لیے اس سے زیادہ لاگت صرف نہ کرتے جعلی پیر اور نمبر دو عامل ومشائخ اپنے اس گھناؤنے کاروبار کو ترویج دینے کے لیے میڈیا کا سہارا نہ لیتے۔

انسانی برادری واقوام کے ذہنوں اور عقیدوں کو منحرف کرنے میں میڈیا کے سحر کو دخل نہ ہوتا تو محض پروپیگنڈا کے ذریعہ کسی بھی جھوٹے بدمذہب کو اہل حق اور سچے مذہب والوں کے خلاف بدنامی پھیلانے اور نفرت دلانے کی مذموم کوششوں میں کبھی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ طالبان و امریکہ اور پاکستانی قیادت کے موقف سے افسردہ دل ہونے کے بجائے قابلِ قدر مجاہدین اسلام کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ جن کفار کے ساتھ وہ جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ کیا مجاہدینِ اسلام کو دہشت گرد قرار دینے کے لیے اقوام عالم کو بیوقوف بنانے اور اسلام میں حکم جہاد کے خلاف میڈیا کے ذریعہ ہونے والا عرصہ دراز سے جاری گمراہ کن پروپیگنڈا جو اسلام کی بدنامی مجاہدین کی ناکامی اور ملک کی تنہائی کا سبب بنا ہوا ہے کا توڑ یا انسداد کرنے کا کوئی معقول انتظام کہیں موجود ہے؟ جس سے اس ناکردہ گناہ کا ازالہ ہو سکے یا کم از کم مجاہدینِ اسلام اور ان کی پشت پناہی کرنے والی عوام کو ظلم کے خلاف تعاون یا تحریک حریت وآزادی میں ہاتھ بٹانے والا کہہ کر کوئی ریاست ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے کہیں موجود ہے؟

ظاہر ہے کہ ایسا شعور 50% مسلمانوں کے سوا باقی دنیا کے کسی بھی حصہ میں موجود نہیں ہے۔ان معروضی حالات کو پیش رکھتے ہوئے مجاہدین اسلام پر فرض بنتا ہے کہ وہ امریکہ جیسے فرعون وقت کو فتح کرنے، ہندوستان جیسے مکار کے لال قلعہ پر جھنڈا گاڑنے جیسے جذباتی نعروں سے دشمن کو بیدار کر کے اپنے لیے مشکلات کا سامان مہیا کرنے کے بجائے سنجیدگی اور معنویت اختیار کریں۔ فتح مکہ کے لیے نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے طرف سے کی جانے والی پوشیدہ تیاریوں اور منصوبہ بندیوں کو پیشِ نظر رکھ کر کامیابی کی راہیں تلاش کریں تا کہ ظلم واستکبار اور استحصال جیسے علاماتِ کفر کے خلاف اسلام کا یہ ضروری حکم مقتضائے حال کے مطابق جاری رہ سکے۔

مجاہدینِ اسلام کی معلومات کی غرض سے یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کے اندر جو احکام فرائض کے درجہ میں ہیں ان کے متعلقہ مسائل کا جاننا بھی فرض ہے اور جو واجب کے درجہ میں ہیں ان کے متعلقہ مسائل کا جاننا بھی واجب ہے۔اور جو احکام سنت یا مستحب کے درجہ میں ہوتے ہیں ان کے متعلقہ مسائل کو جاننا بھی بالترتیب سنت اور مستحب ہے۔لہٰذا فریضہ جہاد کی سعادت حاصل کرنے والے پاکباز سرفروشوں کو چاہئے کہ گردوپیش کا مکمل جائزہ لینے کے اسلامی حکم جو جہادی عمل کی کامیابی کے لیے فرائض کے قبیل سے ہے پر عمل کریں بالخصوص جہادی اداروں کے سربراہوں کو اس سلسلہ میں قدم بہ قدم اسلامی احکام اور سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے مقتضائے حال کا پورا خیال کرنا لازم ہے ورنہ ان کی ذرا سی غفلت، جلد بازی، گردوپیش سے بے علمی یا تجربہ کی بجائے جذبہ اور ہوش کی بجائے جوش سے کام لے کر بے موسم اور غلط قدم اُٹھانے کی وجہ سے اس مقدس مشن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے جس سے بچنے کے لیے ہر طرف خیال کرنا ضروری ہے۔عمل جہاد جزوایمان ہونے کی وجہ سے اس کی کامیابی کی طرف قدم بڑھانا فرض ہونے کے طرح ہی اس کی ناکامی کا سبب بننے والا ہر قول وعمل حرام ہے۔

ہماری اِس تحقیق کو جہاد اور مجاہدین کے فردِ اعلیٰ کے ساتھ مختص نہ سمجھا جائے بلکہ جہاد اور مجاہدین سے ہماری مراد عام ہے۔جو اسلامی جہاد کے فردِ ادنیٰ سے لے کر فردِ اعلیٰ تک سب کو یکساں

شامل ہے اور جہادی اداروں سے ہماری مراد الٰہیات کی وہ تعلیم گاہیں ہیں جن میں مذہبی عصبیت سے پاک ماحول میں علم وعمل کی تربیت دی جاتی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ہر میدان کے لیے رِجال کار تیار کیے جاتے ہیں جو عملی زندگی میں آنے کے بعد فرمانِ الٰہی "لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ"(۱) کے مقاصد کو زندگی کا معمول بنا لیتے ہیں اور تبلیغ وتدریس، تقریر وتحریر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے میدانوں کے مجاہد بنتے ہیں۔

مجاہدین کو کن اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے؟

مذکورہ اُمور کو ملحوظِ خاطر رکھنے کے علاوہ تمام جہادی اوران کے سربراہوں کو چاہیے کہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی بنا پر کسی کے وقتی فیصلہ کو اپنے پاکیزہ جذبات کے متضاد تصور کر کے افسردہ دل ہونے کے بجائے اپنے اس عظیم مشن کے انجام اوراس کی کامیابی کی راہوں پر نگاہ رکھتے ہوئے بلند ہمتی کے ساتھ نسلوں پر مشتمل طویل المیعاد تیاریوں میں خود کو مصروف رکھے کیوں کہ عالمی مستکبرین کے ہاتھوں استحصالی نظامہائے حیات کے منحوس سایہ تلے مظلومیت کی زندگی بسر کرنے والی زبوں حالی کے شکار مسلمانوں کو دوتین دہائیوں میں ان مظالم سے نجات دلانے کا ہدف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، طویل المیعاد مرض کا علاج ہمیشہ زیادہ وقت لیتا ہے۔

مجاہدینِ اسلام کی ان مسلسل کاوشوں کے نتیجہ میں اگر دوتین صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو ان ظالموں سے نجات نصیب ہو جائے، تب بھی آج کے مجاہدین اُس وقت کے فاتح مجاہدین کے برابر اجر وثواب کے مستحق ہوں گے کیوں کہ وہ فتح بھی اِن کی مسلسل جہادی جدوجہد کا ثمر ونتیجہ ہوگی اس سلسلہ میں ان حضرات کو چاہئے کہ سورۃ احزاب، آیت نمبر 21 پر بار بار غور کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"تمہاری کامیابی کے لیے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کار میں بہترین لائحہ عمل موجود ہے"۔

۱۔ التوبۃ:33۔

جب روئے زمین پر اللہ کے عظیم خلیفہ مافوق العادۃ کمالات اور بے مثل صلاحیتوں کے مالک اکمل البشر اعظم الکائنات ﷺ نے ظلم و استحصال کو مٹا کر مظلوموں کو نجات دلانے میں دو دہائیوں سے زیادہ عرصہ لگایا تو ہم جیسے ناتوانوں کو اس سلسلہ میں دو صدیوں سے زیادہ مدت کے لیے اس سنت پیغمبری کو جاری رکھنا کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوگا۔ اس عظیم پیغمبری ہدف کے حصول تک تسلسل کے ساتھ جہادی عمل کو آگے بڑھانے اور اگلی نسلوں کو کامیابی کے ساتھ منتقل کرنے کے لیے مشکل سے مشکل حالات کا مقابلہ کرنا پڑے گا ورنہ اگر دوہرے تصور اقتدار پر قائم ہونے والی غیر شرعی حکومتوں کے سربراہوں سے توقعات وابستہ کرنے کی روش اختیار کی گئی تو یہ مجاہدین کے لیے خود فریبی سے کم نہیں ہوگا۔ مذہب سے جدا سیاسی اقتدار پر مبنی ان برائے نام اسلامی حکومتوں کی موجودہ قیادتوں میں اگر عالم اسلام کی صحیح رہنمائی و قیادت کی صلاحیت ہوتی تو مسلم اُمت اس زوال و بیچارگی کا شکار کبھی نہ ہوتی چار درجن سے زیادہ ٹکڑوں میں تقسیم مسلم قومی حکومتوں کے یہی سربراہ جو عرصہ دراز سے مسلم اُمت پر مسلط ہیں، دراصل زوال اُمت اور مسلمانوں کی بیچارگی و پسماندگی کے بنیادی سبب بھی یہی ہیں۔ جس پر مُفصّل دلائل ہم اپنی دوسری تصنیف ''اسباب زوالِ اُمت اور اُن کا علاج'' میں بیان کر چکے ہیں جس سے آگاہی ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ ؎ اے باد صبا

این همه آوردهٔ توست

عالَم اسلام کی قیادت کے حوالہ سے ان معروضی حالات میں مجاہدین اسلام یا جہادی اداروں کا پاکستان کی 11 ستمبر 2001ء کے بعد افغانستان کے حوالہ سے خارجہ پالیسی کے فیصلہ سے افسردہ دل ہو کر حوصلہ ہارنا اُن کی کوتاہ بینی، گردوپیش سے بے خبری اور عرصہ دراز سے مسلم اُمت پر مسلط مغرب زدہ قیادت کی غیر اسلامی روش سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ مجاہدین اور ان کی قیادت کرنے والے حضرات اس قسم غفلت میں رہتے ہوئے محض جذبہ اسلامی کو ہی جہاد کے اس عظیم مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں تو یہ ان کی بھول ہے۔ وقتی جذبہ یا خود فریبی ہے جو وقت کے گزرنے کے ساتھ قصہ پارینہ ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ سراب کو پانی سمجھنے والوں کا انجام اِس

کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جہاد کے عظیم مرتبہ پر فائز المرام ہونے کے لیے جملہ مجاہدین اوران کے تمام قائدین کو مذکورہ عظمتوں کے حامل ہونے کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہرقسم مذہبی تعصب، فرقہ واریت اور فقہی وفروعی اختلاف رکھنے والوں کے خیالات سے خود کو بچاتے ہوئے محض اسلام کی سربلندی، مستکبرین عالم کی سرکوبی اور ظالمانہ استحصالی نظام ہائے حیات کے منحوس سایہ تلے پروان چڑھنے والے مظالم کی بیخ کنی کرکے انسانیت کو آرام وسکون کی زندگی دینے کی خالص نیت ان کے پیش نظر رہے۔ ورنہ اپنے مخصوص فقہ کے سوا باقی سب کو گردن زدنی کے قابل سمجھنے والے متعصب قیادت کے پروردہ افراد مجاہدین کہلانے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ایسوں کا حشر محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے مجاہدین سے مختلف نہیں ہوگا جنہیں مٹا کر 1233ھ میں ترکوں نے حرمین شریفین کو آزادی دلائی تھی۔ (برائے حوالہ، فتاوی شامیہ، ج3، ص339)۔

مجاہدین کو یقین کرنا چاہیے کہ یہود ونصاریٰ اور اُن کے حمایت یافتہ کفار مسلمانوں کے کسی مخصوص گروہ کے دشمن نہیں ہیں بلکہ وہ تو اصل اسلام اور سب مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں، سب کو مجاہد کہہ کر دہشت گرد گردانتے ہیں اور سب ہی کو محکوم بنا کر قعر ذلت میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ ان کی نگاہ غضب میں شیعہ وسنی، اہل دیوبند و بریلوی اور اہل تقلید واہل حدیث کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ وہ محض اس وجہ سے ان سب کو ذلیل وخوار اور محکوم ومقہور دیکھنا چاہتے ہیں کہ اِن سب کا قرآن پر ایمان ہے، اللہ پر یقین اور محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت ورسالت پر فخر ہے۔ جہاد پر یقین ہے اور جہاد کو قرآن واسلام کا محافظ سمجھتے ہیں۔ جب تک مجاہدین اور ان کی قیادتیں کفار کے اِس نکتۂ عداوت کو نہیں سمجھتے اُس وقت تک ان کا قبلہ درست نہیں ہوگا۔ تنگ نظری وکوتاہ بینی کے خول سے نکل کر اسلام کی وسعتوں کے سیاح نہیں ہوسکیں گے اور سمت مستقیم پر روانگی انہیں نصیب نہیں ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اپنے مخصوص فقہی نظریہ کو ہی اصل اسلام تصور کرکے دیگر مکاتب فکر کو مٹانے کی تدبیریں کرنے والے خود مٹتے رہے ہیں۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو آباد کرنے کی خاطر دوسروں کی مساجد کو ڈھانے والے، دیگر مذاہب اہل اسلام کے خلاف زبانی، قلمی اور مسلح جدوجہد کرنے کو

افضل جہاد قرار دے کر عصبیت وفرقہ واریت کی آگ سلگانے والوں کا انجام ہمیشہ خراب وتراب ہوتا رہا ہے۔

دولتِ شام (خلافت بنواُمیہ) اور دولتِ عراق یعنی (خلافت بنوعباسیہ) کے زوال کے اسباب جو تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں کو دیکھ کر ہر صاحب بصیرت انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دیگر وجوہات کے علاوہ ان کے زوال اور نشان عبرت بننے کی راہ میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ دین اسلام کو اپنی من پسند کا تابع بنا کر اپنی تمام تر توانائیوں کو اپنے نظریاتی مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنے کے ساتھ ان کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے کو جہاد سمجھتے تھے ورنہ اس وقت کے مطابق عظیم افرادی و عسکری طاقت کے حامل مسلمانوں کے ہوتے ہوئے بنوعباسیہ کا آخری بادشاہ مستعصم باللہ تاتاریوں کے ہاتھوں 656ھ میں بے یار ومددگار اور بیکسی کے عالم میں ہرگز قتل نہ کیا جاتا، بغداد کو تاراج نہ کیا جاتا، اسلامی شعائر کو نہ مٹایا جاتا۔

مجاہدینِ اسلام کو مذکورہ غیر اسلامی حرکات سے کلی اجتناب کرنے کے ساتھ جس قسم جہاد میں وہ مصروف عمل ہوں اس کے متعلقہ اسلامی احکام کو جاننا بھی لازم ہے۔ کیوں کہ اسلامی تعلیمات میں جہاد کی متعدد قسمیں ہیں اور ہر قسم کے احکام بھی تقریباً مختلف ہیں جن کو سمجھے اور ان پر عمل کیے بغیر محض جذبہ جہاد سے مغلوب ہونے سے شریعت کا منشا پورا نہیں ہوسکتا۔ 11 ستمبر 2001ء کو نامعلوم ہاتھوں سے امریکہ کی ناک کٹ جانے کے بعد اُسامہ وامریکہ اور طالبان و پاکستان کے حوالہ سے اگر مجاہدین پاکستانی قیادت کی طرف سے اضطرار کی حالت کے فیصلہ کو ناجائز تصور کرتے ہیں تو اِس بنیاد پر جہادی عمل سے افسردگی ظاہر کرنے کی بجائے اُنہیں چاہیے کہ اپنے اندر خوداعتمادی پیدا کریں کیوں کہ جہاد کا عمل کسی کے صحیح یا غلط فیصلہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ وہ تو فرض کفائی کے طور پر ایک مستقل اور قیامت تک جاری رہنے والا عمل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

”وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِي اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ

لَا یُبطِلُهٗ جُورُ جَائِرٍ وَلَا عَدلُ عَادِلٍ "(۱)

یعنی میری بعثت سے لے کر اُمت مسلمہ کے آخری لوگوں کے ہاتھوں دجال کے قتل ہونے تک جہاد کے عمل کو تقاضا حال کے مطابق جاری سمجھا جائے۔ جس کی فرضیت کسی ظالم کے ظلم سے ختم ہو سکتی ہے نہ کسی عدل والے کے عدل سے۔

یہ حدیث اپنے ظاہری الفاظ کے مطابق اگر چہ جملہ خبریہ ہے لیکن اس کے عموم واستغراق کی صداقت کے لیے ضروری ہے کہ باعتبار معنی اسے جملہ انشائیہ پر محمول کر کے فرضیت جہاد سے متعلق اُمتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے عین مطابق حقیقت جہاد کی فی الجملہ فرضیت باعتبارِ انواع واقسام مراد لی جائے ورنہ دُنیا کے معروضی حالات کے مطابق ہونا اس کا ممکن نہ ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا:

"مَنْ عَلِمَ الرَّمیَ ثُمَّ تَرَکَہٗ فَلَیسَ مِنَّا"(۲)

یعنی جس نے جہاد کی تربیت حاصل کرنے کے بعد مقتضاء حال کے مطابق اس پر عمل نہیں کیا تو وہ ہمارے اسلام کا حصہ نہیں ہے۔

ان احادیثِ طیبہ کے مطابق جہاں جہاد کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے وہاں اس کی فرضیت کا کسی کے صحیح یا غلط فیصلوں سے آزاد اور مستقل حکم ہونے کی بھی تصریح معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا مجاہدین اسلام کو سطحی ذہن یا جذباتی کیفیت کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی بجائے عالمی سطح پر نمودار ہونیوالے حالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی احکام کے عین مطابق اپنا یہ مقدس مشن "لَا یَخَافُونَ لَومَةَ لَائِم" کا نمونہ بن کر جاری وساری رکھنا چاہیے اور ہر اس حرکت سے اجتناب کرنا چاہیے جس میں اسلام یا مسلمانوں کے لیے بدنامی یا بدنمائی کا سبب یا جہادی عمل میں رکاوٹ کا سامان بننے کا اندیشہ ہو۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف، ص: 336۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف، ص: 336۔

جہاد سے متعلق کلام کا سلسلہ کافی لمبا ہو گیا۔ میرا اصل مقصد اُسامہ وامریکہ اور طالبان و پاکستان کے جدا جدا موقف کو شریعت کے ترازو میں پیش کرنے کے بعد مجاہدین کی طرف سے فدائی حملوں کی شرعی حیثیت کا تعین کرنا تھا۔ اِس سلسلہ میں 11 ستمبر 2001ء کو نامعلوم ہاتھوں کسی پر اسرار جرم کے پاداش میں نیویارک و پینٹا گون کے اندر دہشت گردی کے انوکھے انداز میں امریکہ کی ناک کٹ جانے کے بعد بغیر معقول ثبوت کے اس کی تمام تر ذمہ داری اُسامہ بن لادن اور طالبان پر ڈال کران پر چڑھائی کرنا امریکہ کی تاریخ میں کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کیوں کہ امریکہ بہادر ہر اُس ریاست وسیاست اور تہذیب وثقافت کو تقریباً دوصدیوں سے اسی طرح کچلتا آرہا ہے جو اُس کے مفادات وخواہشات کے منافی ہو۔ اسلام کے ساتھ مخلص مگر عالمی سیاست کے نشیب وفراز سے نابلد طالبان کے اسلامی انداز انتظام، وسطی ایشیائی ممالک کے قدرتی ذرائع و معدنیات کو حسب منشا کنٹرول کرنے کی راہ میں رکاوٹ اور افغانستان کے جغرافیائی محل وقوع کی اہمیت کو نظر انداز کرنا تو ویسے بھی اُس کے مزاج سے بعید تھا۔

لیکن 11 ستمبر 2001ء کو نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں ذِلت اُٹھانے کے بعد اُسے تیار بہانہ ہاتھ آ گیا۔ ایک عرب نژاد مسلمان (اُسامہ بن لادن) کو بلا عدالتی ثبوتِ جرم موردِ الزام ٹھہرا کر خود ہی فریق خود ہی قاضی کا مصداق بن کر محض اس بنا پر اس جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا کہ بوسنیا سے لے کر چیچنیا اور فلسطین سے لے کر کشمیر تک مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور حرمین شریفین کے تقدس کے منافی حرکات کی پشت پر امریکی ہاتھ کی نشان دہی کرنے میں وہ بیباک تھا، باغیرت وباحمیت تھا اور جذباتی حد تک مخلص تھا۔ امریکہ کے کھانے کے دانت دکھانے کے دانت سے جدا کر رہا تھا۔ اس ظالم کے ہاتھوں استحصال سے بچنے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو بیدار کر رہا تھا اور اس عالمی بدمعاش ومستکبر کے سیاسی واقتصادی مفادات کی راہ میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ طالبان قیادت کی سادہ لوحی، عالمی سیاست سے بے بصیرتی، حد سے زیادہ خشکی، اسلام کی وسعت نظری سے بے خبری، عالمی اُفق پر تیزی سے بدلنے والے

ناموافق حالات سے نمٹنے کے لیے سیرت طیبہ کے مکی حصہ سے رہنمائی لینے کی صلاحیت سے عاجزی و ناتوانی، صدیوں پر محیط عرصہ سے جاری دگرگوں غیر اسلامی معاشرہ میں یک لخت اسلامی قوانین و احکام کا نفاذ اور اِس میں ضرورت سے زیادہ سختی، اسلامی قوانین و احکام کی خوبیوں کی تشہیر کے لیے موثر میڈیا کا فقدان، امریکہ ویورپ کی طرف سے میڈیا کے ذریعہ اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کا عروج، امریکہ کی طویل المیعاد سازش و مکاری سے بے علمی کے علاوہ ہمسایہ ملک پاکستان میں موجود اسلحہ بردار تنظیموں اور مذہبی قیادتوں کی طرف سے غلط ترغیبات و رہنمائی یہ سب کچھ مل کر جلتی پر تیل کا عمل کیا۔

اِس کے برعکس افغانستان میں روس کی شکست اور ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد خود افغانیوں کی باہمی رقابت اور ہوس اقتدار کے نتیجہ میں پورے افغانستان کے طول وعرض میں لگی ہوئی خانہ جنگی کی سلگتی ہوئی آگ کو بجھانے اور ملک میں امن قائم کر کے خلق خدا کو اِس طویل خانہ جنگی سے نجات دلانے کی پاکیزہ نیت وعزم لے کر ملا محمد عمر کی قیادت میں اٹھنے والے طالبان نے جو قلیل عرصہ میں ملک کے 90% حصوں پر اپنی حکومت قائم کر کے امنیت کا عملی مظاہرہ کیا تھا، ملک کو ناجائز اسلحہ سے پاک کر کے خونخوار فسادیوں سے عوام کو نجات دلائی تھی اور اسلامی حکومت کے فلسفۂ امنیت کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کا سامان تیار کیا تھا۔ اپنی اِس نیک نیتی، اخلاص عمل اور روزمرہ زندگی میں غیر ضروری تکلفات سے بے نیاز اسلامی طرز معاشرت کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اگر اسلام کے ساتھ محض جذباتی وابستگی کی بجائے وسعت نظر، قوت برداشت اور دور اندیشی کے حوالہ سے مزاج اسلام کو سمجھ کر اُس پر عمل کرتے، موجودہ وسیع دنیا جسے سائنس وٹیکنالوجی نے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً سمیٹ کر ایک محلّہ کی طرح قریب تر بنا دیا ہے، کو آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل کے پراگندہ، ایک دوسرے سے بعید و بے خبر اقوام و جہاں پر قیاس نہ کرتے، سیرت طیبہ کے محض مدنی حصہ کے واقعات کا حوالہ دے کر اُسوہ حسنہ کی بعد الہجرت اور مکی ہدایات سے سبق حاصل کرنے سے صَرف نظر نہ کرتے، مولوی عبدالعلی دیوبندی جیسے متعصب، تنگ نظر، توحید کلمۃ الاسلام کی

اہمیت سے غافل شخصیات کو محکمہ امر بالمعروف کا سربراہ بنا کر اُن کی زبان سے کابل ریڈیو شریعت کے ذریعہ اہلحدیث، اہل تشیع، سلفی اور بریلوی مسلمانوں کی تکفیر کرنے جیسی دل آزاریوں کا ارتکاب کرنے کی بجائے اگر توحید کلمہ کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ، اسلام شناس حضرات کے ذریعہ ''ریڈیو شریعت کابل'' کو کُل مکاتب فکر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لیے استعمال کرتے، کثیر المملکی حضرات کو جن میں شریف النفس مخلصین اسلام کے علاوہ جرائم پیشہ بدنام دہشت گرد فسادی بھی شامل تھے عسکری تربیت گاہیں فراہم کر کے اُن ملکوں کے لیے مسائل پیدا کرنے کو اسلام کی خدمت اور جہاد کا نام دینے کی بجائے اسلام کے پیغام امن کو اپنے مقبوضہ علاقوں میں قائم کرنے کی طرح ہی اگر دوسرے ممالک کے لیے بھی اس کا عملی ثبوت فراہم کر کے اقوام عالم کو اسلام کے مذہب امن ہونے کی عملی تبلیغ فراہم کرتے تو شاید اُسامہ کی آڑ میں امریکہ کو طالبان اور اسلام کو دہشت گرد متعارف کرا کر اقوام عالم کی نگاہ میں بدنام کرنے کی ناپاک سازش میں اتنی کامیابی نصیب نہ ہوتی جو طالبان کی طرف سے اِن غلطیوں کے ارتکاب کرنے کی صورت میں حاصل ہوئی ہے۔ خود کو عقل کُل سمجھنے کی بجائے اگر انقلاب اسلامی ایران کی تقلید کرتے اور ایران کی اسلامی قیادت کی کامیاب انسدادی حکمت عملی اور تجربہ سے سبق حاصل کرتے تو شاید بین الاقوامی برادری میں اس طرح تنہا نہ رہتے اور امریکہ کو اس کی ناپاک سازش میں کامیاب ہونے کا سامان مہیا نہ کرتے۔

اب جبکہ طالبان کی اسلامی حکومت تاریخ کا حصہ بن چکی اور افغانیوں کی باہمی لڑائی اور خونریزی قصۂ پارینہ بن چکی ہے لیکن طالبان کے جذبہ صادق، اسلام کے ساتھ جذباتی لگاؤ اور ان کے بغیر افغانستان میں آئندہ وجود میں آنے والی امریکہ کی کٹھ پتلی حکومتوں کے عدم استحکام اور سابق جہادی کمانڈروں کی باہمی رقابتیں یہ سب کچھ ایسے عوامل ہیں جن کے پیش نظر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ افغانستان پر طالبان کا اقتدار ختم ہونے سے اُن کی تحریک اور ان کا نصب العین ختم نہیں ہوا بلکہ یہ تحریک اس سے قبل اسی خطے میں محدود تھی جبکہ امریکہ نے پینٹاگون و نیویارک میں

11 ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد اپنے آپ سے نکل کر محض طاقت کے بل بوتے پر اس کا اقتدار ختم کر کے انجانے میں اسے عالمی و لامحدود بنا دیا اور اسے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی عالمی تحریکوں میں شامل ہونے کا موقع دینے کے ساتھ ساتھ مذکورہ غلطیوں کا ازالہ کر کے دوراندیشی پر مبنی طویل المیعاد تحریک ترتیب دینے کے ساتھ کئی اُسامہ و ملا عمر پیدا کرنے کا سامان بنا دیا۔ طاقت کے نشہ میں بدمست امریکی قیادت کو یہ عقل کہاں کہ ظلم کے ردعمل کی چنگاری آنکھوں سے تو اوجھل ہوسکتی ہے لیکن ختم نہیں ہوسکتی۔ اسے اتنا سوچنا بھی نصیب نہیں ہے کہ طالبان تحریک کا وجود میں آنے کا اصل سبب دنیا پرست افغانی کمانڈروں کی نفس پرستی و خانہ جنگی اور خونریزی جیسے مظالم تھے۔

اگر پندرہ سال قبل روس کی شکست و تحلیل کے بعد افغانستان میں امنیت قائم ہوتی، عوام کو ان کے بنیادی حقوق ملتے اور جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ نصیب ہوتا تو اُسامہ ہوتا نہ ملا عمر، طالبان ہوتے نہ ان کی تحریک۔ طاقت کے نشہ میں چُور امریکی قیادت کو عقل ہوتی یا کم از کم اقوام عالم میں امن قائم کرنے کی ٹھیکیداری کے دعویٰ میں سچائی ہوتی تو برائی کا برائی سے اور ظلم کا خاتمہ ظلم سے کرنے کی ناکام کوشش کی بجائے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سمیت ان کی سیاسی و اقتصادی ناکہ بندی کرنے کی ظالمانہ پالیسیوں پر نظر ثانی کرتی، دوہرے معیار اور اپنے مخصوص مفادات کے لالچ کو چھوڑ کر سب کے لیے یکساں داعیٔ امن ہوتی تو پھر دنیا کی 50% ترقی پذیرو مظلوم اقوام میں اس کا کوئی دشمن ہوتا نہ اس کی تباہی و بربادی پر خوشی کے مارے مٹھائی تقسیم کرنے والا، نہ اس کی ناک کاٹی جاتی نہ دونوں کان، بہرحال افغانستان پر طالبان کے پانچ سالہ دورِ اقتدار کا امریکہ کے ہاتھوں ختم ہونا بظاہر اگرچہ امریکہ کے لیے اس کے ہم خیال و ہم مشرب کوتاہ بین اتحادیوں کی طرف سے ہدیہ تبریک ہے لیکن درحقیقت امریکہ کی تباہی کا نکتہ آغاز ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ افغانستان پر طالبان کے اقتدار کی تحلیل سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے عالمی سطح پر جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کے کاز کو بھی ناقابل اندمال زخم لگا ہے لیکن اس کے باوجود امریکی مظالم کے خلاف طالبان تحریک کبھی ختم ہوگی نہ دیگر تحریک ہائے آزادی مسلم۔ یہ الگ

بات ہے کہ طالبان کے پانچ سالہ دورِ اقتدار میں ان کی مذکورہ غلطیوں کی وجہ سے اِن تحریکوں کو پہنچنے والا دھچکا طالبان حکومت کے زوال سے بھی زیادہ موثر و دیرپا ہے کیوں کہ فتح وشکست تو دنیا میں سب پر آتے رہتے ہیں لیکن طالبان کی مذکورہ غلطیوں کی وجہ سے عالمی برادری میں بالخصوص یورپی و مغربی دنیا کی نگاہ میں مسلمانوں کی شہرت جو بطور دہشت گرد، تعلیم نسواں، اقتصادی ترقی اور مذہبی آزادی کے مخالف ہونے کے ساتھ متعصب و تنگ نظر ہونے پر ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں نہ صرف مستقبل قریب میں بلکہ دور دور تک اسلام کی بدنامی کی جائے گی۔ وسیع النظر، اسلام کے مزاج شناس اور مثبت کردار کے حامل مسلمانوں پر بھی دہشت گرد ہونے کی بدگمانی کی جائے گی۔ اس طرح سے یورپ و امریکہ میں جس تیزی کے ساتھ اسلام کا نور پھیل رہا تھا اور نفس امارہ و خواہشات نفس کے قید و بند سے تنگ آمدہ اور اطمینان قلب کے متلاشی عوام کا اسلام لانے کے بعد اسلام کی دعوتِ امن و سکون کو دوسروں تک پہنچا کر کفر کے ان مراکز میں دعوت اسلام کو پھیلانے کی جو اُمید پیدا ہو رہی تھی وہ وقتی طور پر کافی کمزور ہو گئی۔

اِن تمام تر خرابیوں کے باوجود طاقت کے نشہ میں چُور بدمست ہاتھی کی طرح مغرور امریکہ کے سامنے ڈٹ کر اُسامہ ابن لادن و طالبان نے امام خمینی کی تقلید کرتے ہوئے مسلمانوں کو طاغوت کے سامنے نہ جھکنے نہ بکنے بلکہ عزت سے رہنے اور عزت سے شہادت کی موت مرنے کا سبق سکھایا، جس کے نتیجے میں اسلام کے نام پر ہزاروں فداکار پیدا ہو سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مستقبل کی منصوبہ بندی اسلام کے مزاج و ہدایات کے مطابق کی جائے اور طالبان کی مذکورہ غلطیوں کا تجربہ آئندہ نہ دہرایا جائے۔ بین الاقوامی برادری میں اسلام یا مسلمانوں کی بدنامی کے سبب بننے والے جملہ حرکات سے کلی اجتناب کیا جائے اور اسلامی فداکاروں کے ایمانی جذبات و شوق شہادت کو بے موسم یا بے محل اور بغیر تدبیر کے صَرف کرنے سے مکمل توقف کیا جائے۔ دشمن کی حربی صلاحیت اور جدید اسلحہ کا مؤثر جواب دینے کے لیے جب تک اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی مکمل تیاری و صلاحیت پیدا نہیں کی جاتی اس وقت تک مسلح تصادم کا سبب بننے والے ہر اقدام

سے پرہیز کیا جائے اور جذبات کی بجائے سابقہ تجربات سے، جوش کی بجائے ہوش سے زیادہ کام لے کر طویل المیعاد منصوبہ بندی کے تحت کام کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم مقصد کی تکمیل بغیر صاحب بصیرت و مخلص اور صالح قیادت کے ممکن نہیں ہے، جس کا وجود موجودہ حالات میں کہیں بھی نظر نہیں آرہا لیکن اس عظیم ذات کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

موجودہ برائے نام اسلامی ممالک کے نفس پرست سربراہوں سے مکمل نا اُمیدی ہے لیکن اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی ہرگز نہیں ہے، وہ ضرور کرم فرمائے گا۔ شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ''(۱) یعنی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی ستائی ہوئی پسماندہ قوم کی مظلومیت و پسماندگی دور نہیں فرمائے گا جب تک وہ خود اس کے لیے سعی نہ کریں''۔ کے عین مطابق کلمہ توحید کی پابندی کرنے کی طرح ہی توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کی صفت کے ساتھ مسلسل جدوجہد کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ انجام کار کامیابی کے لیے اِس لائحہ عمل کے واضح نتیجہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

''وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ''(۲)

یعنی سچے مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔

سچے مومن بغیر اس کے ہرگز نہیں ہو سکتے کہ انفرادی زندگی میں کلمہ توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی میں توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر بھی عملی ایمان کا مظاہرہ کریں جس کے بغیر محض نماز روزہ وغیرہ چند مخصوص عبادات و رسوم کو ادا کر کے خدا کے ساتھ دوستی، قرب خداوندی اور نصرت الٰہی کے مستحق ہونے کے گھمنڈ میں مبتلا ہونا خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

؎ ایں خیال است و محال است و جنون

۱۔ الرعد: 11۔

۲۔ الروم: 47۔

عادتِ الٰہی کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ کی کریمانہ عادت ہے کہ جب مستکبرین کے ہاتھوں پسے ہوئے مظلوم طبقوں پر ظلم کی انتہا ہوتی ہے تو وہ "مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِب" یعنی انسانوں کے وہم وگمان سے بالاتر غیبی انتظام فرماتا ہے۔ جیسا کہ قبطیوں اور فراعنہ مصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے، طاقت کے نشہ میں بدمست فرعون اپنے مقابلہ میں سب کو ہیچ سمجھ رہا تھا اور خود کو ناقابلِ شکست سپر پاور تصور کر کے سب کا رب اعلیٰ اور سب سے بالا ہونے کا اِعلان کر رہا تھا عین انہی ایام میں رب کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ نے اُسی کے گھر کے پلے ہوئے دستِ غیب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اس کی سرکوبی کے لیے اُٹھایا۔

زمانہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل صدیوں پر محیط عرصہ دراز تک کرہ ارض کے چاروں طرف پھیلے ہوئے شاہان روم وفارس اور طواغیت کی شکل میں انسان نما شیطانوں کے ہاتھوں جب ظلم کی انتہا ہورہی تھی تب اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اُن ظالموں کو نشانِ عبرت بنادیا۔ ماضی بعید کے صفحات میں یہ بھی ہے کہ جب مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر ظالم تثلیث پرستوں نے عرصہ حیات تنگ کیا تو اسی خطہ میں سے ان کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے دستِ غیب صلاح الدین ایوبی کو اُٹھا کر انہیں نشان عبرت بنادیا۔ اور اُن ہی تاریخوں کے ساتھ متصل ادوار میں جب صحرائے گوبی کے درندہ صفت منگول قبائلیوں (تاتاریوں) کے خونخوار سردار چنگیز خان، مشرق وسطیٰ سے لے کر کاشغر تک مدمقابل آنے والے تمام چھوٹی بڑی سلطنتوں کے سربراہوں کو شکست دے کر عسکری طاقت کے بل بوتے پر جائز وناجائز اور ظالم ومظلوم کی تمیز کیے بغیر انسانیت کا خون بہا رہا تھا، جس کی عسکری برتری کے سامنے صاحبان ریاست سرنگوں ہورہے تھے، ان کے ہاتھوں دنیا کی مظلوم و کمزور قوموں خصوصاً مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہورہی تھی تب قدرت نے دستِ غیب سلطان جلال الدین کی صورت میں ظاہر فرمایا جس نے وقت کے اُن فراعنہ کو لگام دے کر خلقِ خدا کو بچایا۔

جس کے متعلق مشہور مؤرخ حافظ شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے:

"لَوْ لَاہُ لَدَا سُوا الدُّنیا"

یعنی اگر سلطان جلال الدین نہ ہوتے تو ظالم تاتاری پوری دنیا کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے۔

اِسی طرح ماضی قریب میں آج سے چند سال قبل مستکبر عالم (امریکہ) معدوم شاہ ایران کو آلہ کار بنا کر اس کے ذریعہ خلیج فارس سے لے کر خراسان تک پورے خطہ کے مستضعفین خصوصاً مسلمانوں کا استحصال کر رہا تھا، اسلامی ثقافت وتہذیب کا جنازہ نکال رہا تھا اور شعائر اللہ کو پامال کر رہا تھا تو قدرت نے شیعہ سنی محاذ آزادی کے رہبر امام خمینی کو اس کی سرکوبی کر کے نشانِ عبرت بنانے کے لیے ظاہر فرمایا۔ آج سے چند سال قبل امریکہ نے اپنے واحد حریف سابق سویت یونین کے خلاف افغانستان میں اپنے ہی خفیہ ادارے کے جس بااعتماد شخصیت کو مامور کر کے اس کے ذریعہ سویت یونین کے حصے بخرے کرائے تھے اس کے متعلق کون کہہ سکتا تھا کہ وہی اُسامہ بن لادن امریکہ کا دشمن بن جائے گا اور اسی کے ہاتھوں امریکہ کی تباہی کا نکتہ آغاز ہو جائے گا لیکن **مقلب القلوب و الابصار** جَلَّ جَلَالُہٗ کے دستِ قدرت نے یہ سب کچھ ممکن بنا دیا۔ اسی طرح ممکن ہے کہ پوری دنیا میں واحد حکمران بننے کے خواب دیکھنے والے اس شیطان بزرگ کے تمام مظالم و استکبار اور زیادتیوں کو خاک میں ملا کر اسے نشان عبرت بنانے کے لیے اسی کے اندر سے اللہ تعالیٰ کوئی دست غیب پیدا فرما دے۔

"وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ"(۱)

یعنی ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

میں آج بتاریخ 28/12/2001ء کو رات 9 منٹ کم بارہ بجے یہ سطور سپرد قلم کرتے ہوئے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے بالیقین پیشن گوئی کر رہا ہوں کہ آئندہ چند عشروں میں ہی

۱۔ ابراھیم:20۔

موجودہ دنیا کی اس واحد سپر طاقت (امریکہ) کی تباہی اور اس کے حصے بخرے ہونے والے ہیں۔ اللہ کا دستِ غیب مظہر قہاریت بن کر کسی بھی شکل میں اس کے استکبار و غرور کو خاک میں ملانے والا ہے۔ وہ اپنے تمام تر غرور و تکبر، خرمستیوں، دھوکہ بازیوں اور اپنے نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل سے حرمان نصیبیوں سمیت قصہ پارینہ بننے والا ہے۔ میں اس غدار جہاں کے مستقبل کے بارے میں یہ جو کچھ لکھ رہا ہوں اس کے ایسا ہونے پر مجھے ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے ہاتھوں "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى"(۱) کہنے والے کی ہلاکت کا دنیا کو یقین ہوا ہے۔ نبی آخر الزمان رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بت پرستی، عریانی، فحاشی، بے حیائی اور ظلم و بربریت کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گری ہوئی دنیا کے اندر عدل و انصاف کے آغاز ہونے کا یقین ہوا ہے۔ مجھے اپنی اس بصیرت پر ایسا ہی یقین ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں تثلیث پرست و آتش پرست قیصر و کسریٰ کی ظالم سلطنتوں کی تباہی و زوال پر سب کو یقین ہوا ہے یا صلاح الدین ایوبی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ کے ہاتھوں صلیب پرست فرنگیوں کی شکست پر یقین ہوا ہے اور سلطان جلال الدین کے ہاتھوں تاتاریوں کے ظلم و بربریت کو روکنے کا یقین ہوا ہے۔ ایران کے امام خمینی کے ہاتھوں امریکہ سمیت اس کے آلہ کار معدوم شاہ ایران کی شکست کا یقین ہوا ہے اور 11 ستمبر 2001ء کو نیو یارک امریکہ میں اس گرگ جہاں کی اقتصادی برتری کی نشانی دو جڑواں فلک بوس اور تاریخی عمارتوں کا کسی کے ہاتھوں تباہ ہونے کا یقین ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان تمام واقعات کے ساتھ جو یقین سب کو حاصل ہے وہ اِسلئے ہے کہ یہ سب امر واقع، قابل مشاہدہ اور ثابت بالتواتر ہیں لیکن امریکہ کے مستقبل سے متعلق میں جس یقین کا اظہار کر رہا ہوں یہ میرے وجدان و بصیرت اور سنت اللہ پر ایمان بالغیب کا نتیجہ ہے۔ اس کے باوجود تمام مسلمانوں کی شرعی مسؤلیت ہے کہ وہ اس غاصب جہاں کے پنجہ استبداد سے آزادی حاصل کرنے کے لیے حکمتِ عملی کے تحت مسلسل جدو جہد جاری رکھیں تا کہ مظلوم مسلمانوں کو بالخصوص اور اس کے ہاتھوں ستائی ہوئی دیگر اقوام کو بالعموم نجات میسر

۱۔ النازعات:24۔

آجائے، خاص کر طالبانِ افغانستان جنہوں نے اس دشمن اسلام کی عداوت میں اپنی حکومت ک
قربانی دی، کو چاہیے کہ وہ دشمن کی نگاہ سے اوجھل ہو جانے کے بعد اپنی سابقہ غلطیوں کو دُہرائے بغ
پہلے سے زیادہ موثر طریقے سے جدوجہد کریں اور ہر اُس اِقدام سے اجتناب کریں جس سے اسلا
کی اور اُمتِ مسلمہ کی بدنامی کا امکان ہو اور اسلحہ اُٹھانے سے زیادہ توجہ اصلاحِ احوال پر دیں۔ او
مسلم خطہ کی آزادی کے لیے فرضیت جہاد کو مسلح تصادم میں منحصر سمجھنے کی غلطی نہ کریں بلکہ اُسوۂ حسن
سید الانام ﷺ کے مطابق اسلامی جہاد کی دوسری اقسام پر بھی عمل کریں جو اسلحہ برداری سے زیاد
موثر ہیں اور سمجھیں کہ چند امریکی کو مار کر کشیدگی بڑھانے سے بہتر جہاد یہ ہے کہ خطہ کے جملہ عوام و
خواص کو دشمن کے خلاف بیدار کیا جائے۔ عالمی میڈیا کو آگاہ کیا جائے اور خارجہ و داخلہ پالیسیوں کو
اِس طرح ترتیب دیا جائے کہ دشمن معیشت سے لے کر سیاست تک عالمی برادری میں بدنام ہو
جائے، تنہا ہو جائے اور دوسروں پر جارحیت کرنے کے بجائے خود اپنے غم میں مبتلا ہو جائے اِس
طرح سے مسلمانوں کو پریشان ہونے کی ضرورت ہوگی نہ اسلحہ اُٹھانے کی۔

اِسی طرح کُل مکاتبِ فکر اہلِ اسلام کے ساتھ مربوط تحریک ہائے حریت کے اہلکاروں کو چاہیے کہ اس حوالہ سے جس طرح بھی قدم اٹھائیں بہرحال توحیدِ کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کی دعوت کو کامیابی کی پہلی سیڑھی تصور کریں۔ مسلمانوں کے اندر مذہبی منافرت پھیلانے، ایک دوسرے کے خلاف فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر فتویٰ کفر تقسیم کرنے والے فسادیوں سے کلی اجتناب کریں۔ بے وقت، بے موسم، بے محل یا بغیر معقول و مناسب تیاری کئے ہرگز کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ اس کے ساتھ یورپ و امریکہ جیسے غیر مسلم ممالک کے نور اسلام سے محروم عوام و خواص کو اسلام کی سچی تبلیغ پہنچانے پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے جو سب سے افضل اور سب سے موثر جہاد ہے۔ اِس سلسلہ میں عصری ذرائع ابلاغ، پرنٹ میڈیا سے لے کر ریڈیو، ٹی وی چینلز اور انٹر نیٹ تک تمام ذرائع سے استفادہ کیا جا سکتا ہے کیوں کہ دنیا کی ہر شے کا اپنے گردوپیش اور عادات و اطوار کے مطابق ہونے کی فطری رفتار کے عین مطابق اسلام کی تبلیغ کا بھی ہر دور کے ذرائع ابلاغ

کے مطابق ہونا ضروری ہے ورنہ تبلیغ اسلام کا فریضہ موثر نہیں ہوسکتا۔

افغانستان پر طالبان دور اقتدار کی غلطیوں کا مذکورہ فہرست کے علاوہ ایک حصہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی خشک مزاجی و بے بصیرتی کی وجہ سے ٹیلیویژن جیسے مؤثر اور آسان ذریعہ تبلیغ کو ناجائز و ممنوع قرار دے کر نہ صرف اپنی بے بصیرتی کا ثبوت دیا بلکہ ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنے والی اسلام دشمن طاقتوں کو یکطرفہ فری ہینڈ دے دیا تو دوسری طرف اپنے اقتدار اور اسلامی حکومت کی ناقابل انکار خوبیوں کی تشہیر و تبلیغ کرنے سے خود کو محروم رکھ کر انجانے میں اپنے آپ کو اُجڈ، اسلام ناشناس اور رجعت پسند متعارف کرانے کا موقع فراہم کیا۔ خدا کرے کہ اسلام کے ساتھ جذباتی لگاؤ رکھنے والے اِن سادہ لوح حضرات کو اگلا قدم اُٹھاتے وقت ماضی کی اس قسم بچگانہ حرکات سے سبق سیکھنے کی توفیق نصیب ہو، ورنہ اسلام کے ان سادہ دل و نادان دوستوں کے ہاتھوں شجرہ اسلام کی آبیاری ہونے کی بجائے بدنامی کا قوی اندیشہ ہے جو اُمت مسلمہ کے لیے المیہ ہوگا۔ افغانستان کے کوہساروں کے باسی ان سادہ دل مخلصین اسلام سے اس قسم سنگین غلطیاں آخر ہوئی کیوں؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جس کے مندرجات پر غور کرنا اور اس کے پس منظر کو سمجھنا اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے لیے جدو جہد کرنے والے سعادت مندوں کے مستقبل کے لیے ازبس ضروری ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان اور طالبان کے اسباب عروج وزوال پر ایک نظر

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ سابق سویت یونین کی شکست و تحلیل کے بعد اسلام کے نام پر افغانیوں کو لڑانے اور جہاد کے پردہ میں نام ونمود کرنیوالے سیاسی زعماء و مذہبی رہنماؤں کی باہمی کشمکشِ اقتدار کے نتیجہ میں ان کے پالتو مختلف الخیال دنیا پرست کمانڈروں

کے ہاتھوں برپا ہونے والے مظالم سے ستائے ہوئے عوام کو نجات دلانے کے لیے ملا محمد عمر قیادت میں چند مخلص طالبان کی بے لوث و بے غرض جدوجہد (جہاد کی خاص قسم و عمل) کو اللہ قبول فرما کر افغانی عوام کو ان کی پذیرائی کی توفیق دی۔ اُن کا یہ عمل کسی خارجی مداخلت کے بغیر محض خدمت خلق اور ملک میں امن قائم کرنے کی غرض سے تھا لہٰذا جیسے ہی وہ علاقوں پر قابض ہوتے گئے انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق لٹیروں، ڈاکوؤں، رہزنوں اور جرائم پیشہ سماج دشمنوں سے پاک کرنے کے ساتھ امن قائم کرتے گئے۔ ان کا یہ کردار ان کی ترقی و پیش رفت حاصل کرنے میں نمایاں عنصر تھا۔ اس کے علاوہ افغان عوام جن کے دلوں میں اسلام کے ساتھ جذباتی وابستگی اور نفاذ شریعت محمدی کے ساتھ قلبی لگاؤ موجود تھا، نے اس عنصر کو پروان چڑھایا۔

ان دو موثر اسباب کے علاوہ عرصہ پندرہ سال سے سابق سویت یونین کے سوشلسٹ نظریات کے مقابلہ میں افغان عوام کی جہادی قربانیاں اور اُن ایام کے سیاسی و مذہبی زعماء کی طرف سے جہادی عمل کی کامیابی کے بعد اسلامی حکومت کے قائم کرنے کے وعدے اور اُس کے بعد اُن وعدوں کی خلاف ورزیاں کر کے عوام کو بے ثبات اُمیدوں اور جھوٹے وعدوں پر طفل تسلیاں دینے کے جرائم جیسے محرکات کو بھی بڑا دخل ہے۔ اِن کے علاوہ دو ہمسایہ اسلامی ممالک (پاکستان و ایران) کی طرف سے سویت یونین کی شکست و تحلیل کے بعد افغانستان میں اسلامی حکومت قائم ہونے کی اُمید اور اس سلسلہ میں اِن دونوں ملکوں کے مسلم عوام کی طرف سے ہر طرح کی امداد و قربانیاں اور علماء کی طرف سے ترغیبات جیسے عوامل ملکر طالبان حکومت کے عروج کے سبب بنے تھے جس میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد کرنے والے سعادت مندوں کو یہ اسباق ملتے ہیں:

1. اِس سلسلہ میں جو قدم بھی اُٹھائیں، وہ بے لوث و بے غرض بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی غرض سے اور اسلام کی سربلندی، خلق خدا کی راحت و آرام اور امن و سکون حاصل ہونے کی خاطر ہو۔

2. اپنے پیشرو غلط کاروں کی ناانصافیوں، ظلم زیادتیوں اور احکام اسلام کے منافی کردار سے

مکمل اجتناب کرتے ہوئے ہر وقت اخلاصِ عمل کو پیشِ نظر رکھیں۔

3 ہمسایہ ممالک (بالخصوص اسلامی ممالک) کے تعاون وہمدردیوں کے حصول کو اہمیت دیں۔

افغانستان پر طالبان کی حکومت قصہ پارینہ ہونے کے بعد مرورِ ایام کے ساتھ اُس پانچ سالہ دورِ حکومت کے اسباب عروج وزوال پر قیاس آرائی کرنے والے کچھ ایسے حضرات بھی ہوں گے جو طالبان کو مَحفُوظ مِنَ الْخطَآءِ وَمَعْصُوم عَنِ الذُّنُوبِ بنا کر پیش کریں گے۔ اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہوگی جو انہیں شرِ محض اور بنا فساد لکھتے ہوئے نہیں تھکیں گے، لیکن تاریخی حقائق سے باخبر حضرات جانتے ہیں کہ واقعات وحوادثات کے دورِ بعید میں لکھی جانے والی تاریخ کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی اُس وقت میں یا اِس کے ساتھ قریب تر ایام میں لکھی ہوئی باتوں کی ہوتی ہے۔ میں چونکہ اس حادثہ کے عین ایام میں ان سطور کو سپردِ قلم کر رہا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ تصویر کے دونوں رخ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اپنی اخلاقی و مذہبی ذمہ داری سمجھ کر اصل حقائق سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ طالبان دورِ حکومت کی مذکورہ خوبیوں اور اسبابِ ترقی کے علاوہ اُن کی کمزوریوں اور اسبابِ زوال کے سلسلہ میں درج ذیل اُمور کو بڑا دخل ہے:

1 طالبان شروع شروع میں اپنی غیر معمولی کامیابیوں کے مذکورہ اسباب کو توفیقِ خداوندی سمجھ کر ان کے مزید استحکام کی طرف توجہ دے کر ان کے فطری اثرات کو دوام دینے کے بجائے ان سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی ان کامیابیوں کو مافوق العادۃ کرشمہ وکرامت اور معتاد اسباب کے بغیر تائیدِ غیبی ونصرتِ الٰہی سمجھ کر جانب مستقبل میں بھی اپنے مخصوص اطوار کو ہی یوماً فیوماً مستوجب فتوحات ہونے کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے تھے جس کا اظہار ان کے ساتھ مربوط حضرات کی زبانی ہوتا رہا جنہیں ہم سنتے رہے اور اُن کے مستقبل کا خطرہ محسوس کرتے رہے انجام کار وہ ہو کر رہا جس کا خطرہ تھا۔ اسی تصور کی بنا پر انہوں نے پچانوے فیصد افغانستان کو فتح کرنے کے مذکورہ اسباب کو دوام بخشنے کی طرف توجہ نہیں دی۔

❷ اُنہوں نے اپنی نا تجربہ کاری اور خشک مزاجی کی بنا پر غیر مانوس ماحول میں اسلامی احکام کو حکمت عملی کے تحت تدریجاً نافذ کرنے کے بجائے یکدم اور وہ بھی بندوق کی نوک پر نافذ کر کے نہ صرف بشمول امریکہ یورپی دنیا کو اپنے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرنے کا موقع فراہم کیا بلکہ اسلامی ممالک کے ارباب اختیار کے لیے بھی باعث خوف بنے۔ جس کے نتیجے میں وہ سب کے سب اسلام دشمن قوتوں کے دست و بازو بن گئے، جس کے نتیجہ میں اسلام کے یہ مسافر تنہا رہ گئے۔

❸ ٹیلیویژن جیسے مؤثر میڈیا کو ذریعہ تبلیغ بنا کر اپنی مذکورہ خوبیوں کو اقوام عالم کے سامنے ظاہر کر کے اسلامی حکومت کی حقیقی خوبیوں سے اُنہیں آگاہ کرنے، اسلام کی سچائی کا عملی ثبوت پیش کرنے کے بجائے انہوں نے اس مؤثر ذریعہ تبلیغ (ٹیلیویژن) کو جرم عظیم کہہ کر شجرہ ممنوعہ قرار دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنی حقیقی خوبیوں کو دنیا کے سامنے متعارف کرا کر اسلامی حکومت کو استحکام بخشنے کی بجائے اسلام دشمن طاقتوں کو اپنے خلاف یکطرفہ منفی پروپیگنڈہ کرنے کا کھلا موقع دیا۔ انجام کار اقوام عالم کی نگاہ میں بدنامی ہوئی جو سب سے بڑا المیہ ہے۔

❹ اندرون ملک رہنے والے مختلف المذاہب فرقوں کے قدیم ایام سے جاری مراسم اور ان کی مذہبی آزادی پر طرح طرح کی پابندیاں لگا کر بھی اقوام عالم کی نگاہ میں نہ صرف خود کو بدنام کیا بلکہ اسلام پر بھی تنگ نظر و متعصب اور ناقابل عمل مذہب ہونے کا دھبہ لگانے کا سبب بنے۔

❺ شمالی اتحاد کے پروفیسر برہان الدین ربانی اینڈ کو کے مطالبات تسلیم کر کے انہیں حکومت میں شامل کرنے کے بجائے اُن کے ساتھ بے مقصد لڑائی کو طول دے کر اُسامہ کے بہانہ سے تاک میں بیٹھے ہوئے مکار دشمن کو اپنے خلاف آسان راستہ دے دیا، انجامِ کار بعض افغانیوں کو بعض کے خلاف لڑانے میں امریکہ کامیاب ہوا۔

❻ اِن تمام اسباب و محرکات کے سبب بننے والے اصل سببِ زوال ہمسایہ ملک پاکستان

کے وہ علماء و مذہبی جماعتیں ہیں جنہوں نے اول سے آخر تک کو ہسار افغانستان کے اِن سادہ لوح مخلصین اسلام کو مذہبی تنگ نظری و تعصب اور محدود سوچ و فکر کی غلط راہ پر ڈال کر انہیں لاشعوری میں گھٹن کا قیدی بنالیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ پاکستان کے مذہبی منافرت کے ماحول اور مذہبی مدارس کے گھٹن، پُر تعصب، تنگ نظر اور بے بصیرت ماحول میں تربیت پانے والے طالبان نے اپنے پانچ سالہ دور اقتدار میں داخلہ پالیسی سے لے کر خارجی تعلقات تک اور سماجی و تہذیبی انداز حیات سے لے کر تعلیمی و سیاسی اُمور تک ہر میدان میں وہی انداز اپنایا تھا جو اِن مدارس سے اُنہوں نے سیکھا تھا کیوں کہ ماحول سے اثر لینا ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ ہر معاشرہ کا ماحول اس کا خاموش معلم و مبلغ ہوتا ہے، تخریبی ذہن کے ماحول میں کبھی تعمیری سوچ پیدا ہو سکتی ہے نہ تعمیری سماج سے منفی کردار کے افراد جنم پا سکتے ہیں۔

مجھے وہ مجلس اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے تقریباً پانچ سال قبل ڈاکٹر طاہر القادری کی دعوت پر منہاج القرآن لاہور کے کنونشن میں شرکت کے لیے میں پشاور سے گیا تھا جبکہ طالبان تحریک افغانستان کے مندوب مہمان دو طالبان جو بظاہر اچھے خاصے اہل علم لگ رہے تھے، افغانستان سے خصوصی طور پر ڈاکٹر طاہر القادری کی دعوت پر ملا عمر کی طرف سے نمائندے بھیجے گئے تھے۔ حسنِ اتفاق سے ہمارے قیام کے لیے مختص کمرے ایک دوسرے کے بالکل متصل تھے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کا نظریاتی رشتہ بریلوی مسلمانوں کے ساتھ جوڑتے ہوئے انہوں نے کچھ اس طرح گفتگو کی کہ بریلوی، شیعہ، اہلحدیث، جماعت اسلامی میں سے ایک ایک پر تبصرہ کرتے ہوئے ان سب کو حقیقی اسلام سے خارج قرار دے کر جہاد افغانستان کی کامیابی کے بعد امارت اسلامی افغانستان کے استحکام کو ان سب کے لیے کامیاب ذریعہ زوال اور موثر سبب خاتمہ قرار دیا۔

میرے نارمل ذہن اور اتحاد بین المسلمین کی طرف رجحان کو محسوس کرتے ہوئے اُنہوں نے اپنے دلوں میں چھپے ہوئے مخصوص مذہبی رجحان کو ہی معیار حق سمجھنے کی خوش فہمی کا اظہار اس

طرح کیا کہ ایک مخصوص مکتب فکر کا نام لے کر کہا کہ اوروں پر محنت کر کے وقت ضائع کرنے کی
بجائے بہتر ہوگا کہ اِس مکتبہ فکر کے علماء میں جو باہمی اختلافات ہیں اور وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر
ایک دوسرے سے جدا جدا پارٹیاں اور تنظیمیں بنا کر اپنے آپس ایک دوسرے کے خلاف اپنی
توانائیاں جو ضائع کر رہے ہیں، انہیں متحد کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ سب متحد ہو جائیں تو ان
ہی کے ہاتھوں پاکستان میں اسلامی انقلاب آ سکتا ہے۔ اُن کی اِس مشتے نمونہ از خروارے گفتگو کو
ٹھنڈے دل سے سننے کے بعد میرے دماغ کا میٹر حرکت کرنے لگا تو میں نے اپنا پورا تعارف اور
ان کی خوش فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے ان دونوں ہم نشینوں کو ان کی تنگ نظری، اسلام کی وسیع
النظری سے بے خبری اور کل مکاتب فکر اہل اسلام کے اتحاد کی افادیت سے انہیں آگاہ کیا، نیتجتاً
میری دس پندرہ منٹ کی مخلصانہ گفتگو سے بظاہر وہ کافی حد تک متاثر بھی ہوئے اور میرے متعلق خوش
فہمی کی بنا پر لاشعوری میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا اُس پر پشیمان ہو کر اُس کی تلافی کے لیے گول
مول تاویلات بھی کرنے لگے لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا جسے واپس لانے سے وہ عاجز تھے۔

میرے اس مشاہدہ کے علاوہ طالبان حکومت کی طرف سے شعبہ امر بالمعروف کا ہیڈ
انچارج مولانا عبدالعلی دیوبندی ''ریڈیو شریعت کابل'' سے اپنے مسلکی اور فقہی مخالف فرقوں کے
خلاف تسلسل کے ساتھ مذہبی منافرت و دل آزاری پر مشتمل تبلیغ کرنے اور متنازعہ مسائل سے متعلق
ان کی دل شکنی کرنے کے علاوہ 1999ء میں جب طالبان حکومت کی طرف سے خیر سگالی دورے
پر پاکستان آیا تھا اُس وقت بھی صوبہ سرحد و بلوچستان کے متعدد مقامات پر اسی طرح کی فرقہ
واریت کی تبلیغ کر کے طالبان حکومت کے لیے بدنامی کا سامان مہیا کیا تھا جس کے بعد مولانا
عبدالولی رئیس مرافعہ کابل اور مولانا سید افضل مہتمم مدرسہ حیات الاسلام جلال آباد جیسے متعدد علماء
کرام کی طرف سے احتجاجی روابط کی بنا پر اگر چہ صاحب موصوف کی اس روش پر پابندی لگائی گئی تھی
تاہم ''کل اناءٍ یترشح بما فیہ'' یعنی جو کچھ برتن کے اندر ہوتا ہے وہی اس سے ٹپکتا ہے، کے
مصداق کبھی کبھی حسب موقع صاحب موصوف کی زبان سے طالبان حکومت کے لیے بدنامی کا

سامان بننے والے نوادرات ونوازشات کا ظہور ہوتا ہی رہا۔

ہر صاحب اقتدار واختیار کو اپنے دائرہ اختیار میں وہی کرنا ہوتا ہے جو تعلیم وتربیت کے ایام میں یا اوائل عمر میں دورانِ تعلیم سیکھا ہوا ہوتا ہے کیوں کہ مادرِ علمی کی تعلیم وتربیت اور ماحول کے اثرات تالب گور سایہ کی طرح انسان کے ساتھ لازم وملزوم ہوتے ہیں۔اِسی وجہ سے پاکستانی مدارس کی مذہبی تنگ نظری ومنافرت اور گھٹن ماحول سے تربیت پانے والے افغانی علماء کے اِس طبقہ کے مقابلہ میں دوسرے طبقے کے وہ علماء جنہوں نے پاکستانی مدارس میں آئے بغیر اندرون افغانستان ہی قدیم اندازِ تعلیم وتربیت کی درسگاہوں اور مثبت سوچ وفکر رکھنے والے علماءِ کرام کے مکتب سے تعلیم وتربیت پائی تھی یا تیسرے طبقے کے وہ افغانی علماء جنہوں نے جامعہ الازہر جیسی روشن خیال درسگاہوں میں یا اپنے ہمسایہ ملک پاکستان میں آکر اُن اقل قلیل مدارس میں تعلیم پائی تھی جو مثبت سوچ وفکر کے ساتھ کلمہ توحید کی تبلیغ کرتے ہوئے توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کی بھی تبلیغ کرتے ہیں، مذہبی قینچی کا کردار ادا کر کے افتراق بین المسلمین کے مجرم قرار پانے کے بجائے سُوئی اور دھاگے کا عمل کرتے ہوئے کل مکاتب فکر اہل اسلام کو اغیار کے مقابلہ میں ایک کرنے کی تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔(دراصل یہی مدارس چاہے دنیا جس نام سے بھی انہیں پکارے، اسلام کے سچے خادم اور مسلمانوں کے مراجع وامید گاہیں کہلانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے مراکز و تربیت گاہوں کو قائم ودائم رکھے اور دوسروں کو بھی اِن کی تقلید کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین)

طالبان حکومت کے پانچ سالہ دور میں اِمارتِ اسلامیہ کے دورِ اقتدار میں شامل علماء کے مذکورہ تین طبقوں میں سے آخر الذکر دونوں طبقوں کا رجحان چونکہ مثبت تھا اِس لیے یہ دونوں اول الذکر اکثریتی طبقہ کے ہاتھوں ہونے والے مذکورہ اسبابِ نفرت وزوال سے ہمیشہ کراہت وخطرہ محسوس کرتے رہے۔جس کا اظہار وہ مثبت انداز میں حسبِ مواقع کرتے بھی رہے لیکن ایک طرف تو امارت اسلامیہ کے حق میں مخلص، اس کے استحکام کے متمنی اور اس خطے میں مسلم بلاک بننے کی امیدوں وتمناؤں میں گم ہوتے اور دوسری طرف غیر مساعد حالات کو دیکھ کر یہ پاک طینت حضرات

اپنے ان احساسات کا برملا اظہار کرنے سے معذور تھے۔

خلاصۃ المرام:۔ طالبان حکومت میں شامل علماء کرام کے مذکورہ مختلف ذہنوں کے حامل طبقات کا باہمی اختلاف بھی ان کے مادرِ علمی و تربیت کے مختلف ہونے کا نتیجہ تھا۔ان میں سے اول الذکر اکثریتی طبقہ کی مذکورہ بے اعتدالیوں ،انتہا پسندیوں ،اتحاد بین المسلمین کے متضاد پالیسیوں اور اُن کی خشک مزاجی پر مبنی مذکورہ غلطیوں کو ان کے زوال اقتدار کے ساتھ اسلام کی حقیقی خوبیوں سے بے خبر اقوام کی نگاہ میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی میں بڑا دخل ہے۔ بنیادی بیماری کو معلوم کرکے جب تک اس کا علاج نہ کیا جائے تو تضیع اوقات کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا لہٰذا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد کرنے والے سعادت مندوں کو چاہئے کہ مزاجِ اسلام سے ناآشنا اور مذہب اسلام کے دوست نما دشمن ،کلمہ توحید کی تعلیم و تبلیغ کے پردہ میں توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کے منافی سرگرمیوں میں مبتلا گندم نما جوفروش مراکز و شخصیات کو پہچانیں ،اُنہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کریں ورنہ کم از کم ان کی بدصحبت سے پرہیز کریں۔اِسی اِجمال پر اکتفاء کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ یہ نہایت تلخ اور دل دُکھانے والی داستان ہے جو حضرات اس کے اصل پس منظر کا کھوج لگانا چاہتے ہیں وہ میری دوسری تحریر ''**اَسبابِ زوالِ اُمت اور اُن کا علاج**'' مطالعہ کریں جس میں، میں نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہوئی ہے۔

طالبان حکومت کے زوال ،بے رحم و سفاک مستکبر عالم (امریکہ) کے ہاتھوں بے گناہ افغانیوں پر آتش آہنی برسا کر اُن کے خون سے ہولی کھیلنے ،انہیں بے گھر کرنے ،اُن کے معابد و شعائر کو مٹانے ،اسلام کو بطورِ دہشت گرد مذہب متعارف کرانے اور اِس خطے کے پُل پر امریکہ جیسے بھیڑیا کے قبضہ جمانے پر کس کو دکھ و غم نہیں ہو رہا؟ شیعہ ،سنی ،اہل تقلید و اہل حدیث۔الغرض کل مکاتب فکر اہل اسلام کے قلوب اِس حادثہ فاجعہ سے پُر ملال ہیں لیکن بیٹھے ماتم کرنے ،امریکہ کو بددعائیں دینے یا اُس کی تباہی و ہلاکت کے لیے دستِ غیب و معجزہ کے انتظار میں بے حس و حرکت بیٹھے رہنے کی عادت سچے مومن مسلمان کا وطیرہ نہیں ہوسکتی ،دشمن کے تجربات سے فائدہ اُٹھانا اپنی

سابقہ کوتاہیوں سے سبق سیکھنا اور ماضی کے نشیب و فراز کی روشنی میں مستقبل کی منصوبہ بندی کرنا اسلام کی تعلیمات میں شامل ہے۔جس پر قرآن شریف میں بار بار تاکید کی گئی ہے۔جس کی روشنی میں سیانے لوگوں نے کہا ہے؛

''سَلِ الْمُجَرِّبَ ولا تَسئَلِ الْحَکِیْم''

یعنی محض کتابی عالموں سے مسئلہ پوچھنے کی بجائے تجربہ کاروں سے معلومات لیکر اپنا کام چلاؤ۔

بشمول افغانستان تمام مسلم خطوں کو امریکہ کے قبضہ اور اُس کے دخل عمل سے واگزار کرانے کے لیے کوشاں مجاہدینِ اسلام کی آئندہ کامیابی کا دارومدار اِس بات پر ہے کہ وہ اِس قسم کی غلطیوں سے کلی اجتناب کرنے کے ساتھ دشمن کے تجربہ سے بھی اس طرح فائدہ اٹھائیں کہ طالبان کی مذکورہ غلطیوں کو میڈیا کے ذریعہ چار دانگ عالم میں پھیلا کر اُن کی اِن کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جس طرح اُس نے انہیں عالمی برادری میں بدنام کیا، تنہا کیا، نالائق و ناقابل اقتدار مشہور کرایا اُسی طرح یہ بھی اُن کی زیادتیوں، سفاکیوں، دہشت گردیوں اور کمزور اقوام و ریاستوں کے استحصال کرنے کے ناقابل اِنکار جرائم کو اُن ہی ذرائع ابلاغ، اُسی انداز، اُسی زبان و طریقہ سے تشہیر کریں اور ساتھ ہی سامراجی ممالک کے اُن عوام کو خارجہ پالیسی کے حوالہ سے اِن کے حکمرانوں کے دوہرے معیار و ظالمانہ پالیسیوں سے آگاہ کریں جو اِن ظالم سربراہوں کی پالیسیوں سے غافل چلے آ رہے ہیں۔اُنہیں اِس بات کا بھی باور کرائے کہ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والی خودکش حملوں جیسے متوقع خطرات، اِن ظالم استحصالی سربراہوں کی ظالمانہ پالیسیوں کا ردِ عمل ہے۔اگر وہ ان مظلوموں کے حوالہ سے اپنا قبلہ درست کریں تو طالبان ہوں گے نہ اُسامہ، ملا عمر ہوگا نہ مظلوم فلسطینیوں کے فدائی حملے ورنہ برائی و مظالم کا یہ سلسلہ جب تک موجود رہے گا اُس سے متاثر ہونے والے مظلوموں کا ردِ عمل بھی ظاہر ہوتا ہی رہے گا چاہے فدائی حملوں کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ مرتا ہوا کیا نہ کرتا۔اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ان حضرات کو بے موسم فدائی حملوں یا مسلح تصادم کی شکل میں توانائی صرف کرنے کے بجائے مختلف ممالک میں اپنے ٹی وی

چینلز قائم کرنے پر توجہ دینے کے ساتھ تمام عصری ذرائع ابلاغ سے پوری طرح فائدہ اُٹھانا چاہیے کیونکہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کو مؤثر طریقہ سے دنیا کے گوش گزار کرنے کا سستا اور آسان طریقہ موجودہ سائنسی دور میں ان عصری و سائنسی ذرائع ابلاغ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ سائنسی ترقی کی بدولت موجودہ ذرائع ابلاغ متعارف ہونے سے قبل اسلام کی تبلیغ کے ذرائع محض عوامی اجتماعات اور محراب و منبر تک محدود تھے جبکہ دورِ حاضر میں ایک جگہ میں آرام سے بیٹھ کر بیک وقت ایک ہی شخص اسلام کی دعوت و تبلیغ پوری دنیا کو پہنچا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ دور جمہوریت بھی اپنی ہزار خرابیوں کے باوجود دعوت و تبلیغ اور اسلامی حکومت کی خوبیوں سے خلقِ خدا کو آگاہ کرنے کے لیے نہایت مناسب ہے ورنہ خلافت راشدہ کے انقطاع کے بعد (592) سالوں پر محیط دور ملوکیت میں خُلفا بنو اُمیہ یا بنو عباسیہ کے مزاج کے خلاف حق کی آواز بلند کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اِسی وجہ سے اُس دور کے سچے مبلغین اور آوازِ حق کے علمبرداروں کے تبلیغی کارناموں کو اسلاف نے اُن کے امتیازی کرامات میں شمار کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور احمد ابن حنبل اور علماء اہل بیت اطہار کے علمبردارانِ حق کو قید و بند، کوڑے مارنے، گھروں کو جلانے، مال و متاع و جائیدادوں کو ضبط کرنے اور زندہ درگور کرنے جیسے سفاکانہ سزائیں دینے کے دلخراش واقعات کے منحوس عوامل اِس دور جمہوریت میں کہاں ہیں؟ اس دورِ آزادیٔ فکر و عمل اور ایّامِ حریتِ تقریر و تحریر میں اگر کل مکاتبِ فکر اہل اسلام کے مصلحین اسلام کے عظیم مفاد میں اپنے انفرادی ترجیحات سے صرف نظر کر کے مشترکہ اقدار اور اسلام کے مسلمہ عقائد و اعمال پر متفق ہو کر دنیا پر اسلام کی حقانیت ظاہر کرنے اور بلا تخصیص رنگ و نسل کل اقوام عالم کے بنیادی حقوق کی ضمانت دینے والے اس آسمانی و رحمانی مذہب کی افادیت سے غافل دُنیا کو آگاہ کرنے کے لیے مثبت و موثر انداز تبلیغ کے ساتھ مروجہ ذرائع ابلاغ سے پوری طرح استفادہ کریں یعنی تبلیغ اسلام کا حق ادا کریں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حیوانیت کی زندگی کے ہاتھوں امن و سکون سے محروم دنیا مذہب اسلام کو ہی ترجیح دے گی کیوں کہ سب کو امن و سکون راحت قلب اور

حقوق کا تحفظ فراہم کرنے کی مکمل گارنٹی مہیا کرنے والا اور کوئی ضابطۂ حیات دنیا میں موجود نہیں ہے خاص کر مذہبی تعصب و تنگ نظری اور ذہنی گھٹن سے آزاد امریکی و یورپین ماحول اس کے اثر قبول کرنے کے لیے بہت ساز گار ہے۔

اِس طرح سے بغیر مسلح تصادم کے اسلام کی صحیح معنی میں خدمت انجام دی جا سکتی ہے، جو جہاد کی بہترین قسم ہے۔قرآن و سنت کی ہدایات بھی مسلمانوں کو یہی ہیں کہ اسلام کی حقانیت و افادیت پر مشتمل مکمل دعوت و تبلیغ اُس کی خوبیوں سے غافل دشمنوں کو پہنچائے بغیر جہاد کے نام پر اُن کے ساتھ مسلح تصادم نہ کیا جائے کیوں کہ مسلح جہاد صرف اُس وقت فرض ہو جاتا ہے جب دعوت و تبلیغ اور مذاکرات کے تمام گوشے مسدود و بے سود ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا“(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین رسالت کی تبلیغ پہنچانے سے پہلے کسی کو عذاب دینا ہماری شانِ عدل کے خلاف ہے۔

اللہ کا کسی مستحق عذاب قوم کو عذاب دینا دو قسم پر ہوتا ہے:

ایک:۔کسی انسان کے عمل کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے قوم لوط، قوم نوح، قوم صالح علیہم السلام جیسے مجرموں کو زلزلہ و طوفان وغیرہ جیسے عذابوں میں پکڑا گیا۔

دوسری:۔انسانوں کے عمل کو اس میں دخل ہوتا ہے اس کی بھی بے شمار شکلیں ہوتی ہیں۔ایک ان میں سے یہ ہے کہ جہاد کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام دشمن کفار کو ہلاک کرانا ہوتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ“(۲)

تم اُن کے ساتھ جہاد کرو اللہ تمہارے ہاتھوں اُنہیں عذاب دے گا۔

۱۔ الاسراء:15۔

۲۔ التوبہ:14۔

اِسی معنی میں قرآن شریف کے اندر اللہ نے مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا ہے یعنی اللہ کا لشکر جیسے فرمایا:

''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''(۱)

اِس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سچے مومن مسلمان جو صرف منہ بولے مسلمان نہ ہوں جیسے چند مخصوص عبادات و اسلامی رسوم کی ادائیگی کے بعد خدائی لشکر کا حصہ بن کر کفار کے مقابلہ میں نصرت خداوندی کے مستحق ہونے کا گھمنڈ ہوتا ہے بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مقابلہ میں ہر عزیز سے عزیز تر چیز کو قربان کر کے کفار پر ہر جائز میدان میں بالا دستی حاصل کرنے کی خاطر اللہ کے احکام کے مطابق تمام دستیاب وسائل کو بروئے کار لا کر تیاری کرنے والے سچے اور کامل یعنی عملی مسلمانوں کی جماعت حزب اللہ ہے۔جس کی کامیابی بھی یقینی امر ہے ورنہ اگر یہ معنی نہ لیا جائے تو صرف مسلمانوں کو اللہ کا لشکر قرار دینے کا بظاہر کوئی فلسفہ ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ بشمول کفار جملہ کائنات اللہ کے لشکر ہیں، جیسے اللہ نے فرمایا:

''وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ''(۲)

یعنی اللہ کے لشکر کی حقیقت و تعداد کو در حقیقت اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات جب منہ بولے مسلمانوں کی سرکشی اُن کے ہاتھوں ظلم و تعدی اور حدود اللہ کی پامالی کا سلسلہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو اُن کی سرکوبی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ اپنی اس غیر متناہی لشکر کے بدترین حصہ یعنی کافروں کو اُن پر مسلط کر دیتا ہے جیسے بنی اسرائیل پر بخت نصر یا اُس کے باپ سخاریب جیسے مشرکوں کو مسلط کر کے ان کے ذریعہ اُنہیں سزا دی تھی جس کا ذکر قرآن شریف کی سورہ اسراء آیات 5 اور 7 میں مذکور ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ عرصۂ دراز سے بشمول امریکہ تثلیث پرستوں کا مسلمانوں پر مسلط ہونا اور مسلمانوں

۱۔ المجادلۃ:22۔

۲۔ المدثر:31۔

کا کہیں بالواسطہ اور کہیں بلا واسطہ اُن کے محکوم و تابع ہونا بھی اللہ کے فرمان ''فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ ''(۱) یعنی جب اُنہوں نے اللہ سے منہ پھیرا تو اللہ نے بھی بطور سزا عزت و سر بلندی پانے کی راہ سے اُن کے دلوں کو پھیرا، کے عین مطابق اسی مجازات اعمال کا ایک حصہ ہے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ:

''اَعمَالُکُمْ عُمَّالُکُم''

یعنی جیسے تمہارے اعمال و کردار ہوں گے اُسی کے مطابق تم پر حاکم مقرر کیے جائیں گے۔

آج سے تین سو سال قبل جب نادر شاہ کے ہاتھوں ہندوستان کے لوگوں پر بہانہ ناجائز ٹیکس لگانے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں استحصال کی انتہا ہو رہی تھی تو بے بسی کے اِس عالم میں ستائے ہوئے عوام کی چیخیں نکلیں تب واقفِ حال اور خدا شناس لوگوں نے کہا کہ:

''شامتِ اعمال ماصورت نادر گرفت''

یعنی ہمارے برے اعمال نادر شاہ کی حکمرانی کی شکل اختیار کر کے ہمارے سامنے باعث سزا ہوئے۔

ایک اور حدیث میں اِس طرح بھی آیا ہے: ''کَمَا تَکُوْنُوْا یُوَلّٰی عَلَیْکُمْ''

یعنی جیسے تمہارا کردار ہوگا اسی کے مطابق تم پر حکمران مقرر کیے جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے مقامِ عبرت ہے کہ ان کی زمینیں بنیادی وسائل سے مالا مال ہوتے ہوئے بھی وہ محض نفس پرست و نالائق حکمرانوں کی وجہ سے اغیار کے محتاج ہیں۔ چار درجن سے زیادہ برائے نام مسلم ممالک کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ان کے نفس پرست اور اسلامی تعلیمات سے منحرف حکمرانوں کا امریکہ جیسے اسلام دشمن ملک کے سامنے سرنگوں رہنا اور اس کی محکومیت میں اپنے مستقبل کو محفوظ سمجھنا میرے علم کے مطابق ان کی بے حمیتی، مسلمانوں کے مسائل سے بے پرواہی، مسلمان حکمران ہونے کے ناطے اپنی مسئولیت سے مجرمانہ غفلت و بے توجہی اور

۱۔ صف:5۔

اُمتِ مسلمہ کے اجتماعی مفادات پر اپنے ذاتی تحفظات کو ترجیح دینے کے جرائم پر خدائی سزا ہے جیسے بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور ایمان کے دعویدار ہونے کے باوجود اُس کے منافی جرائم کے مرتکب ہونے کی بنا پر انہیں اپنے بدترین دشمنوں کے ماتحت محکوم رہ کر حریت کی نعمت سے محروم اور نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کے ہر ناجائز حکم کو بجالانے پر مجبور ہونے کی سزادی ہے۔ جیسے قرآن شریف میں فرمایا:

''وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ''(۱)

یعنی اُس وقت کو یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فیصلہ کیا تھا کہ اُن پر قیامت تک ایسی سلطنتوں اور حکمرانوں کو مسلط کرے گا جو اُنہیں بد سے بدتر عذاب دیتے رہیں گے۔

اِس آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح کے متعلق مفسرین و مورخین کی تصریحات کے مطابق بنی اسرائیل کی تاریخ، جزوی آزادی سے قطع نظر مجموعی طور پر غلامی و ماتحتی کی زندگی سے بھری پڑی ہے، کیونکہ کئی صدیوں تک مصر کے فراعنہ کے ہاتھوں بعدازاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے کچھ عرصہ کی آزادی کے بعد بابل کے سخاریب و بخت نصر جیسے مشرک اور جابر بادشاہوں کے ہاتھوں، بعدازاں اہل فارس کے آتش پرست حکمرانوں کے ہاتھوں، بعدازاں اسکندرِ اعظم کی طرف سے مقررہ حکمرانوں کے ہاتھوں، بعدازاں تثلیث پرست نصرانیوں کے ہاتھوں، ازاں بعد اُن میں سے کچھ قبیلے جزیرۃ العرب خاص کر مدینہ منورہ اور وادی خیبر کے علاقوں میں چند عشرے تک جزوی آزادی کی جو زندگی گزار رہے تھے نبی آخر الزمان رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غداری کرنے کے جرم میں عبرت ناک سزائیں پانے کے بعد کرہ ارض کے پراگندہ حصوں میں اب تک اغیار کی ماتحتی و پناہ گزینی کی غیر متناہی زندگیاں گزار رہے ہیں غیر معمولی تعداد اور اقوام عالم میں سب سے زیادہ اہل ثروت ہونے کے باوجود من حیث القوم اغیار کے دخل عمل سے آزاد جائز ریاست کے مالک ہونے کی نعمت سے محروم چلے آرہے ہیں۔ جو ایک نبی برحق کی شریعت اور

۱۔ الاعراف: 167۔

آسمانی کتاب (تورات) پر ایمان کے مدعی ہونے کے باوجود اس کے منافی حرکات کے ارتکاب کرنے کی خدائی سزا ہے، جو انہیں دی جا رہی ہے۔ اِس قسم کے مجازات اعمال سے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

''ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ'' (۱)

یعنی یہ سزا ہم نے اُنہیں اُن کی بغاوتوں کی وجہ سے دی درآنحالیکہ ہم ایسی سزائیں دینے میں حق بجانب ہیں۔

ایک سوال کا جواب

یہاں پر قارئین کے ذہنوں میں اِس سوال کا باعث تردد ہونا ایک فطری عمل ہے کہ سورۃ اعراف کی اِس آیت کریمہ کے مطابق تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت تک بنی اسرائیل دوسری قوموں اور حکومتوں کے ہاتھ ستائے جائیں گے جبکہ آجکل اسرائیل کے حوالہ سے اُن کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ اپنی مستقل ریاست (اسرائیل) کے ساتھ مربوط ہونے کی بناء پر دوسری ریاستوں کے ہاتھوں ستائے جانے کے برعکس دوسروں کو ستا رہے ہیں کہ اُن کے ہم سایہ مسلم ممالک کئی عشروں سے اُن کے ہاتھوں مغلوب و مغصوب اور ستائے ہوئے ہیں اور آئے دن اُن کے ہاتھوں ہونے والے مظالم سے مسلمان ذہنی و جسمانی اور اقتصادی و سیاسی طور پر اذیت میں مبتلا ہیں۔ اِن معروضی حالات کی پیشِ نظر مذکورہ آیت کریمہ کا صحیح اور تسلی بخش محمل کیا ہوسکتا ہے؟ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا'' (۲)

یعنی وہ جہاں پر بھی پائے جائیں گے ذِلت اُن کی مقدر کی جا چکی ہے۔

۱۔ الانعام:146۔

۲۔ آل عمران:112۔

مقامِ حیرت ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر جگہ ذلت اُن کا لازمہ قرار دیئے جانے کے بعد مملکتِ اسرائیل کے موجودہ دبدبہ اور پورے مشرق وسطیٰ کے باسیوں پر رُعب وخوف طاری کر کے ان پر سیاسی و معاشی اور عسکری بالادستی قائم کرنے کا موجودہ نقشہ ناقابل فہم ہے۔ میری فہم کے مطابق اس سوال کے جواب کو سمجھنے سے قبل بطور تمہید چند باتوں کو سمجھنا ضروری ہے:

❶ بنی اسرائیل کا متعدد مواقع پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات واحسانات کا معکوسی ردعمل کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مختلف سزائیں دی ہیں جو قرآن شریف کی مختلف آیات و مقامات پر مذکور ہیں انہیں ایک دوسرے سے خلط ملط کرنا نہ صرف خلافِ واقعہ ہوگا بلکہ منشاء خداوندی سے بھی خلاف ہوگا۔ جیسے ہر جرم کی نوعیت جدا ہے ویسے ہی ان پر مرتب ہونے والی سزاؤں کی نوعیتیں بھی ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اور جیسے ان جرائم کے ادوار ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں ویسے ہی ان پر مرتب ہونے والی دُنیوی سزاؤں کی تاریخیں بھی مختلف ہیں، جیسے ان جرائم کے محرکات واسباب مختلف ہیں ویسے ہی ان پر مرتب ہونے والی سزائیں بھی ان کے مناسب ہیں یعنی ہر جرم کی سزا اس کے اسباب ومحرکات کے عین مطابق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جَزَآءً وِّفَاقًا" (۱) یعنی سزا بمطابق جرم۔

❷ یہودیوں پر بطور سزا عائد کردہ ذلت ومسکنت سے مراد بالترتیب من حیث القوم سیاسی اقتدار سے محرومی ومحکومیت اور غیر اقوام کی طرف سے اُن پر مسلط مقتدرہ کے ہر جائز وناجائز احکام ومظالم کو تسلیم کرنے پر مجبوری وعاجزی کی زندگی ہے۔

❸ سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۶۱، میں مذکور ذِلّت ومسکنت کا مصداق ومحل اور ہے جبکہ سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۱۲ میں جس ذِلّت ومسکنت کا ذکر ہوا ہے، وہ اور ہے کیوں کہ پہلے جس ذلّت و مسکنت کے ساتھ اُنہیں سزائیں دی جاتی رہی اُن کے متعلق سورۃ مائدہ آیت نمبر 20 تا 26،

۱۔ النباء:26۔

سورۃ اعراف آیت نمبر 160 تا 166، سورۃ بقرہ آیت 246 تا 251، سورۃ اعراف آیت نمبر 152 اور سورۃ صف آیت نمبر 5 وغیرہ، کے سیاق و سباق کی دلالت کے مطابق کسی خاص وقت تک مقید اور محدود ذِلّت و مسکنت تھی۔

مثال کے طور پر چالیس سال تک صحرائے سینا کے پسماندہ علاقہ میں ذلت و مسکنت اور پسماندگی و بیچارگی پر حیرت و سرگردانی کی عبرت ناک زندگی گزارنا اور حضرت طالوت کے کمان میں عمالقہ پر فتح حاصل کر کے مستقل ریاست کے مالک ہو کر دو نسلوں تک عزت و سربلندی کی زندگی میسر ہونے سے قبل طویل دورانیہ تک عمالقہ جیسے سرکش مشرکوں کے ہاتھوں ذلت و مسکنت کے ناگفتہ بہ حالات میں مبتلا رہنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فراعنہ مصر کے طبقاتی نظام مملکت کے استحصالی مظالم و حق تلفیوں میں مبتلا رہنا، ذلت و مسکنت کی وہ تمام شکلیں اپنے اپنے محدود دورانیہ کے حصار میں محدود تھیں لیکن سورۃ آل عمران، آیت نمبر 112 میں اُن پر مسلط جس ذلت و مسکنت کا ذکر ہوا ہے یہ سابقہ ذلتوں و مسکنتوں کی طرح کسی مخصوص دورانیہ کے ساتھ خاص ہونے کے بجائے موبّد اور ہمیشگی بلکہ قیامت تک رہنے والی سزا ہے عام اس سے کہ اِس آیت کریمہ میں ''ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡا'' اور ''وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ'' کے دونوں جملے محض خبر و حکایت کے درجہ میں ہوں یعنی محض جملہ خبریہ ہوں یا لفظ کے اعتبار سے خبر لیکن معنی کے لحاظ سے انشاء ہوں یعنی نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت مسلمانوں کی صالح قیادت کو اِن سرکش یہودیوں کو تمام بنیادی حقوق کی سہولت دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اُنہیں کلیدی عہدوں پر فائز کرنے یا شریک اقتدار کرنے کی بجائے ہر وقت انہیں کنٹرول میں رکھا جائے اور شعبہ عبادات کے ماسوا تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین و احکام کو اُن پر نافذ کر کے ''حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ'' (۱) یعنی بنیادی حقوق کا تحفظ فراہم کرنے

۱۔ التوبۃ:29۔

کے عوض مسلم ریاست کی طرف سے ان پر عائد کردہ ٹیکس کو بھی پابندی، عاجزی، تابعداری اور اظہار اطاعت کے ساتھ نقدی ادا کرنے پر انہیں پابند بنا کر رکھا جائے ورنہ اُن سے متعلق غفلت برتنے یا اُن پر اعتماد کرنے کی صورت میں کسی بھی وقت وہ اپنی فطری سرکشیوں، فساد کاریوں اور نافرمانیوں کی تاریخ دوہرا کر خلق خدا کے لیے باعث زحمت بن سکتے ہیں۔ گویا ان دونوں جملوں کا معنی کے اعتبار سے جملہ انشائیہ ہونے کی صورت میں اُن کی فساد کاریوں، غداریوں اور سرکشیوں کے پیش نظر مسلم قیادت کو اُن پر خصوصی کنٹرول قائم رکھنے کی ہدایات کی گئی ہیں کہ انہیں مملکت اسلامیہ کے دیگر باسیوں کی طرح نہ سمجھا جائے بلکہ اسلامی مملکت کے اندران کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے کے ساتھ اللہ کی طرف سے ان پر عائد شدہ ذلت و مسکنت کی سزاؤں کو بھی اُن پر نافذ رکھا جائے اور ان کی فطری سرکشیوں سے انسانی معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر وقت انہیں محکوم اور تابع فرمان رکھا جائے ورنہ کسی بھی وقت وہ انسانی معاشرے کے لیے باعثِ فساد بن سکتے ہیں۔

❹ یہودیوں کی جن سرکشیوں اور معصیتوں کی وجہ سے انہیں ذلت و مسکنت کی سزائیں دی گئی ہیں، چاہے وہ موقّت ہوں یا موبّد بہر حال قرآن شریف کے اِن متعدد مقامات کو دیکھنے سے ان کی فہرست وشمار کچھ اس طرح معلوم ہورہی ہے:

Ⅰ اسلامی مبلغین و مصلحین اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ و نصائح کو اپنے دنیوی مفادات کے خلاف سمجھ کر اُنہیں شہید کرنا۔

Ⅱ کبیرہ گناہوں پر مداومت و ہمیشگی کرنا۔

Ⅲ مذہبی قیادت کے ہاتھوں کتاب اللہ کے احکام کی اپنے مفادات کے مطابق من پسند تاویل و تحریف کرنا اور عوام کا اُن کے اتباع میں کتاب اللہ کی تعلیمات سے منحرف ہو کر اجتماعی معصیتوں میں مبتلا ہونا۔

Ⅳ تحفظ حقوق اور حریت کی زندگی حاصل کرنے کے لیے قربانی دینے سے کترانا۔

۷ کتاب اللہ اور شریعت پر ایمان کے مدعی ہونے کے باوجود عملی زندگی میں اس کے خلاف ہو کر غداری و عہد شکنی میں مبتلا ہونا۔

۷۱ دُنیوی مفادات و شخصی تحفظات کو ہی مقصد حیات سمجھ کر ان کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو پامال کرنا۔

اِن میں سے ہر ایک انفرادی طور پر بھی سبب زوال اور ذلت و مسکنت کا موجب ہے چہ جائیکہ جب یہ سب یا ان میں سے کچھ اسباب اکٹھے کسی پیغمبر برحق کی شریعت پر ایمان کے مدعی اور اُمتی ہونے پر فخر کرنے والی اُمت میں نسلاً بعد نسلٍ بطور عرف و عادت موجود چلی آ رہی ہوں۔ اُنہیں اِس کا احساس بھی نہ ہو رہا ہو، توبہ کر کے اصلاح احوال کی طرف توجہ دینے کی کوئی امید بھی باقی نہ ہو اور اِن دانستہ فسادکاریوں کے منحوس جراثیم کا انسانوں کے دیگر معاشروں و اقوام میں سرایت کر کے انسانیت کو نقصان و ضرر پہنچنے کا خطرہ بڑھ رہا ہو، ایسے میں ان دانستہ مجرموں کا قدرت کی طرف سے مقررہ مجازات اعمال کے نتائج سے بچ نکلنے کا تصور ایسا ہی بے بنیاد ہے جیسے کوئی نارمل انسان زہر کھانے کے بعد بھی موت سے بچ نکلنے کی اُمید کرے۔

۸ سورۃ اعراف، آیت 167 میں "وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ" یعنی جب تیرے پروردگار نے قیامت تک ان پر ایسوں کو مسلط کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا جو انہیں بدترین تکلیفوں کے ساتھ دوچار کریں گے۔

ذلت و مسکنت کی جو موبد سزائیں ان کے لیے سورۃ بقرہ میں بیان ہوئی تھیں اِس آیت کریمہ میں اُن سزاؤں کو اُن پر نافذ کرنے والی مقتدرہ قوتوں کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے چاہے وہ موحد ہوں یا مشرک، اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب اور مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

۹ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ اِن سزاؤں کے بیان سے متعلقہ قرآن شریف کی مذکورہ آیات و مقامات کو یکجا کر کے دیکھنے سے جو قدر مشترک اور حاصل مطلب یقینی طور پر

دل ودماغ میں راسخ ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جن جرائم کی بنیاد پر اُنہیں یہ سزائیں دی گئی ہیں اُن کے ارتکاب کرنے والے، نیز اُن مجرم اسلاف پر یا اُن کے اِن جرائم پر فخر کرنے والے، نیز اُن پر راضی ہونے والے یہ سب کے سب ذِلّت ومسکنت کی ابدی سزاؤں کے مستحق ہو کر کثیر تعداد میں ہونے اور سب سے زیادہ اہل ثروت ہونے کے باوجود قیامت تک من حیث القوم اقوام عالم کی صف میں صاحبِ اقتدار اور حسبِ منشاء سربلندی کی زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہوں گے۔

اِن تمہیدی معلومات کو سمجھنے کے بعد یہودیوں کے حوالہ سے موجودہ دُنیا کے معروضی حالات کے پیش نظر پیدا ہونے والے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف نے جہاں یہودیوں پر ذلّت ومسکنت کا ذکر کیا ہے وہاں اِس سے بچنے کی صورتیں بھی بتائی ہیں، جیسے فرمایا:

''اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ''(۱)

یعنی اگر اپنے اسلاف کے اِن جرائم پر فخر کرنے کے بجائے اُن سے بیزار ہو کر نظامِ مصطفی ﷺ کی بنیاد (کلمہ توحید) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه'' کا التزام کریں تو ذلت کی زندگی سے نکل کر عزت کی زندگی میں بھی قدم رکھ سکیں گے۔

اِسی طرح اگر خود کو سب سے اعلیٰ وبرتر سمجھنے اور دوسری اقوام کو اپنی خدمت کے لیے پیدا شدہ مخلوق ہونے کے بے بنیاد تصور کے تحت اُن کے حقوق کو پامال کرنے، اُن کے اموال کو ناجائز ذرائع سے ہتھیانے کو اپنے لیے جائز سمجھنے اور خود کو بے حساب وکتاب سمجھنے کے گھمنڈ سے نکل کر معاشرتی مساوات حقوق کی بنیادوں پر کچھ اقوام کے ساتھ سیاسی عہد وپیمان کرنے کی صورت میں بھی ذلت کی زندگی سے نکل سکتے ہیں۔

جب ہم ان دونوں استثنائی حالتوں کے تناظر میں اِس سرکش قوم کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو نہ صرف موجودہ اسرائیل کی شکل میں بنی اسرائیل کا اقتدار نظر آتا ہے بلکہ اس سے پہلے بھی

۱۔ آل عمران:112۔

اِس قوم کے اُن حضرات نے من حیث القوم صاحب اقتدار ہو کر سربلندی کی زندگی گزاری ہے جو اِن جرائم و معصیتوں سے پاک تھے، جنہوں نے ''حبل اللّٰہ'' یعنی اللہ کے دین اور نبی اللہ کی شریعت کو معیارِ حیات بنالیا تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا'' (۱)

یعنی ہم نے انہیں بڑی سلطنت دی تھی، جیسے حضرت داوٗد و سلیمان علیٰ نبینا و علیہما السلام نے بالترتیب عرصہ دراز تک بشمول بنی اسرائیل اُس وقت کے دیگر اقوام پر بھی پُر وقار حکومت کی تھی۔

دو نسلوں پر مشتمل اِس طویل دورانیہ میں من حیث القوم بنی اسرائیل و یہود کی اُن سرکشیوں کا کوئی ثبوت کسی بھی قابلِ یقین مآخذ سے نہیں ملتا۔ اسی طرح حضرت سیموئل پیغمبر کی ہدایات کے مطابق طالوت کے کمان میں مشرکین کو شکست دینے جس میں حضرت داوٗد نے مدمقابل مشرکین کے سالارِ اعلیٰ (جالوت) کو قتل کر کے فتح یابی کا سامان بنا دیا تھا جس کے بعد عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کو من حیث القوم سیاسی اقتدار اور عزت کی زندگی میسر رہی تھی۔

اِسی طرح زمانہ اسلام میں بھی یہودیوں میں سے جن لوگوں نے حبل اللہ یعنی نظام مصطفیٰ ﷺ کو تسلیم کر کے دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے اُن کا شمار بھی مسلم اُمت میں ہونے لگا اور جملہ مسلمانوں کو جو حقوق حاصل تھے بلا تخصیص وہ سب کے سب اُنہیں بھی حاصل رہے۔ یہی حال دوسری استثنائی صورت کا ہے جیسے مدینہ شریف میں مقیم بنو قریظہ و بنو نضیر اور بنو قینقاع قبل از اسلام مدینہ شریف کے دو عرب قبائل (بنو خزرج و بنو اوس) کے ساتھ اُس وقت کے ماحول کے مطابق معاہدہ کے تحت تمام معاشرتی حقوق میں مساوی حیثیت سے عرصہ دراز سے عزت کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسی طرح زمانہ اسلام میں نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ معاہدہ کے تحت ہر طرح کی پُرسکون زندگی گزارنے کے تمام مواقع انہیں میسر تھے جب تک انہوں نے اپنی موروثی بدباطنی یعنی

۱۔ النساء:54۔

غداری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اُس وقت تک اِس ''حبل النّاس'' یعنی پیغمبر اسلام رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کے مفید و باعثِ اعزاز ثمرات سے مستفید ہوتے رہے۔ کاش! وہ اپنے خبث باطن کو عمل میں نہ لاتے اور رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ طے شدہ معاہدہ پر مستقیم رہتے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے دنیوی ثمرات کو وہ سب سے زیادہ سمیٹتے اور وہ مصائب و ذلتیں کبھی ان پر نہ آتیں جو عہد شکنی کے نتیجہ میں اُنہیں بھگتنا پڑے۔

یہودی ریاست کا قیام

1948ء سے قائم یہودی ریاست (اسرائیل) کے حوالہ سے بھی یہودیوں کا یہی حال ہے کہ عرصہ دراز سے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کی طویل المیعاد سازشوں کی تکمیل کے بعد تاج برطانیہ کی سرکردگی میں بشمول امریکہ مغربی طاقتوں نے سابق سلطنتِ عثمانیہ کے زیرنگین مشرق وسطیٰ کے عرب مسلمانوں کے اسلام کے نام پر دوبارہ منظم و متحد ہو کر تحفظ حقوق کا جہاد شروع کرنے کے متوقع خطرہ سے بچنے کی پیش بندی کے طور پر طویل المیعاد منصوبہ بندی کے تحت دنیا بھر کے یہودی وڈیروں کے ساتھ سیاسی معاہدہ کے تحت انہیں عرب اقوام کے دل پر بچھو بنا کر بٹھا دیا تا کہ ایک طرف عسکری انداز سے انہیں ہر وقت ڈستا رہے تو دوسری طرف فری میسن جیسے خفیہ اداروں کے ذریعہ سلطنتِ عثمانیہ کی تحلیل و تباہی کے لیے ماحول تیار کرنے کے تجربے کو دوبارہ دُہراتے ہوئے چالاک یہودی اپنے خفیہ اداروں کے ذریعہ اِن برائے نام اسلامی ممالک کے ارباب اختیار کو عملی اسلام سے منحرف کر کے مغرب کا تابع بنائے، نام کے مسلمان کام کے انگریز بنائے، مزاجِ اسلام سے دور کر کے خواہشات نفس کے اسیر بنائے اور یہود و نصاریٰ کے اس سیاسی اتحاد کو نفسیاتی حربہ کے طور پر استعمال کر کے انہیں ذہنی طور پر مغلوب، بے ہمت، بے حمیت اور ذاتی مفادات کے پجاری بنائے۔ اِس طرح سے اسرائیل کے ساتھ اس سیاسی معاہدہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کے

اپنے ہی غموں میں مبتلا کر کے ان کے دوبارہ متحد و منظم ہونے کے غم سے بے غم ہو کر جہاں ان کے مادی وسائل پر قبضہ جما کران کا اقتصادی استحصال کیا وہاں انہیں اسلامی ثقافت اور مزاج اسلام سے بھی بیگانہ کر کے تابع اقدارِ غیر بنا دیا یعنی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

تثلیث پرستوں کے ساتھ سیاسی معاہدہ کے تحت یہودی اسٹیٹ (اسرائیل) کو تشکیل دینے کے پس منظر میں انگریز استعمار کے اِن ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لیے کوششوں کا آغاز تو پہلی جنگ عظیم سے بھی پہلے ہو چکا تھا لیکن سلطنت عثمانیہ کے گرتے ہوئے ڈھانچہ کا ظاہری وجود اِن کے اظہار کی راہ میں سیاسی رکاوٹ بنا ہوا تھا، جو دوسری جنگ عظیم کے اختتام اور سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہونے کے ساتھ ہی ختم ہوا ورنہ اس یہودی سٹیٹ کے قیام کا اعلان اُس وقت کی سپر طاقت (برطانیہ سرکار) کی طرف سے 14 مئی 1948ء کو جو کیا گیا تھا وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا نہ ہی اس قسم کے تاریخی کاموں کو وجود میں لانے کا فیصلہ کرنا بغیر معاہدوں اور طویل المیعاد منصوبہ بندیوں کے ممکن ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مستقبل کو اس یہودی سٹیٹ کے ذریعہ ہمیشہ کے لیے مفلوک الحال بنا کر اُن سے بے فکری حاصل کرنے کے لیے برطانیہ کے تجربہ کار اور مسلمانوں کی تاریخ سے آگاہ تثلیث پرستوں کی طرف سے یہودی وڈیروں کے ساتھ پہلی جنگ عظیم کے بعد سے ہی خفیہ معاہدوں کے ثبوت پر جو شواہد و قرائن دلالت کر رہے ہیں اُن میں جنگ عظیم اول و دوم کے درمیانی عرصہ یعنی 1914ء تا 1939ء کے دورانیہ میں یہودی وڈیرے فلسطین میں زمینوں کے حصول کے لیے جو کوششیں کرتے رہے اُس میں برطانیہ سرکار کے اہل اقتدار کی طرف سے اُن کی ہر طرح مدد کرنا، اہل فلسطین کو زمینوں کی زیادہ قیمت کا لالچ دے کر یہودیوں کے ہاتھوں فروخت کرانے میں کردار ادا کرنا اور یہودیوں کے ہاتھوں فروختگی زمین کے عدم جواز پر علماء حق کے شرعی فتوی کے مقابلہ میں تثلیث پرستوں کا علماء سوء اور درباری مشائخ سوء کے جوازی فتوؤں کو اپنے

خفیہ اداروں کے ذریعہ تشہیر کر کے فلسطینی مسلمانوں کو دھوکہ دے کر یہودیوں کے ہاتھوں زمینوں کو فروخت کرانا، نیز خفیہ ڈیل کے تحت کچھ زمینیں یہودیوں کے قبضہ میں آنے کے بعد اُس وقت کی برطانیہ سرکار کا سلطان عبدالحمید ثانی کو یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری اور تعمیرات کرانے کی اجازت دینے پر مجبور کرنا، بعدازاں اجازت نہ ملنے کی صورت میں خفیہ اداروں کے ذریعہ اُن کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا۔ نیز برطانیہ سرکار کا سلطان عبدالحمید ثانی کو ارضِ فلسطین سے متعلق "معاہدہ عمریہ" کو منسوخ کرنے پر مجبور کرنا جس کی رو سے ارضِ فلسطین میں یہودیوں کی مستقل سکونت و آبادکاری ممکن نہیں تھی کیوں کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن خطاب ﷺ کے دور میں جب یروشلم فتح ہوا تھا تو وہاں پر آباد اُس وقت کے عیسائیوں نے بیت المقدس کی چابیاں اِس شرط پر حضرت عمر ﷺ کو دی تھیں کہ کبھی بھی یہودیوں کو اِس علاقے میں آباد ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ حضرت عمر فاروق ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے عیسائیوں کی یہ شرط منظور کر کے صرف اسی ایک نکاتی شرط پر اُن کے ساتھ تحریری معاہدہ کر کے بیت المقدس کی چابیاں اُن سے لی تھیں، چنانچہ یہ معاہدہ تاریخ کے اوراق میں "معاہدہ عمریہ" کے نام سے مشہور ہے۔

اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کے بدترین ادوار کے سلاطین اسلام کے ہاتھوں شخصی اقتدار کے استحکام و استبداد کے لیے اسلاف کے بہت سے فیصلوں کو توڑنے، احکام کو بدلانے، اسلامی طریقوں کو پامال کرنے اور درباری علماءِ سوء و مشائخ سوء کے ذریعہ قرآن وسنت کی من پسند تاویلیں کرا کرا اسلامی احکام کو بگاڑنے کے جملہ جرائم کے باوجود مسلمانوں پر مسلط کسی بھی شخصی سلطنت کو اس "معاہدہ عمریہ" کو تبدیل ومنسوخ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی تھی لیکن برطانیہ کے تثلیث پرست سرکار نے جو چرچ کی پابندی سے آزاد تصورِ اقتدار پر استوار تھی، اس بارہ سو سالہ قدیمی معاہدہ کو محض اس وجہ سے منسوخ کرانے کی جسارت کی کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے ساتھ کئے گئے خفیہ معاہدہ کی تکمیل کرا سکے، یہودیوں کو ارضِ مقدس (فلسطین) میں آباد کرا سکے، یہودی ریاست قائم کرا کر اس کے ذریعہ اپنے سیاسی و اقتصادی عزائم کی تکمیل کرا سکے۔ اِس کے

علاوہ 14 مئی 1948ء کو اس یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کرانے کے بعد بھی چرچ کی تعلیمات وہدایات سے مطلق العنان وآزاد ارباب اقتدار تثلیث پرست برطانیہ کی طرف سے عربوں کے سینہ پر بٹھائے گئے اس بچھو کی سرپرستی کرتے رہنے کے واقعات ومشاہدات یہ سب کچھ 1914ء تا 1939ء کے دوران میں اُس وقت کی سپر طاقت (برطانیہ) اور یہودی زعماء کے مابین خفیہ معاہدہ کے ثبوت پر دلالت کرنے والے شواہد وقرائن ہیں' جس کے نتیجے میں قرآن شریف کے (وحبل من الناس) کی استثنائی صورت کی عملی تصدیق ہورہی ہے۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ اِن دوعظیم جنگوں کے نتیجہ میں جس طرح عالمی حالات بدل گئے اسی طرح اِس سپر پاور پر بھی کافی حدتک زوال آیا۔ اِسے اپنے مقبوضات چھوڑنے پڑے اور استعماری مشن کو امریکہ کے حوالہ کرکے اسے خود کو سمیٹ کر محدود ہونا پڑا۔ جس کے بعد اِس یہودی ریاست (اسرائیل) کے حوالہ سے جدید سپر پاور (امریکہ) ابتک وہی کردار ادا کرتا آرہا ہے جو اس کا پیشرو کرتا رہا۔ الغرض یہودیوں کے حوالہ سے دنیا کے معروضی حالات کا موجودہ نقشہ قرآن شریف کی بتائی ہوئی استثنائی صورت (وحبل من الناس) کی عملی تصدیق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہودیوں کا ذلت ومسکنت کی زندگی سے بچنے کے لیے اِن دو استثنائی صورتوں کے علاوہ کوئی اور شکل قطعاً نہیں ہے۔ قرآن شریف میں " وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ " (۱) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم (بنی اسرائیل) میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کے مطابق دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں اور حق کے ساتھ صراط مستقیم پر رواں دواں ہیں۔ ﴿۱﴾

سورۃ آل عمران، آیت 113 تا 115 تک بنی اسرائیل کے جن معتدل اور پاکیزہ اوصاف کے حامل ہوکر مقبول عنداللہ وعندالناس ہونے کا ذکر آیا ہے، وہ سب کے سب 'اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ'' کے مظاہر ہیں جبکہ 'حبل اللہ'' کی ڈوری اپنے گلے میں ڈالے بغیر جب کبھی بھی اُنہیں ذلت ومسکنت سے محفوظ زندگی میسر آئی ہے یا موجودہ اسرائیلی ریاست کی شکل میں انہیں میسر ہے یا

۱۔ الاعراف:159۔

ہوسکتا ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں امریکہ کی صدارت پر بھی کوئی یہودی فائز ہو جائے، یا دنیا کے کسی اور خطے میں بھی اسرائیل کے علاوہ کوئی اور یہودی ریاست دوسری حکومتوں کے ساتھ جدید معاہدہ اور سیاسی گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں تشکیل پائے تو یہ تمام کے تمام معروضی یا متوقع حالات ''حَبۡلٍ مِنَ النَّاسِ'' کے الفاظ میں پوشیدہ صورتوں کی عملی تفسیر اور قرآن شریف کی عملی تصدیق کے مظاہر کے زمرہ میں شامل ہیں۔

خلاصۃ الجواب بعد التفصیل:۔ جب تک یہودی اللہ کے دین اور پیغمبر برحق کی شریعت کو دل سے تسلیم کر کے اسے اپنی عملی زندگی کا معمول نہیں بناتے یا دوسری قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاہدہ کے تحت زندگی گزارنے کا فیصلہ نہیں کرتے اُس وقت تک اُن کے مذکورہ جرائم کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر عائد کردہ ذلت و مسکنت کبھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اپنے اسلاف کے جرائم پر فخر کرنے کا یہ انجام بد اور مطابق جرم سزا کا یہ منحوس سایہ لازمہ ہر دور اور ہر زمان و مکان میں ان کے لیے چولی دامن کا ساتھ رہے گا۔ علم منطق و معقولات کو قرآن فہمی کے لیے بطور آلہ استعمال کرنیوالے اہل علم حضرات کی خوشدلی کے لیے زیر نظر سوال کے تفصیلی جواب کا خلاصہ قضیہ موّجہہ مرکبہ عرفیہ خاصہ کی شکل میں یوں پیش کیا جائے تو ان کی ضیافت طبع سے خالی نہیں ہوگا کہ:

''اَلۡیَھُوۡدُ الۡمُفۡتَخِرُوۡنَ بِجَرَآئِمِ اَسۡلَافِھِمۡ یَدُوۡمُوۡنَ فِی الذِّلَةِ وَالۡمَسۡکَنَةِ مَادَامُوۡا مُفۡتَخِرِیۡنَ بِھَالَادَآئِمًا''

یعنی یہودی جب تک اپنے اسلاف کے جرائم پر فخر کرتے رہیں گے اس وقت تک ہمیشہ ذلت و مسکنت میں رہیں گے اور اِس کے بغیر کسی بھی وقت یہ حکم ان سے مرتفع ہوسکتا ہے۔

اِس صورت میں اول حصہ یعنی ''اَلۡیَھُوۡدُ الۡمُفۡتَخِرُوۡنَ بِجَرَآئِمِ اَسۡلَافِھِمۡ یَدُوۡمُوۡنَ فِی الذِّلَةِ وَالۡمَسۡکَنَةِ مَادَامُوۡا مُفۡتَخِرِیۡنَ بِھَالَادَآئِمًا'' جو اصل قضیہ عرفیہ عامہ ہے اور مقید ہے لادوام ذاتی کی قید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرمان'' ضُرِبَتۡ عَلَیۡھِمُ الذِّلَّةُ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡآ '' کا

حاصل مدعا و مدلول ہے جبکہ دوسرا حصہ یعنی "قید لا دائما" کا مدلول جو قضیہ مطلقہ عامہ ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" کا حاصل و مدلول ہے۔

یہودیوں کو دی گئی سزاؤں میں مسلمانوں کے لیے سبق

الغرض قرآن شریف کا دنیائے انسانیت کے لیے کتاب ہدایت ہونے کے حوالہ سے سرکش یہودیوں کے مذکورہ جرائم کی سزائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے من حیث القوم ان پر عائد کردہ ذلت و مسکنت پر مشتمل ان آیات قرآنیہ میں مسلمانوں کو جو سبق دیا گیا ہے، وہ یہی ہے کہ قرآن شریف پر بطور ضابطہ حیات، نظامِ مصطفیٰ علیہ پر بطور دستور العمل اور ذاتِ مصطفیٰ علیہ پر بطور رہبر و ہادی، ایمان لانے کے مدعی اور ان کے اُمتی ہونے پر زبانی افتخار کرنے کے باوجود عملی زندگی میں ان کے احکام کو پامال کرنے، ان کی پسند کو ناپسند کرنے اور ان کی ناپسند کو اپنی ذاتی زندگی کا معمول و عادت بنانے والے جھوٹوں کو کسی بھی وقت اسی طرح کی سزائیں دی جاسکتی ہیں، جیسے فرمایا:

"وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ" (۱)

یعنی گزشتہ معصیت کاروں کو جو سزائیں دی گئی ہیں وہ ان کے ہمکار اور ہم کردار دوسرے معصیت کاروں سے بعید نہیں ہیں۔

اور دوسری جگہ فرمایا: "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ" (۲)

یعنی بعث بعد الموت پر یقین رکھنے والوں کے لیے گزشتہ معصیت کاروں کو دی گئی ان سزاؤں میں عبرت ہے۔

نیز فرمایا: "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ" (۳)

۱۔ ھود:83۔

۲۔ ھود:103۔

۳۔ ق:37۔

یعنی فطرت کے مجرموں کو دی گئی اِن سزاؤں کے بیان کرنے میں ان لوگوں کو نصیحت ہے جن کے دل خواہشات کے ہاتھوں مغلوب النفس ہونے سے محفوظ ہیں یا حق و باطل کی تمیز کرنے کی غرض سے کان لگا کر سننے کے خواہش رکھتے ہوں۔

قرآن شریف کی اس قسم متعدد آیات سے مسلم اُمت کو یہی تعلیم دی جا رہی ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کو بطور نظام حیات معمول بنانے کا عہد و پیمان کرنے کے بعد عملی زندگی میں اسے نظر انداز کرنے، اُس کی تعلیمات سے منہ موڑنے اور سیرت رسول کو رہبر و رہنما بنانے کی بجائے اغیار کی تقلید کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنیوالے جھوٹوں کا انجام ذلت و مسکنت اور زوال و محتاجی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا، جیسے فرمایا:

''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی O قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا O قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی''(۱)

یعنی مسلم قومیت اور ایمان بالقرآن کے مدعی ہونے کے باوجود عملی زندگی میں قرآنی تعلیمات و احکام کے خلاف زندگی گزارنے والے جھوٹوں کا انجام ذلت و زوال اور تنگی و محتاجی کی شکل میں ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ روز قیامت میں بھی انہیں عزت و سربلندی کی زندگی دیکھنے سے محروم اور اندھے کر کے اٹھائیں گے۔ ہر طرف سے پھیلی ہوئی مایوسی کا یہ عالم دیکھ کر وہ چیخ اٹھیں گے کہ خدایا! راحت و عزت کی زندگی دیکھنے سے محروم اندھا بنا کر ہمیں کیوں اٹھایا گیا جبکہ دنیا میں ہمیں بینائی حاصل تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بات ایسی ہی ہے کہ دنیا میں تمہیں بینائی حاصل تھی لیکن اُس بینائی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہماری ہدایات و تعلیمات بھی تمہارے پاس آئی تھیں جنہیں چھوڑ کر تم نے خواہشات نفس کی پیروی کی تھی، اسی طرح آج تمہیں بھی رحمت و راحت کی زندگی سے محروم چھوڑا جاتا ہے۔

۱۔ طٰہٰ: 124 تا 126۔

اسی طرح فرمایا: ''وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَاَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ○ وَاَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِينَ'' (۱)

یعنی تم اُن بنی اسرائیل کی طرح مت بنو جو تعلیمات انبیاء کا اُن کے پاس آنے کے بعد خواہشات نفس کا شکار ہو کر باہمی اختلاف وافتراق میں مبتلا ہو گئے تھے، اُن کے لیے اُس دن بڑا عذاب ہوگا جس دن بہتوں کے چہرے سفید ہوں گے اور بہتوں کے سیاہ ہوں گے تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے تو ان سے یہ کہہ کر توبیخ کی جائے گی کہ کیا تم نے پیغمبر کے لائے ہوئے نظام حیات پر دعویٰ ایمان کرنے کے بعد منکروں جیسے عمل کیے تھے، اے عادی مجرمو! اپنے کیے کی سزا بھگتے رہو۔

ایک اشتباہ کا ازالہ

یہاں پر یہ اشتباہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف کی ان دونوں آیتوں کو پیغمبری نظام حیات کو تسلیم کرنے کے بعد عملی طور پر اُس کے خلاف کرنے والوں پر منطبق کرنا، ان کی مشہور تفسیر اور علماء کرام کے عام تاثر کے ساتھ متصادم ہے اِسلیئے کہ طبقہ علماء میں اِس قسم آیات قرآنیہ سے متعلق جو تاثر پایا جاتا ہے وہ یہی کچھ ہے کہ اِس سے مراد منکرین قرآن ومنکرین نظام پیغمبری ہیں، عام اس سے کہ یہ کفار و منکرین نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی اُمت دعوت میں ہوں یا آپ ﷺ سے پہلے انبیاء سابقین کے دعوتی اُمتی ہوں، بہرصورت اِن تمام مقامات میں اِس سے مراد کفار و مشرکین ومرتدین ہی بتائے جاتے ہیں اور اکثر مفسرین کرام نے بھی اس کا مصداق کافروں کو ہی

۱۔ آل عمران:105 تا 108۔

قرار دیا ہے۔جیسے تفسیر قرطبی میں ہے:

''اَیْ دِیْنِیْ وَتِلَاوَتَ کِتَابِی''(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منہ پھیرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے دین کو نہیں مانتے اور اُس کی کتاب کو تلاوت نہیں کرتے ہیں۔

تفسیر جلالین میں لکھا ہے:''اَیْ الْقُرآنَ فَلَمْ یُؤْمِنْ بِہٖ''

یعنی ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ ''میں ذِکرُ اللہ سے مراد قرآن شریف ہے اور اس سے منہ پھیرنے والوں سے مراد کفار ہیں جو اُس کے برحق کتاب اللہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے۔

تقریباً یہی حال سورۃ آل عمران میں مذکورہ آیت 105 تا 108 کے تحت مفسرین کرام کی تشریحات وتوضیحات کا ہے کہ اکثریت نے اِن بدانجاموں سے مراد کفار ومشرکین ومرتدین یا یہود ونصاریٰ لیا ہے جبکہ یہاں پر زیرِ نظر مضمون میں اِن سے مراد پیغمبری نظام حیات کو تسلیم کرنے کے بعد عملی طور پر من حیث القوم اُس کے خلاف زندگی گزارنے والے عملی منافقین لئے گئے ہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے قرآن شریف کے اِن مقامات کو محض عملی منافقین اور پیغمبری نظامِ حیات کو تسلیم کرنے کے بعد عملی زندگی میں اُس کے ساتھ غداری کرنے والے بد انجاموں کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے بلکہ قرآن شریف کے اِن مقامات کو عمومی الفاظ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہیں کفار ومشرکین سے لے کر مرتدین تک اور اعتقادی منافقین سے لے کر عملی منافقین تک۔نیز یہود ونصاریٰ سے لے کر پیغمبری نظام حیات کو تسلیم کرنے کے بعد عملی زندگی میں اُس کے ساتھ غداری کرنے والی قوموں تک سب کو شامل سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ''(۲) کے مطابق بطور تذکیر بایام اللہ یہودیوں کا اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

۱۔ تفسیر قرطبی،ج:6،ص:258۔

۲۔ ابراھیم:5۔

شریعت پر ایمان لانے کے مدعی ہونے کے باوجود عملی زندگی میں اُس کے ساتھ غداری کرنے کی پاداش میں قدرت ایزدی کے خودکار عادلانہ نظام فطرت کے تحت ذلت و مسکنت کی سزاؤں کا مستحق ہونے کی طرح نبی آخرالزمان رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت کی موجودہ پستی و زوال اور من حیث القوم احتیاج و انحطاط کا اصل فلسفہ قرآن شریف کی اِن آیات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ جس سے مقصد ہمارا یہ ہے کہ جیسے یہودیوں کا دین موسوی کے ساتھ ایمان کے مدعی ہونے کے باوجود عملی زندگی میں اُس کے خلاف ہونا، کلمہ موسوی (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰه) پڑھ کر اس کے ضمن میں آنے والے احکام الٰہی کو پامال کرنا اور کلمہ پڑھنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کر کے دنیوی خواہشات کو خدائی احکام پر ترجیح دینے جیسے عوامل اُن کے لیے ذلت و مسکنت جیسی سزاؤں کے سبب بنے، اِسی طرح امت مسلمہ کا بھی نظام مصطفیٰ ﷺ پر ایمان کے مدعی ہونے کے باوجود عملی دنیا میں من حیث القوم اس کے خلاف زندگی گزارنا، کلمہ محمدی (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) پڑھ کر اس کے ماتحت مندرج خدائی احکام کو روند ڈالنا اور کلمہ طیبہ پڑھنے کی صورت میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کے ساتھ بے وفائی و عہد شکنی کرتے ہوئے من حیث القوم اُس کے برعکس روش اختیار کرنے جیسے اعمال اس کی موجودہ زبوں حالی کے فطری اسباب ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کلمہ موسوی کے غدار یہودیوں پر ذلت و مسکنت کی شکل میں مسلط کردہ سزاؤں کا اعلان اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر برحق احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ کی آخری کتابِ ہدایت (قرآن شریف) میں کر دیا جبکہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت اجابت میں من حیث القوم اِس طرح کی غداری کرنے والے بدانجاموں کے لیے اِن سزاؤں کا مجازاتِ اعمال کے منطقی انجام ہونے کو میزان عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے:

"وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ" (۱) یعنی اِس قسم کی سزاؤں کا ظالموں پر واقع ہونا اللہ

۱۔ ہود، 83۔

کے عدل سے بعید نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے۔

"ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ" (۱)

یعنی ان مجرموں کو یہ سزائیں ہم نے محض ان کے جرم و غداری کی وجہ سے دیں درآنحالیکہ ہم حقیقت کے مطابق سچے ہیں۔

جیسی آیتوں میں علت مشترکہ کو بیان کرنے کے بعد میزان عقل پر چھوڑ دیا کیوں کہ سلسلہ نبوت کے آخری تاجدار نبی آخر الزمان رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دروازہ نبوت کو بند کر کے آخری کتاب ہدایت قرآن شریف کی شکل میں نازل کرنے کے حوالہ سے اللہ کی رحمت اور اس کے عدل کا تقاضا یہی تھا کہ:

❶ قیامت تک نوع بنی آدم کی رہنمائی کے لیے دنیا کی تمدنی ترقی کے پیش نظر رونما ہونے والے نت نئے مسائل میں اُن کی رہبری کے لیے اور شیطانی حرکات و نفس امارہ کے وساوس سے بچا کر راہ استقامت اُنہیں دکھانے کے لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بناتا۔

❷ اس خاتم الکتب السماویہ کی تعلیمات و ہدایات کو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو جامع و آسان بناتا، سب کے لیے قابل فہم و قابل عمل بناتا۔

❸ اور ناقابل نسخ و ناقابل تبدیل ہونے کی بناء پر اپنے امر تکوینی کے مطابق اسے محفوظ و مامون بنا کر۔

❹ تمام انسانوں کو ماحولیاتی تحفظات و ترجیحات سے اپنے دل و دماغ کو خالی کر کے نارمل ذہن کے ساتھ اس میں غور و فکر کر کے اُس کے مامورات و ترغیبات پر عمل کرنے۔

❺ اور اُس کے منہیات سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک وجود میں آنے والے انسانوں پر اپنی رحمت و عدل کے مذکورہ تمام تقاضے پورے فرمائے ہیں۔ تقاضا اول کے متعلق فرمایا:

۱۔ الانعام، 146۔

"مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ"(۱)

یعنی ہم نے اس کتاب ہدایت میں قیامت تک آنیوالے مسائل میں سے کسی بھی مسئلہ کو بنیادی طور پر تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا ہے۔

تقاضا دوم کے متعلق فرمایا: "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ"(۲)

یعنی ہم نے اس کتاب ہدایت کو قیامت تک آنے والوں کی رہنمائی کے لیے آسان بنادیا ہے تو نصیحت پکڑنے والا ہے کوئی۔

تقاضا سوم کے متعلق فرمایا: "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا"(۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی بات کو سمجھنے یا اُس پر عمل کرنے کے لیے کسی کو اُس کی طاقت کی رسائی سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

تقاضا چہارم سے متعلق فرمایا: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ"(۴)

یعنی ہم نے ہی اس کتاب ہدایت کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

تقاضا پنجم کے متعلق فرمایا: "لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ"(۵)

یعنی ماحولیاتی تحفظات وترجیحات کی قیدوبند سے صاف وپاک ذہن سے اُس میں غوروفکر کرنے والے ہی اِس کی تعلیمات وہدایات اوراس کے علوم ومعارف کو پاسکتے ہیں۔

جائز وناجائز اورحق وباطل کی تمیز حاصل کرنے کے لیے انسانی عقل کی یہ جستجو، جس میں نفسانی خواہشات اور پہلے سے حاصل ذہنی ترجیحات یا ماحولیاتی تحفظات کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو،

۱۔ الانعام، 38۔

۲۔ القمر:17۔

۳۔ البقرۃ:286۔

٤۔ الحجر:9۔

٥۔ الواقعہ:79۔

ہمیشہ راہ استقامت پر منتج ہوتی ہے کیوں کہ یہ اصل فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ فرمایا "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ "(۱) یہی صحیح ، مصیب اور مقبول قیاس ہے، جس کا منبع و بنیاد اور محرک، عقل سلیم اور فطرت سلیمہ ہے جسے بعض مفسرین کرام اور صوفیاء عظام نے قلب سلیم کا مصداق قرار دیا ہے اور حافظ ابن تیمیہ نے اسے میزان سے تعبیر کیا ہے، گویا بانی اسلام رحمت عالم ﷺ پر دروازۂ نبوت کے بند ہونے اور قرآن شریف کے بعد آسمانی کتابوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے قیامت تک وجود میں آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کو بطور ضابطہ حیات تسلیم کرنے والوں کی ہر ظرف وجود میں ترقی و سربلندی کے لیے، نیز ہر جہاں کی رسوائی و پستی اور زوال و انحطاط سے بچنے کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات میں اِس طرح غور و فکر کرنے کا دائمی ، لازوال اور ناقابل تبدیل حکم دیا ہے کہ میزان فطرت و عقل سلیم جو ماحولیاتی اثر ، نفس امارہ کی خواہشات ، اندھی تقلید اور ذہنی ترجیحات کی قیود و بند سے پاک و آزاد ہے، کو عمل میں لاکر اُن پر غور کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا "(۲)

یعنی تمہیں نصیحت و تبلیغ کرنے کا انداز میرا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ میں تم کو اکیلے اکیلے اور دو دو ہو کر خواہشات و ترجیحات سے پاک و نارمل ذہن کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کوشش اور غور کرنے کی تبلیغ کرتا ہوں۔

نیز فرمایا: "اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ "(۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کا یہ عالم ہے کہ اُس نے اپنے پیغمبر برحق ﷺ پر واقعی کتاب

۱۔ الروم:30۔

۲۔ سباء:46۔

۳۔ الشوریٰ:17۔

ہدایت نازل کرنے کے ساتھ اُسے سمجھنے کے لیے انسانوں میں میزانِ عقل بھی پیدا فرمایا۔

نیز فرمایا: ''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ''(۱)

یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو واضح تعلیمات و ہدایات دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب ہدایت و میزان عقل کا نظام بھی بھیجا' تا کہ لوگ عدل و انصاف کے ساتھ فطرت سلیمہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

میزان کی تعریف و حقیقت

میزان عربی زبان کا لفظ ہے، ماہرین لغت عربی کی تصریحات و قوانین کے مطابق یہ ''مثال واوی'' ہے۔ باب ضَرَبَ یَضرِبُ سے مستعمل ہے اور اسم آلہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو حقائق اشیاء اور اُن کے مقادیر، جائز و ناجائز، حلال و حرام، کمی و بیشی اور مناسب و غیر مناسب کی تمیز کا ذریعہ ہو، چاہے روحانی طور پر ہو یا مادی طور پر، محسوس ہو یا معقول۔ یہ لفظ چاہے جس صیغہ و شکل میں بھی ہو اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے ہر معیارِ ممیّز کو شامل ہے۔ کتاب و سنت سے لے کر عقل و حواس تک، تجربہ سے لے کر مشاہدہ تک، مختلف علوم و فنون کے حوالہ سے مسائل کی تصحیح و تغلیط کے معیار سے لے کر حرارت و برودت کی پیمائش کے میٹروں تک اور حِلّت و حُرمت، جواز و عدم جواز کی تمیز کے لیے قائم کیے جانے والی شرعی دلیل سے لے کر لین دین اور خرید و فروخت کی چیزوں میں توازن قائم کر کے ایک دوسرے کی حق تلفی سے بچنے کے لیے استعمال ہونے والے ترازو جیسے مادی اشیاء تک، اس کے مظاہر و مصادیق میں شامل ہیں، جن میں سے ہر ایک کے مواقع استعمال و حقیقت ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو افراط و تفریط سے بچا کر راہ اعتدال و صراط مستقیم پر قائم

۱۔ الحدید:25۔

کرنے کے لیے جتنی ضرورت قرآن و سنت یا وحی اور شریعت کی ہے اتنی ہی اس میزان کی ہے۔ اِسی بنیاد پر میزان عقل کو مدار تکلیف قرار دیا گیا ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کسی حکم کے متعلق تکلیف نہیں دیتا۔ احکام شریعت اور میزان عقل کا تلازم ہے یعنی جہاں پر شریعت کا حکم ہوتا ہے وہیں پر میزان عقل بھی ہوتا ہے اور جہاں پر میزان عقل موجود نہیں ہوتا وہاں پر شریعت کا حکم بھی موجود نہیں ہوتا۔ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہونے کی بنیاد پر ہی خالق کائنات جل جلالہ نے سورۃ شوریٰ اور سورۃ حدید کی مذکورہ آیتوں میں میزان عقل کو اپنی کتاب کا قرین اور وزیر قرار دیا۔ کتاب اللہ کو قانون اور میزان عقل کو اُس کا منفذ و معرّف اور پہچان قرار دیا اور اس کی سچائی، افادیت، اعتدال اور استقامت معلوم کرنے کے لیے معیار ممیّز قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ''(۱)

دوسری جگہ فرمایا: ''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ''(۲)

اور تیسرے مقام پر فرمایا: ''وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ''(۳)

یعنی نظام اعتدال میں تمہاری طرف سے حکم عدولی نہ ہونے کے لیے آسمان کو اس کے حدِ اعتدال پر اُونچا رکھ کر اعتدال کا نظام طبعی مقرر کیا۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں انصاف کے ساتھ اعتدال و توازن قائم کرو اور نظام عدل میں نقصان کے موجب کوئی کام مت کرو۔

جس طرح محسوس اشیاء صرفہ کو تولنے کے ترازو میں اس کے طبعی اعتدال کے منافی کسی خارجی عمل کے داخل ہونے سے وہ بیکار و بے مقصد ہو کے رہ جاتا ہے، اسی طرح کتاب اللہ کے

۱۔ الشوریٰ:17۔

۲۔ الحدید:25۔

۳۔ الرحمن:7تا9۔

احکام و ہدایات اور جائز و ناجائز کو سمجھنے کے حوالہ سے میزان عقل کو اس کی طبعی و فطری حرکت پر خودمختار چھوڑنے کے بجائے پہلے سے زاویۂ ذہن میں موجود کسی نفسیاتی، تقلیدی یا ماحولیاتی اثر و ترجیح کا تابع بنا کر اس سے درست نتیجہ تک پہنچنے کی توقع کرنا بھی فضول ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ''کوے'' کو حلال سمجھنے کی ذہنی ترجیح دل میں لیے ہوئے اپنے میزان عقل کو قرآن و سنت کے نصوص پر صَرف کرے کہ اسے حلال ثابت کر سکے یا کبوتر کو حرام سمجھنے کے ذہنی رجحان کو ثابت کرنے کے لیے میزان عقل کو نصوصِ شریعت پر صَرف کرے۔ علیٰ ھٰذا القیاس، اس اندازِ حرکت سے جہاں پر بھی میزان عقل کا جھکاؤ ہوگا وہ اس کا اپنا عمل نہیں ہوگا بلکہ خارجی رجحان کا اثر ہوگا، اس کا فطری تقاضا نہیں ہوگا بلکہ غیر فطری رکاوٹ کا نتیجہ ہوگا اور اس کی اپنی خودمختاری و استقامت یا تقاضا طبع نہیں ہوگا بلکہ خارجی اور غیر طبعی عمل کا ثمرہ ہوگا۔ جس سے انسانیت کو بچانے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کی جملہ اُمت کو اِس ابدی دستورالعمل اور جامع نظام حیات سے واقعی استفادہ، فطری استقامت اور فکری راہنمائی حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہی بتایا ہے کہ پہلے سے زاویۂ ذہن میں موجود کسی ترجیح، خواہش اور تقلید جیسی قیدو بند سے پاک و صاف اور کھلے ذہن سے اس پر غور کر کے میزان عقل کو کسی خارجی رکاوٹ و کشش کے بغیر درست نتیجہ تک پہنچنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ سورۃ واقعہ کی مذکورہ آیت نمبر 79، سورۃ سباء کی مذکورہ آیت نمبر 46، سورۃ رحمٰن آیت نمبر 8-9، جیسے متعدد مقامات پر نظام مصطفیٰ ﷺ کے اس دستورالعمل کو سمجھنے کے لیے میزان عقل کو ہر قسم خارجی رکاوٹوں کے قیدو بند سے پاک و صاف، آزاد و مطلق اور نارمل رکھ کر اس سے استفادہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا نتیجہ سو فیصد درست و مستقیم ہوتا ہے کیوں کہ وہ تقاضا فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (۱)

۱۔ الروم:30۔

یعنی جس فطرت سلیمہ پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا قانونِ فطرت ہے جس میں فی الواقع تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے، اے سننے والے! تُو بھی اپنے ذہن کی توجہ کو خارجی قیدو بند کی رکاوٹوں سے آزاد کر کے اُسی کی طرف توجہ کر۔

نیز فرمایا: ''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ''(۱)

یعنی جن نیک بختوں کے میزان عقل واذہان سے اللہ تعالیٰ نے خارجی رکاوٹوں کے بندوں کو کھول کر انہیں فطرت سلیمہ کی روشنی نصیب فرمائی ہے، کیا وہ ان بدنصیبوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کے میزان عقل وذہنوں پر خارجی ترجیحات کے پردے پڑے ہوئے ہیں؟

نیز فرمایا: ''اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا''(۲)

یعنی کیا یہ لوگ قرآن کی آیتوں میں غور نہیں کرتے ہیں بلکہ اُن کے دلوں پر نفسانی ترجیحات کے قفل پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی اگر نارمل ذہن سے قرآنی آیات کے مضامین پر غور کر کے میزان عقل کو اس کی اپنی فطرت کے مطابق آزاد چھوڑ کر اس سے درست نتیجہ طلب کرتے تو ان کا قرآن کو سننا، پڑھنا اور اس پر غور وفکر کرنا درست نتیجہ پر ہی منتج ہوتا لیکن میزان عقل اور ذہنی آزادی کو ماحولیاتی اثر کا زنگ، نفسانی خواہشات یا پسند وناپسند کا پردہ اور تقلید کا قفل لگ جانے کے بعد اُسکا فطری عمل مسدود ہونے کی بنا پر اس کی حرکت وعدم حرکت، تدبر وعدم تدبر اور تفکر وعدم تفکر یکساں ہوتے ہیں، جیسے فرمایا:

''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ''(۳)

سورۃ یٰسٓ آیت نمبر 8 تا 10 میں حق شناسی کی راہ میں اس رکاوٹ اور میزان عقل کی حرکت میں اس بریک کو آزادی کے ساتھ گردن کو ہر طرف پھیرنے سے مانع گلے کے طوق کے

۱۔ الزمر:22۔

۲۔ محمد:24۔

۳۔ البقرۃ:7۔

ساتھ اور آگے پیچھے آزادی سے چلنے سے مانع دیوار کے ساتھ تشبیہ دے کر ارشاد فرمایا:

1 ''اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ○وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ○وَ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ''(۱)

یعنی خواہش نفس کو اصل بنا کر قرآن کو اس کے مطابق کرنے کے خواہش مندوں کی اس غلطی کو ہم نے ان کے گلے کا طوق بنا دیا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے کھلے ذہن سے سوچنا اُنہیں نصیب نہیں ہوتا اور اُن کی اس نفس پرستی کو ہم نے اُن کے آگے پیچھے ایسا روک بنا دیا ہے کہ وہ انہیں بصیرت تک پہنچنے نہیں دیتا۔

جبکہ اس مرض کے حصار سے آزاد، اس زنگ کی آلودگی سے پاک اور اس قفس کی قید و بند سے محفوظ کھلی فضا میں پرواز کرنے والے سلیم الفطرت انسانوں کے میزان عقل کے درست نتائج، ان پر کی جانے والی محنت کی کامیابی اور اُن کی حرکت فکری کی درست نتیجہ خیزی کے متعلق سورۃ یٰسٓ کی اِن ہی آیات کے بعد متصلاً ارشاد فرمایا:

2 ''اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِیْمٍ''(۲)

خواہشات نفس میں گھرے ہوئے ان لوگوں کو ان کا انجام بد یا د دلا کر نصیحت کرنا اور نہ کرنا یکساں ہے کہ انہیں بصیرت نصیب نہیں ہوگی۔ تمہارے اِنذار و تذکیر سے وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکیں گے جو خواہشات نفس کی بجائے میزانِ عقل کو اس کے خالق کا تابع بنا کر کلی طور پر اپنے آپ کو خواہشات نفس سے آزاد کر کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو گزشتہ کوتاہیوں کی بخشش اور باعزت اجر کی خوشخبری سنائیں۔

۱۔ یٰسٓ، 8تا10۔

۲۔ یٰس:11۔

قرآن شریف کتاب تذکیر ونصیحت

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُممِ ماضیہ یا اپنے برے کردار کی بنا پر مقہور و مغضوب قرار دی گئی اقوام کے متعلق اِس قسم کے جو بھی واقعات قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں اُن سے سبق حاصل کرنے اور اُن کو بیان کرنے سے قرآن شریف کے بنیادی مقصد کو سمجھ کر اُن حالات و جرائم سے مسلم اُمت کو بچانے کی تدبیر کرنے کی بجائے اِن واقعات کو اُن ہی اقوام کے ساتھ خاص اور حکایت برائے حکایت ہونے کا تاثر قائم کر کے اصل مقصد سے غفلت برتنے کے ساتھ اپنے آپ کو اُن سزاؤں سے محفوظ سمجھا جاتا ہے جو سوء فہم کے سوا اور کچھ نہیں ہے، ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے کے دعویٰ اور تورات و انجیل کے احکام کو تسلیم کرنے کے مدعی ہونے کے بعد اُن کے متضاد جن بدکاریوں، بدعملیوں اور من حیث القوم جن اجتماعی جرائم کا ارتکاب کیا تھا، جن کی سزائیں انہیں دی گئیں تھیں اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کی پیشن گوئیوں کے مطابق ایک دو کے سوا باقی وہ تمام کے تمام جرائم اُمت مسلمہ میں پائے جاتے ہیں۔

بات واضح ہے کہ جرم ہر دور کا جرم ہی ہوتا ہے اور جس جرم کے لیے جو بھی سزا من جانب اللہ قانون مجازات کے مطابق مقرر ہوتی ہے وہ سب کے لیے ہوتی ہے، جس میں وقت، قوم، ملک اور اشخاص کے حوالہ سے قطعاً کوئی تخصیص یا استثناء نہیں ہوتی۔ اللہ اور اس کے رسول نے کہیں بھی کوئی استثنائی صورت نہیں بتائی کہ ذلت و مسکنت اور بے وقاری و بدحالی کی جو سزائیں یہودیوں کو دی گئی ہیں اُن جرائم کے من حیث القوم مرتکب ہونے کی صورت میں منہ بولے مسلمانوں کو نہیں دی جائیں گی یا ان جرائم کے ارتکاب کے باوجود انہیں ترقی و عروج اور عزت و غلبہ کے مدارج میں فائز المرام کیا جائے گا۔ (حَاشَا وَ کَلَّا)

قرآن و سنت میں ایسی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے، یہ بھی نہیں ہے کہ محض مسلمان

کہلانے، محمدی جتلانے یا چند مخصوص عبادات کی بجا آوری کرنے کو قومی ترقی وعروج اور غلبہ اسلام کا سبب سمجھنے کے گھمنڈ میں رہنے والوں کو ان جرائم کی گرفت سے چھوٹ دینے کو کہا گیا ہو۔ جب مجازات اعمال کا قانون فطرت سب کے لیے یکساں ہے۔ ایک نوعیت کے جرم کی سزا بھی ہمیشہ ایک جیسی ہوتی ہے اور ہر جرم وعصیان کا قدرت کے نظام تکوینی کے عین مطابق اپنے اندر مخصوص سزاؤں کا حامل ہونا بھی اسلامی عقائد کا حصہ ہونے کے ساتھ ''وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ'' (۱) اور ''وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا'' (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ مجازات اعمال کے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ''اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ'' (۳) یعنی کیا مجرموں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ مجازات اعمال کی سزا سے محفوظ سمجھ رکھا ہے تو نقصان کار قوموں کے سوا ایسا گھمنڈ کسی اور کو نہیں ہوتا۔ جیسی متعدد آیات میں جو تہدیدات وترھیبات کی گئی ہیں ان سے سبق حاصل کر کے اپنے جرائم سے توبہ اور اصلاح احوال کرنے کی بجائے اِن سزاؤں کو محض یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین کے ساتھ مخصوص سمجھ کر خود کو اُن سے محفوظ و مامون تصور کرنا، نہ صرف قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ مسلمانوں کے موجودہ اخلاقی انحطاط اور قومی زوال میں بھی اس تصور کو بڑا دخل ہے۔ جس کی تفصیل میری دوسری تحریر ''اسباب زوالِ اُمت اور اُن کا علاج'' میں مذکور ہے۔ اِس حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کے شائقین کو چاہیئے کہ اسے پڑھ کر آگاہی کے بعد اس اُفتاد کے ازالہ کی طرف توجہ دیں جو سب کا اجتماعی فریضہ ہے۔ میں سو فیصد یقین سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے موجودہ مسائل وانحطاط میں قرآن وسنت کے حوالہ سے اہل علم حضرات کے سوءِ فہم کی اس غلط روش کو اتنا بڑا دخل ہے کہ غیروں کی سازشیں بھی اِس سے کم ہیں۔ (فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى)

۱۔ ھود،83۔

۲۔ فاطر،43۔

۳۔ الاعراف،99۔

11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعہ اور امریکہ کا اسامہ بن لادن کو بہانہ بنا کر افغانستان پر فوجی حملہ کرنے کے حوالہ سے پاکستان و امریکہ، طالبان و امریکہ اور اُسامہ بن لادن و امریکہ، ان تینوں عناصر کے تناظر میں اُمت مسلمہ کے مستقبل کے نشیب و فراز اور فدائی حملوں کی شرعی حیثیت معلوم کرنے کی غرض سے لکھے جانے والے اس مقالہ میں پاکستان و طالبان کی شرعی حیثیت کے ضمن میں عالمی سطح پر پھیلے ہوئے جہادی گروپوں اور عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ و استعلاءِ کلمہ کے لیے کوشاں جماعتوں کے کردار کے نشیب و فراز کہ کس حد تک اُن کا اندازِ عمل اسلامی اور کس حد تک غیر اسلامی ہے، سے متعلق گزشتہ صفحات میں جتنا کچھ ہم سپردِ قلم کر آئے ہیں اس سے ان تینوں عناصر کے حوالہ سے یا افغانستان پر امریکہ کے حملہ اور طالبان حکومت کے قصۂ پارینہ ہونے سے متعلق آئندہ لکھنے والوں کے لیے صحیح سمت کا تعین ہو سکتا ہے، نیز جہادی جماعتوں اور عالم اسلام کے ساتھ دردِ دل رکھنے والوں کو مستقیم حرکت کرنے کی رہنمائی مل سکتی ہے۔

عالم اسلام کے حوالہ سے امریکہ کا کردار

اُمتِ مسلمہ کو ہمارے اِس بیان سے یہ رہنمائی مل سکتی ہے کہ امریکہ جیسے غدار اسلام پر بھروسہ کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کی بجائے اپنے آپس ایک دوسرے کو اعتماد میں لیں اور اتحاد بین المسلمین کا عظیم فریضۂ اسلام اپنا کر صالح قیادت کے زیر کمان اسلام کو بطورِ نظامِ حیات لاگو کر کے اس کے مفید ثمرات، عملی امن و سکون اور بلا تخصیص تمام اقوام عالم کے حقوق کے ضامن ہونے کا امریکہ سمیت پوری دنیا کو مشاہدہ کرائیں، اور اس کی افادیت کی آواز و تبلیغ دنیا بھر میں پھیلائیں تاکہ بشمول امریکہ و یورپ کے لوگوں میں اسلام کا نور پھیل جانے کے بعد اُن ہی کے ذریعہ مقصدِ آمدِ اسلام (وَیکون الدین کلہ للّٰہ) کا عملی مظاہرہ ہو کر کرۂ ارض رحمت خداوندی کا گہوارہ بن سکے۔ اسے کہتے ہیں "سیخ جلے نہ کباب"۔ یہی مزاج اسلام ہے اور یہی سنتِ رسول ﷺ ہے جسے حکمت اور موعظہ حسنہ کہا گیا ہے۔ اِس کے برعکس اگر امریکہ پر اعتماد و انحصار کرنے کی

مسلمانوں کی موجودہ روش اسی طرح جاری رہی، جو عرصہ نصف صدی سے ہم دیکھ رہے ہیں تو عین ممکن ہے کہ وہ اِن برائے نام اسلامی حکومتوں کو اُن کے دنیا پرست سربراہوں کی مدد سے ایک ایک کرکے مطیع فرمان بنائے گا، اپنی کالونیاں بنائے گا اور انہیں باہم مشت و گریبان کر کے سب کو مفلوک الحال بنائے گا کیوں کہ عالم اسلام کے حوالہ سے امریکہ کا کردار نہایت تلخ و زہریلا رہا ہے۔ اس کا معاملہ نہ صرف افغانستان و پاکستان اور ایران و عراق کی بابت مشکوک ہے بلکہ پورے کا پورا عالم اسلام اس کے ہاتھوں مظلوم ہے۔ اِس سلسلہ میں اگر تفصیل کے ساتھ اُس کے مظالم کی داستان بیان کی جائے تو ہزاروں صفحات درکار ہوں گے۔ اُس کی غداریوں، بے وفائیوں، وعدہ خلافیوں اور دوستی کے پردہ میں دوسرے ملکوں کی پیٹھ میں چُھرا گھونپنے جیسے تمام جرائم کی طرف اشارہ کے لیے امام خمینی کے اس مشہور مقولہ پر اکتفاء کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ”دوستی با امریکہ ہمچوں دوستی گرگ و میش است“

الغرض افغانی علماء و جہادی کمانڈروں کے ساتھ دوستی کر کے جہاد کے نام پر انہیں بیوقوف بنا کر ان کے ذریعہ اپنے حریف (سابق سوویت یونین) کے حصے بخرے کرانے، اُسامہ بن لادن کو دوست بنا کر افغانستان میں لا کر اُس کی کئی ملین ڈالرز دولت کو افغانستان کے اندر اپنے مفاد میں صَرف کرانے کے بعد مسلمانوں کے خلاف سازش کے انکشاف ہونے پر اُس کی جان لینے کے درپے ہونا، عراق کے صدام حسین کے ساتھ دوستی کر کے اس کے ذریعہ اُس وقت کے نوزائدہ اسلامی ملک (ایران) کے اسلامی انقلاب کو ناکام کرنے کی غرض سے اس پر حملہ کرانا جس کے نتیجہ میں ہر دو طرف نقصان مسلمانوں کا ہی ہوا۔ اس سازش سے پردہ ہٹنے کے بعد صدام حسین کی طرف سے کویت پر مجنونانہ قبضہ کو بہانہ بنا کر عراقی مسلمانوں پر آہنی بارش برسا کر انہیں خون میں نہلانا، اسرائیل جیسے بچھو کو عربوں کے دل پر بٹھا کر اس کے ذریعہ فلسطینیوں کی نسل کُشی، عربوں کے سیاسی مستقبل کی تباہی اور عالم اسلام کا استحصال کرانا، فلپائن کے مظلوم مسلمانوں کے خلاف استعمار کا ساتھ دینا، اُسامہ بن لادن کا بہانہ بنا کر سابق سوویت یونین کے حصہ بخرے کرانے میں اپنے محسن

افغانیوں پر آتش و آہن برسا کر انہیں خون میں نہلانے جیسے واقعات مسلمانوں کے لیے ناقابل فراموش سبق ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک پر سینکڑوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس حوالہ سے جتنا کچھ بھی لکھا جائے وہ سب کے سب امام خمینی کے اس مقولہ کی تفسیر و تصدیق کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا یعنی۔

دوستی با امریکہ ہمچوں دوستی گرگ و میشہ است

طالبان اور امریکہ کے حوالہ سے اُسامہ بن لادن کا کردار

جب امریکہ افغان زعماء کو اپنے واحد حریف (سابق سوویت یونین) کے خلاف جہاد کے نام پر نچوا رہا تھا اور یہ زعماء میشہ کا کردار بن کر گرگِ جہان کے اصل عزائم سے بے خبر اس کی دوستی و تعاون کی خوشی میں ایک طرف ہمسایہ ملک (پاکستان) کے اندر دینی مدارس، عسکری تربیت گاہوں اور بااعتماد شخصیات کے نام پر غیر قانونی جائیدادیں بنانے میں، تو دوسری طرف اندرون افغانستان سے لے کر پاکستان میں افغان مہاجر بستیوں اور پاکستان کے دینی مدارس کے مدرسین و طلبہ تک افرادی قوت کو افضل الجہاد کے پُرکشش نام سے عسکری تربیت دے کر سابق سوویت یونین کے خلاف محاذوں پر بھجوانے میں مصروف تھے، گرگ کی خونخوار دوستی و امداد پر شاداں و نازاں زعماء کے اُن گرم دنوں میں امریکہ نے اپنی انتہائی بااعتماد شخصیت کو افغان کاز میں مزید کمک کے لیے اُسامہ بن لادن کی شکل میں ان کے پاس بھیج کر ان کی شادمانیوں کو دوبالا کر دیا۔ امریکہ کی اصل سازش سے بے خبر، جہاد اسلامی کے جذبہ سے سرشار اور استحکام اسلام کا درد دِل رکھنے والا اُسامہ ہر محاذ میں ان کے لیے مدد و معاون ہونے کے ساتھ ساتھ مفلوک الحال افغانیوں کے لیے بھی معاشی سہارا ثابت ہوا، جس وجہ سے بتقاضاء ''اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَان'' ان زعماء سے لے کر مہاجر بستیوں میں رہنے والوں تک اور عسکری محاذوں کے کمانڈروں سے لے کر عوام الناس تک جملہ افغانی ان کے مرہونِ احسان اور دلدادہ و مداح بنے بغیر نہ رہ سکے۔

کاش ! دُنیاوی مفادات کے یہ دنیاوی پجاری زعماء محض دنیاوی فوائد پر نظر رکھنے کی بجائے افغانستان کے شمالی خطوں کے زعماء وعسکری قائدین کے اصل نکتۂ اختلاف سے اسے آگاہ رکھتے۔ روس کی پسپائی کے بعد قیادت کے حوالہ سے پیدا ہونیوالے متوقع خطرات سے اپنے محسن کو باخبر رکھتے اور مجاہدین کے روپ میں افغانستان کی عسکری تربیت گاہوں میں دیگر ممالک سمیت ہمسایہ ملک (پاکستان) سے آنے والے اُجرتی قاتلوں، رہزنوں، سماج دشمن اور اشتہاری مجرموں کو داخلہ دینے کی غلطی اور عاقبت نااندیشی کا ارتکاب کرنے سے پہلے اُس سے مشورہ کرتے تو شاید وہ ان صاحب اختیار افغان زعماء کو سمجھا کر راہ مستقیم پر ڈالنے میں کامیاب ہوتا، جبکہ اقتدار کے حوالہ سے افغانیوں کے مخصوص مزاج سے ناواقف اور جذبہ جہاد سے سرشار اُسامہ بن لادن کو وہ اپنی تمام تر بے اعتدالیوں سے بے خبر رکھنے کے ساتھ سوویت یونین کے حصے بخرے کرنے کی طرح امریکہ کے بھی پرخچے اڑانے کے سنہرے خواب دنیا کو دکھاتے رہے جس پر مستزاد یہ کہ ہمسایہ ملک (پاکستان) کی مذہبی جماعتوں اور اسلامی درسگاہوں کی قیادت کی طرف سے معکوس الحقیقت گیدڑ بھبکیوں پر مشتمل بیانات سے وقتی طور پر اسے نفسیاتی تقویت ملتی رہی۔ انجام کار گرگِ جہاں کی اسلام مخالف سازشوں پر خرابی بسیار کے بعد مطلع ہونے والا اُسامہ بن لادن اپنے چند مخلص افغانی وعرب ہمکاروں سمیت ایسے چوراہے میں پھنس کر رہ گیا جہاں ۔نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

ایسے مشکل وقت میں امریکہ کے پرخچے اڑانے کے خواب دیکھنے والے اور سخی وفیاض اُسامہ کی دولت سے مفادات حاصل کرنے والوں کی طرف سے اس کے لیے محض سلامتی کی دعائیں اور دلی خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہ ہوسکا۔ یہ منظر ایسا ہی تھا جیسے واقعہ کربلا سے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

"حضرت امام عالی مقام سید الشہداء کے پاکیزہ قیام ومنصب کی بنا پر اہل کوفہ کے دل اُنہی کے ساتھ تھے لیکن یزیدی جبر وسطوت کا سامنا نہ کرسکنے کی وجہ سے ان کی تلواریں لشکر اشقیاء کے ساتھ تھیں۔"

میں اُس منظر کو کبھی نہیں بھولوں گا جب ۶ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ، بمطابق 22 نومبر 2001ء، گورنر ہاؤس پشاور میں سید افتخار حسین شاہ گیلانی گورنر سرحد نے علماء صوبہ سرحد کے اعزاز میں افطار پارٹی کا اہتمام کیا تھا، جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء مدعو تھے۔ دارالخلافہ کابل سے طالبان کی پسپائی اور عملی طور پر افغانستان پر طالبان کی گرفت و اقتدار کے خاتمہ کے پانچویں روز گورنر ہاؤس پشاور میں گورنر سرحد کے ساتھ علماء کرام کی اس نشست میں گورنر کی طرف سے طالبان حکومت کی غلط پالیسیوں کے اِس منطقی نتیجہ سے متعلق خطاب کے بعد پاکستان کی ایک مذہبی جماعت جو سیاست میں سرگرم ہے، کے ایک سربرآوردہ عالم نے حکومت پاکستان کے مؤقف کی تائید، طالبان حکومت کے خلاف، اُسامہ بن لادن کی نقص جوئی اور گورنر صاحب کی تقریر میں طالبان کے خلاف اُٹھائے گئے نکات کی تصویب کرنے میں اتنا کچھ کہہ دیا کہ محفل میں موجود با اُصول علماء کو شرمساری محسوس ہونے لگی۔ ہفتہ عشرہ قبل طالبان حکومت کی حمایت اور حکومت پاکستان کے مؤقف کو کفر وارتداد قرار دینے میں سرگرمی دکھانے والے برادر کی اِس اچانک تبدیلی کو دیکھ کر اُن اُصول پرستوں کے سر نیچے کو جھک رہے تھے۔ عین اس وقت مجھے اُس دنیا پرست اور ہوا کے رُخ کے ساتھ بدلنے والے رہنما کا وہ کردار یاد آنے لگا جو اس تاریخ سے ایک ماہ قبل حکومت پاکستان کی افغان پالیسی اور امریکہ کی طرف سے طالبان پر حملہ کے خلاف مذہبی جماعتوں کی طرف سے جارحانہ احتجاج کو روکنے کے لیے صوبہ سرحد انتظامیہ کی طرف سے بلائے گئے اجلاس میں صاحب موصوف نے حکومتی موقف کی مخالفت اور طالبان و اُسامہ کی حمایت میں ہر قسم جارحانہ احتجاج اور توڑ پھوڑ کو عین اسلام قرار دیتے ہوئے مجلس سے واک آؤٹ کیا تھا۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ اُسامہ بن لادن کو عالمی برادری کی نگاہ میں دہشت گرد مشہور کرانے میں اور طالبان کو شکست وزوال کے ساتھ دوچار کرانے میں افغانستان و پاکستان کے اس قسم علماء، ناعاقبت اندیش جماعتوں اور شخصیات کو بڑا دخل ہے۔ اُسامہ بن لادن اور طالبان حکومت کے خلاف ہوا کا رُخ اچانک تبدیل نہیں ہوا بلکہ کابل پر انہیں اقتدار حاصل ہونے کے روزِ اول

سے ہی اس قسم جماعتوں، شخصیات اور علماء سؤ کی طرف سے وقتاً فوقتاً انہیں ملنے والے کوتاہ بینی پر مبنی غلط مشورے سایہ کی طرح ان کے ہمسفر تھے۔ انجامِ کار ہلاکت کے اس چوراہے پر پہنچا کر اُن سے لاتعلق ہونے والوں کی اِس ناجائز و ناتمام روش کی وجہ سے نہ صرف گرگِ جہاں (امریکہ) کے ہاتھوں کابل پر طالبان کا اقتدار ختم ہوا بلکہ ایک بے گناہ اور امن پسند شخص (اُسامہ) بھی بین الاقوامی برادری کی نگاہ میں دہشت گرد کے نام سے بدنام ہوا، دنیا بھر کے مسلمان مشکوک ہوئے، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اُٹھنے والی تحریکوں کو دھچکا لگا اور دنیا کے ہر خطہ میں آباد مسلمانوں کے مسائل میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ سچ کہا گیا ہے

؎ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا

خلاصۂ کلام:۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں نامعلوم لوگوں کے ہاتھوں ہونے والے حادثہ کے بعد اُسامہ و طالبان اور امریکہ کے حوالہ سے جس طرح پاکستان گورنمنٹ کے پاس افغانستان کے حوالہ سے اپنی سابقہ پالیسی تبدیل کرنے اور دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد میں شامل ہوئے بغیر کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا، اسی طرح طالبان اور اُسامہ بن لادن نے جو راستہ اختیار کیا اُس کے سوا ان کے پاس بھی کوئی اور جواز نہیں تھا کیوں کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

اکتوبر 2001ء کو افغانستان پر امریکی حملہ سے لے کر تا دم تحریر سطور ہٰذا 13 جولائی 2002ء، طالبان و اُسامہ اور امریکہ و پاکستان کے حوالہ سے مظلوم افغانیوں پر عالمی مستکبر (امریکہ) کے ہاتھوں ناقابل تصور مظالم سے لے کر اندرون افغانستان و پاکستان رونما ہونے والے حالات کے پیش منظر و پس منظر سپرد قلم کرنے کے بعد اِس مضمون کے حوالہ سے اصل موضوع یعنی فدائی حملوں کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں۔

ایک سوال کا جواب

میرے اس اندازِ بیان پر قارئین کے ذہنوں میں شاید یہ سوال پیدا ہو جائے کہ فدائی حملوں کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے اِس موضوع سے قبل اُسامہ بن لادن اور طالبان، امریکہ اور پاکستان کے حوالہ سے اِس قدر بسط و تفصیل کے ساتھ کابل پر طالبان اقتدار کے زوال کے پیش منظر و پس منظر کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والے واقعات کا الزام اُسامہ بن لادن پر لگایا گیا تھا اور بغیر ثبوت کے اُسامہ پر لگائے جانے والے اِس الزام کا اگرچہ طالبان اور پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا تاہم طالبان حکومت کی طرف سے اُسامہ کو پناہ دینے اور پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے طالبان حکومت کو تسلیم کرنے، سابق سوویت یونین کی طرف سے افغانستان پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کے خلاف افغانیوں کی جائز حمایت سے لے کر 11 ستمبر 2001ء تک طالبان حکومت کی حمایت اور اُن کے ساتھ بطور اچھا ہمسایہ ہمدردی کرنے کے پیشِ نظر، نیز طالبان کے پاکستانی مدارس و علماء کے ساتھ استاذی و شاگردی کے تعلقات اور پاکستانی علماء و مذہبی جماعتوں کی طرف سے اُسامہ بن لادن اور طالبان کے ساتھ ہمدردی، یہ سب کچھ مل کر ایسے عوامل تھے جن کی بنیاد پر امریکہ جیسا دشمنِ اسلام، نہ صرف طالبان کو بلکہ پاکستان کو بھی اُسامہ کے ساتھ شریک جرم ٹھہرا کر بین الاقوامی برادری میں بدنام کرنے کا ڈرامہ رچا سکتا تھا جس کے نتائج طالبان کے حق میں دگرگوں ہونے کی طرح پاکستان کے لیے بھی ناقابل برداشت ہونے کا قوی امکان تھا جس کا بروقت احساس کرتے ہوئے پاکستانی قیادت نے افغانستان کے حوالہ سے اپنی پالیسی تبدیل کر کے طالبان کی حمایت سے دست برداری اختیار کرنے کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد کا حصہ بن کر دو مصیبتوں میں سے کم کو اختیار کیا جو اُس کی مجبوری تھی اور حالتِ اضطرار کا فیصلہ تھا۔ لیکن افغانستان کی طالبان قیادت کے لیے اپنی حکومت، ملک اور

قوم کو اسلام پر قربان کرنے کے علاوہ اور کوئی اخلاقی و مذہبی راستہ نہیں تھا۔

دوسری بات 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں نامعلوم افراد کے ہاتھوں ہونے والے تاریخی فدائی حملوں میں اُسامہ بن لادن جیسے مذہبی ذہن کا ہاتھ شامل ہونے کی صورت میں اُس کے پس منظر و پیش منظر، پناہ دینے والوں کے عزائم کے ساتھ ساتھ بالفعل فدائی حملہ کرنے یا کرانے والوں کے عزائم و حالات، بواعث واسباب اور عالمی حالات واسباب کا جو جائزہ گزشتہ سطور میں ہم نے پیش کیا، اس کے بغیر اِن فدائی حملوں کی شرعی حیثیت متعین کرنا ممکن نہیں تھا کیوں کہ واقعات وحوادثات سے متعلق لوگوں کے عزائم و حالات اور ماحول کے بدل جانے سے اُن کی شرعی حیثیات بھی بدلتی رہتی ہیں۔ جس وجہ سے ہوائی تیر چلانے کی بے مقصد کلفت برداشت کرنے کی بجائے خودکش حملوں جیسے اِس جدید مسئلہ کی شرعی حیثیت کا رخ معلوم کرنے کے لیے مذکورہ تفصیل ناگزیر تھی۔

اِس کی مثال ایسی ہے جیسے علم منطق کے اندر مسائل مقصودیہ سے قبل طویل ترین مباحث تمہیدیہ کی کلفت برداشت کی جاتی ہے ورنہ منطق کے حصہ تصورات میں مُعَرِّف کے چند عوارضات ذاتیہ یعنی اس کے حد ہونے یا رسم ہونے، تام ہونے یا ناقص ہونے جیسے معدودے چند مسائل کو سمجھنے کی غرض سے تعریف واقسام علم سے لے کر بحث دلالت اور مفرد و مرکب تک، کلیات سے لے کر اُن کے اقسام و مصادیق اور نِسَب اربعہ تک، سینکڑوں غیر مقصودی مسائل کے افہام وتفہیم اور مشق و تمرین کی کبھی ضرورت نہ ہوتی۔ اِسی طرح منطق کے حصہ تصدیقات میں مسائل مقصودیہ یعنی قیاس استثنائی میں حکم اتصال بین النسبتین یا انفصال بین النسبتین کے مابین تلازم یا نوعیتِ تلازم کو سمجھنا (تاکہ اس کے ذریعہ مقصود اصلی کو حاصل کیا جاسکے) اور قیاس اقترانی میں نسبت محمول الی الموضوع کو کسی واسطہ کے ذریعہ حاصل کرنے میں اِن تینوں کی ذوات میں یا ان کے مجموع مرکب یعنی حد اکبر، حد اصغر اور حد اوسط کے مجموعہ سے حاصل ہونے والے قیاس کی ہیئت ترکیبی وصورت میں صحت وسقم کو سمجھنا، تاکہ اس کے ذریعہ اصل مدعا کو پایا جاسکے، جس کے لیے تعریف واقسام قضیہ

سے لے کر عکوس و نقائض قضایا تک اور مادۃ القضیہ سے لے کر جہۃ القضیہ اور بسائط مؤجہات سے لے کر مرکبات مؤجہات تک کے جاں گسل مباحث کی تکلیف کو برداشت کیا جاتا ہے۔

بہر حال 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والے تاریخی واقعات میں اُسامہ بن لادن یا کوئی اور مسلمان ملوث ہو یا نہ ہو، نیز اُن لوگوں کے مقاصد اِس سے کیا تھے اور کیا نہیں تھے؟ نیز فلسطین میں اسرائیلی وصیہونی مظالم کے ردِ عمل کے طور پر جو فدائی حملے کئے جارہے ہیں آئندہ کسی بھی ملک میں کیے جاسکتے ہیں؟ (غیر مسلم کے ہاتھوں ایسے واقعات کا رونما ہونا ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے کیوں کہ وہ اسلامی حدود کی پابندی سے آزاد ہونے کی وجہ سے سب کچھ کرسکتا ہے لیکن ایک مسلمان کے ہاتھوں ایسے حادثات کا صادر ہونا حلال وحرام اور جائز و ناجائز ہونے کے حوالہ سے خاصہ مشکل مسئلہ ہے کیوں کہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے خود کشی کے عمل کو نہ صرف حرام وگناہ کبیرہ اور ناقابل معافی جرم قرار دے کر اپنے ماننے والوں کو اُس کے خراب نتائج سے ڈرایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید و مردود جیسے دفعات بھی اس پر لگائے ہیں جس پر عمل کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر اہل اسلام بھی بلا اختلاف اس کے قابل نفرت جرم ہونے پر متفق ہیں جس وجہ سے ایک مسلمان کے ہاتھوں ایسے واقعات کا صادر ہونا طبقۂ علماء کے لیے قابل غور ہے۔

خُودکش حملوں کی مختلف صورتوں کا جائزہ

لہٰذا خصوصیت واقعہ و عامل سے قطع نظر اِس جدید مسئلہ (فدائی حملوں کی شرعی حیثیت) کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تلاش کرنا طبقۂ علماء کے جملہ فرائض میں شامل ہے۔ علماء شریعت کے خرمن علم کا خوشہ چین ہونے کی حیثیت سے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ کسی بھی غیر منصوصی اور جدید مسئلہ کی شرعی حدود اربعہ کی تعیین اُس کے پیش منظر و پس منظر، ماحول و نیت اور عزائم وحالات کی تشخیص کیے بغیر نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس کے متعلق بھی ہمیں اِن تمام جہتوں سے اِسے دیکھنا ہوگا جس کی تفصیل میری شنید و تجربہ کے مطابق اس طرح ہوسکتی ہے:

1 کسی شخص، جماعت یا ادارہ پر خود کُش حملہ کرنے والے کی نیت میں یہ ہو کہ وہ میری عزت، جان یا مال کا دشمن ہے۔ اُسے ختم کر کے خود زندہ بچنا میرے لیے ناممکن ہے لٰہذا وہ بھی نہ رہے اور میں بھی نہ رہوں۔

2 اُس کی نیت یہ ہو کہ وہ میرے ماں باپ، اولا د رشتہ دار یا کسی دوست احباب کی عزت، جان یا مال لینے کے درپے ہے اس سے تحفظ پانا یا اُس کو ختم کر کے خود بچنا میرے لیے ناممکن ہے، لٰہذا وہ بھی نہ رہے اور میں بھی نہ رہوں۔

3 کسی مذہبی و روحانی یا دنیوی محسن کی محبت میں اُس کے کسی دشمن شخص، جماعت یا ادارہ کو اپنے ساتھ ہی بیک وقت ختم کرنے کا ارادہ ہو۔

4 اپنے کسی دنیوی معشوق کے حوالہ سے اپنے کسی منہ زور اور زبردست رقیب کو ختم کرنے کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتا ہو۔

5 مذہبی تعصب یا کسی اور عناد کی وجہ سے اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن کے ساتھ خود کو بھی ختم کرنا مراد ہو۔

6 اپنے پسماندگان یا اشخاص یا کسی جماعت و ادارہ کے مفاد میں اُس کے منہ زور و طاقتور دشمن کو ختم کرنے کے ساتھ خود کو بھی ختم کرنا مراد ہو۔

7 ملک کے تحفظ، آزادیٔ وطن یا مذہبی آزادی و تحفظ اسلام کی خاطر اپنے سے زیادہ ناقابل تسخیر قوت کو ختم کرنے یا اُسے نقصان پہنچانے کے ساتھ اپنے آپ کو بھی ختم کرنا مقصد ہو۔

8 حصولِ حقوق کی خاطر یا ظالم و غاصب استعمار پسند طاقتور کے جبر و ستم سے تنگ آ کر اُسے ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی ختم کرنا مقصد ہو۔

9 مدمقابل غاصب و جابر کے مظالم سے دنیا کو بیدار کرنے کے ساتھ اپنی لاچاری و بے بسی سے بھی دنیا کو آگاہ کر کے مستقبل کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے اُسے ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے ساتھ اپنے آپ کو بھی ختم کرنا مقصد ہو۔

10. جہاد کے نام پر کسی کے ورغلانے سے ایسا کر رہا ہو۔

11. مذہبی تنگ نظری، عصبیت، جہالت یا بدتربیتی کی وجہ سے اسے باعث بخشش وثواب سمجھ کر ایسا کر رہا ہو۔

مدمقابل پر فدائی حملوں کی تاریخِ آغاز سے لے کر تا ایں دم تحریر، خودکُش حملوں کی یہ تما صورتیں وجود میں آ چکی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اِن کے علاوہ بھی کچھ شکلیں پائی گئی ہوں جو میری شنید تجربہ کے احاطہ سے باہر ہوں، بہرحال ان صورتوں میں یا اِن جیسی جتنی بھی شکلیں ہوسکتی ہوں اُن میں چونکہ دشمن کو ختم کرنے یا اسے نقصان پہنچانے کی نیت کے ساتھ ساتھ خود اپنی زندگی کو ختم کرنے کی نیت بھی موجود ہے جس وجہ سے اسے جائز نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ ماحول اور پس منظر و پیش منظر کی تبدیلی سے غیر منصوصی احکام کا رخ تو بدل سکتا ہے لیکن ممنوع فی الشرع اور گناہ ومعصیت کی نیت موجود ہو جانے کے بعد اُس میں جواز کا پہلو کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

1. اگر اِن صورتوں میں یا اِن جیسی آئندہ وجود میں آنے والی کسی بھی صورت میں اِس اقدام سے اصل مقصود مدمقابل کو ختم کرنا ہی ہو، اگرچہ اس کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی متاع حیات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنے کا اسے یقین ہوتا ہے تو اِس صورت میں اِس قسم کے اقدام کو اگرچہ عُرف عام میں خودکُشی ہی کہا جاتا ہے لیکن شریعت کی زبان میں اسے خودکُشی نہیں کہا جا سکتا۔ جب اسے خودکُشی نہیں کہا جاسکتا تو پھر اسے حرام موت یا اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی کی موت اور مستحق جہنم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ بجائے خود تفصیل طلب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان صورتوں میں سے بعض کے اندر محض مدمقابل کو ختم کرنے کی نیت سے اُس پر حملہ کرنا بھی گناہ ومعصیت ہے جو شریعت کی نگاہ میں قابل تحسین نہیں ہے بلکہ قابل مذمت وقابل سزا ہے لیکن گناہ ومعصیت ہونا اور چیز ہے اور خودکُشی ہونا اور چیز ہے۔

منطق کی زبان میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر خودکُشی گناہ کبیرہ ہے لیکن ہر گناہ کبیرہ خودکُشی نہیں ہے۔ اور ہر خودکُشی اللہ تعالیٰ کی رحمت

سے نا اُمیدی کا نتیجہ ہے لیکن ہر گناہ کبیرہ و معصیت اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی کا نتیجہ نہیں ہے۔

❷ اگر اس قسم کے اقدامات سے حملہ آور کی نیت مد مقابل کو ختم کرنے کے ساتھ اپنے آپ کو بھی ختم کرنا ہو تو اس کی بھی پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

اول:۔ اپنے آپ کو ختم کرنا مقصود اصلی اور مخالف کو ختم کرنا ضمنی فائدہ کے درجہ میں ہو یعنی اُس کی نیت میں یہ ہو کہ میں نے اِس واردات کے ذریعہ خود کو ویسے بھی ختم کرنا ہے، کیوں نہ اِس سے دشمن کو بھی ختم کرنے کا فائدہ اُٹھایا جائے۔

دوم:۔ اِس کے برعکس ہو یعنی دشمن کو ختم کرنا مقصود اصلی اور اپنے آپ کو ختم کرنا ضمنی مقصد ہو۔

بہر حال اِن دونوں صورتوں میں اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ و نیت اُس کے دل میں موجود ہونے کی بنیاد پر یہ دونوں صورتیں شریعت کی نگاہ میں خودکشی کے زمرہ میں شامل کی جائیں گی جس کے لیے اپنی متاع حیات کو ختم کرنے کی نیت و ارادہ کا ہونا ضروری ہے، چاہے اصلی ہو یا ضمنی، مقصود اولی ہو یا ثانوی، وہ اِن دونوں شکلوں میں موجود ہے لہٰذا اُس کا شرعی حکم یعنی حرمت عمل کا دفعہ بھی اُس پر لاگو ہوگا۔ اس پر شریعت کی روشنی میں تفصیلی دلیل اس طرح ہوگی؛

مطلوب شرعی:۔ اس طرح سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا گناہ کبیرہ و حرام ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ ارادی طور پر اپنے متاع حیات کو ختم کرنا ہے۔

کبریٰ:۔ اور ارادی طور پر اپنے متاع حیات کو ختم کرنے کا ہر عمل اسلام کی نگاہ میں گناہ کبیرہ و حرام ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا اس طرح سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا گناہ کبیرہ و حرام ہے۔

❸ دنیا کے مختلف گوشوں میں اب تک وجود میں آنیوالی مذکورہ گیارہ صورتوں میں سے نمبر 7-8 اور 9 میں یا ان جیسی کسی بھی صورت میں اِعلاء کلمۃ الحق کی راہ میں رکاوٹ کو دور کرنے کی نیت یا استحصالی ظالموں کے جبر و استبداد سے مسلم اُمت کو نجات دینے کی غرض سے یا ظلم و تعدی اور طاغوتیت کو مٹانے کی نیت سے اگر کوئی شخص ایسا اقدام کرے جس میں حملہ کرنے

والے کی نیت میں محض مذکورہ جائز مقاصد میں سے کوئی چیز کارفرما ہو، یعنی جائز مقصد کی نیت کے علاوہ اور کوئی ناجائز مقصد نہ ہو۔ نیز اپنی متاع حیات کو ختم کرنے کا ارادہ و نیت بھی اُس میں شامل نہ ہو تو یہ تمام صورتیں شریعت کی نگاہ میں اور قرآن و سنت کی روشنی میں نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہیں اور اُن میں سے بعض جہاد کی اعلیٰ ترین مثال اور شہادت فی سبیل اللہ کے بہترین نمونے ہیں۔ اس پر فقہی استدلال اس طرح ہو سکتا ہے؛

شرعی مسئلہ و مطلوب:۔ ایسے کردار انجام دینے والے سب مسلمان مجاہد و شہید ہیں۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ متعدی ظلم و باطل کے خلاف قربانی دینے والے ہوتے ہیں۔

کبریٰ:۔ متعدی ظلم و باطل کے خلاف قربانی دینے والے سب مسلمان مجاہد و شہید ہیں۔

نتیجہ:۔ لہٰذا ایسے کردار انجام دینے والے سب مسلمان مجاہد و شہید ہیں۔

شرعی احکام اور تبلیغ اسلام

تبلیغ کے حوالہ سے اسلامی احکام کی دو قسمیں ہیں:

اوّل:۔ وہ احکام ہیں جن پر صراحۃً شرعی نصوص موجود ہیں جنہیں فقہاء کرام کی اصطلاح میں منصوص علیہ کہا جاتا ہے۔

دوم:۔ وہ احکام ہیں جو ایسے نہیں ہیں۔

اول کے مقابلہ میں اِن کی تعداد و جزئیات بہت زیادہ ہیں کیونکہ منصوص علیہ احکام بمنزلہ اُصول و رہنما ہوتے ہیں جو تعداد میں کم ہی ہوتے ہیں جبکہ اُن کے اشباہ و نظائر یعنی اُن سے مستنبط ہونے والے فروعی مسائل و اجتہادیات بمنزلہ ثمرات و نتائج ہونے کی بناء پر ہمیشہ زیادہ بلکہ لاتعداد ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ مرور ایام کے ساتھ مختلف شعبہ ہائے حیات میں جدید سے جدید ضروریات، ایجادات اور حالات کے پیدا ہونے پر اُن کے شرعی احکام کو سمجھنے کا مسئلہ بھی طبقہ علماء کے لیے چیلنج سے کم نہیں ہوتا جیسے دیگر ضروریاتِ زیست کی تکمیل کے لیے مختلف زاویہ ہائے حیات سے وابستہ

صنعت کاروں، تاجروں، زمینداروں اور فنکاروں سے ہر ایک کی یہی توقع ہوتی ہے کہ وہ اپنے متعلقہ کام میں سُستی وخیانت، کام چوری اور ناقص کاری سے بچتے ہوئے افراد معاشرہ کی ضروریات کو احسن طریقہ سے انجام دیں۔ اِسی طرح علماء کرام کے اِس تقدّس مآب طبقہ سے بھی جملہ مسلمانوں کی اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ وہ اِس قسم پیدا ہونے والے غیر منصوصی مسائل کی شرعی حیثیات کے حوالہ سے درست سمت کی طرف قوم کی رہنمائی کریں۔ شعبہ علماء کے فرض شناس حضرات نے تاریخ کے ہر دور میں اپنی اِس ذمہ داری کو مقتضائے حال کے مطابق بہتر طریقے سے انجام دیا ہے۔

گلشنِ اسلام کے اندر موجود مختلف چمن ہائے مسالک اِسی فکری کاوش کے نتائج ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جس غیر منصوصی اور جدید مسئلہ کو اِن ہستیوں نے اتفاقِ رائے کے ساتھ کسی منصوص علیہ حکم کی علّت میں شریک اور اُس کے اشباہ ونظائر میں ہونے کا فتویٰ دیا ہے اُسے اجماعیات و متفقات کے زمرہ میں گِنا جاتا ہے جسے فقہاء کرام کی اصطلاح میں مسئلہ اجماعی اور متفق علیہ حکم بھی کہا جاتا ہے۔

اِس کے برعکس جس مسئلہ کی سمت متعین کرنے میں اِن ہستیوں کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہو۔ مثال کے طور پر بعض نے اُسے کسی ایک اصل وعلّت کے تحت سمجھ کر اُسے فرض قرار دیا اور بعض نے اُسے کسی اور نص یا علّت پر منطبق سمجھ کر مستحب قرار دیا یا بعض نے حلال اور بعض نے حرام یا بعض نے جائز اور بعض نے ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کیا تو اُسے اختلافی کہا جاتا ہے۔ پھر اِن میں سے ہر ایک کی متعدد قسمیں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر اجماعی فی الاسلام یا متفقات فی الاسلام جنہیں متفقہ بین المسالک بھی کہا جاسکتا ہے اِسی طرح اختلافیات فی الاسلام جنہیں اختلافی بین المسالک الاسلامیہ بھی کہا جاسکتا ہے اور اختلافیات فی المذہب یعنی ایک ہی مسلک کے اہل بصیرت علماء کرام کے اپنے آپس اختلاف رائے والے مسائل۔ زمانہ کی برق رفتاری کے تقاضوں کے مطابق نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کی شرعی حیثیت معلوم کر کے لوگوں کی درست سمت

میں رہنمائی کرنے کے لیے ہر دور متأخر کے اِن حضرات پر لازم ہے کہ اِس قسم مسائل کے حوالے سے اپنے سے متقدّمین اور دور سابق حضرات کی فکری کاوشوں اور اُن کے دستاویزی نگارشات سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اجماعیات واختلافیات کے حوالہ سے پیش آمدہ مسائل کی نوعیت معلوم کرنے میں آسانی ہوسکے۔

اِس تحقیق میں میرے پیشِ نظر مسئلہ یعنی فدائی حملوں کی شرعی حیثیت معلوم کرنے کے سلسلہ میں جہاں تک میں نے بین الاقوامی سطح پر معاصر علماء کرام کے نگارشات کا مطالعہ کیا ہے اُس کے تناظر میں خودکُش حملوں کی شرعی حیثیت اُن غیر منصوص علیہ مسائل کے زمرہ میں آتی ہے جن میں خصوصیت مسلک سے قطع نظر علماء اسلام کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ جن حضرات نے اِن حملوں کو خودکُشی کے گناہ کبیرہ وحرام اور ناقابل معافی جرم ہونے کی بابت نصوص ودلائل شرعیہ پر منطبق کرکے اسرائیلی مظالم کے خلاف فلسطینی مجاہدین کی طرف سے جاری فدائی حملوں کو ناجائز اور حرام موت قرار دیا ہے۔ اُن میں سب سے زیادہ قابل ذکر سعودیہ عربیہ کے مفتی اعظم اور سینیئر اسلامی سکالرز کمیشن کے سربراہ شیخ عبدالعزیز ابن عبداللہ آل الشیخ ہیں۔

اِن حضرات کے یہ منفی فتوے اور فدائی حملوں کی بابت عدم جواز کا رجحان اگرچہ غیر مدلل اور مجمل ہے تاہم میرے تجسس اور حسنِ ظن کے مطابق اِن حضرات کا یہ اجتہاد قلت تدبر اور اپنے پیش روؤں کی اِس سلسلہ میں پہلے سے موجود اجتہادی کاوشوں سے غفلت اور ظاہر بینی پر مبنی ہے۔ نیز اُنہوں نے فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ یاسر عرفات اور اُن کی انتظامیہ میں شامل وطن پرست، مذہب آزاد اور سکولر ذہنیت کے حدودِ انتظام میں رہنے والے نوجوانوں سے استحصالی مظالم کے خلاف خالصۃً لِوَجہ اللہ یا اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اتنی بڑی قربانی دینے کو عادۃً بعید از قیاس سمجھ کر یہ اجتہاد کیا ہوگا۔ نیز اُنہوں نے ان فدائیوں کی مذہبی تربیت کرنے والے اُن پاکیزہ نفوس کی صحبت صالح، اسلامی عزائم اور صیہونی، یہودی جیسے غیر اسلامی فکر وعمل والوں سے خِطہ کو پاک کرکے خالص عادلانہ نظامِ اسلام قائم کرنے، ظلم کے خلاف فریضہ جہاد کو جاری رکھ کر دُنیا کو بیدار کرنے اور عالم

اسلام کو فریضہ جہاد یاد دلانے جیسے عزائم سے بے التفاتی برتنے کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا ورنہ جان کی قربانی دینے والے مسلمانوں سے غیر اسلامی عزائم کا تصور کوئی معنی نہیں رکھتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ حضرات دورِ صحابہ کے مجاہدین اسلام کے ہاتھوں انجام پانے والے اِس نوعیت کے کارناموں پر غور کرتے یا ماضی قریب کے شیخ عبدالعزیز بن باز اور عظیم شیوخ الازھر کی اِس سلسلہ میں پہلے سے موجود اجتہادی کاوشوں پر تفصیلی نظر ڈالتے یا اسلامی دستاویزات میں موجود اِس نوعیت کے واقعات سے متعلق سلف صالحین کی نگارشات کو باریک بینی سے دیکھتے تو ان کی اس اجتہادی کاوش کا نتیجہ کبھی بھی منفی نہ ہوتا گویا اِن حضرات کو اِس اجتہادی عمل میں اشتباہ ہوگیا یا حرکت فکری وتدبر میں کمی یا کسی عارضی اور خارجی عوامل کی بنیاد پر غلطی لگ گئی ہے۔

اِس اجتہاد میں منشاءِ غلطی چاہے جو کچھ بھی ہو ہماری اِس تحقیق سے اِن حضرات کو لاحق اشتباہ رفع ہونے کے ساتھ فلسطینی مظلوم مسلمانوں کی حماس جیسی مجاہد تنظیموں کی طرف سے اسرائیلی غاصبوں کے خلاف جاری فدائی حملوں کی شرعی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انہیں خودکش حملہ کہنا ظاہری شکل کے لحاظ سے ہے ورنہ حقیقت میں یہ حملے خودکشی کے لیے نہیں بلکہ ظلم کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ ترین مثال قائم کرنے کے لیے کئے جاتے ہیں۔ ایسے میں انہیں خودکش حملہ کہنا ظاہری حالات کی لحاظ داری کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اغیار کی طرف سے فداکاروں کے اِس آخری حربہ جہاد کو ناواقف حال مسلمانوں کی نگاہ میں بدنام کرنے کی غرض سے مشہور کیا گیا ہو۔

طاغوتی قوتوں کی طرف سے اسلام اور مجاہدین اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے منفی تاثرات کا دارومدار چونکہ کسی ظاہری نکتہ پر مبنی ہوتا ہے جس پر ناواقف حال عوام کی نگاہ مرکوز ہو سکتی ہے، یہاں پر بھی ظاہری حالات ایسے ہی ہیں کیوں کہ ظلم کے خلاف جانوں کی قربانی دینے والے فداکاروں کے اِن حملوں میں خود اُن کی اپنی موت امر یقینی ہے کہ جن انسانیت دشمن ظالموں پر اس طرح کا حملہ کیا جارہا ہے اُن کی موت کس حد تک اور کتنی تعداد میں واقع ہوتی ہے اس کے

بارے میں حملہ آور فدا کاروں کو ہر جگہ یقین نہیں ہوتا جبکہ اس اقدام سے خود اِن فدا کاروں کے پر خچے اُڑ جانے کا سب کو یقین ہے۔ سازشی دشمن کی مکاری سے کوئی بعید نہیں ہے کہ اِس ظاہری نکتہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر مجاہدین اسلام کی اِن قربانیوں، جراتوں اور شہادتوں کو خُودکُشی جیسی نا اُمیدی کی حرام موت قرار دے کر مسلمانوں کو اِس سے باز رکھنے کی غرض سے انہیں خُودکُش حملہ مشہور کرا دیا ہو۔ جبکہ حقیقت کی نگاہ میں ایسا ہرگز نہیں ہے کیوں کہ اِس قسم اقدامات سے اپنی موت کا یقین ہونا اور چیز ہے اور اپنے متاعِ حیات کو ختم کرنے کی نیت سے ایسا کرنا اور چیز ہے جو یہاں پر موجود نہیں ہے۔ ایسے میں شہادت کی موت کو حرام موت کہنے کا کیا جواز ہے؟

اِس قسم کے اقدامات میں ہزار بار اپنی موت کا یقین ہو تب بھی شریعت کی نگاہ میں اُس وقت تک خُودکُشی، حرام موت، نا اُمیدی کی موت یا معصیت و گناہ کی موت قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اپنے متاعِ حیات کو اِس اقدام کے ذریعہ ختم کرنے کی نیت و ارادہ اُس میں شامل نہ ہو کیوں کہ انسانی اعمال کے ثواب و عذاب ہونے کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَانَوٰی“

مسلم و بخاری شریف کی اِس مرفوع حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اختیاری اعمال پر ثواب و عذاب ملنے کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جس کی نیت جیسی ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اُس کے مطابق ہی جزا و سزا ملے گی لہٰذا فدائی حملہ کاروں کی طرف سے جب تک خودکُشی کی نیت پر واضح دلیل و قرینہ موجود نہیں ہوگا اُس وقت تک اُسے خودکُشی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی پاک دامن خاتون درندہ صفت بدکاروں سے اپنی عصمت بچانے کی خاطر خود کو دریا برد کر دیں جس میں اپنی موت کا اُسے یقین ہوتا ہے جبکہ خود کو ہلاک کرنے کی نیت اُس کے دل میں قطعاً نہیں ہوتی۔

قیام پاکستان اور مسلم خواتین کی جانبازیاں

شنیدہ ہے کہ 1947ء میں ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کے وقت جب ہندو بلوائی مسلم اقلیتی آبادیوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے اور مسلم خواتین کی عصمت دری کے نا قابل تصور جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے تو اُن ایام ابتلا و مصائب میں بعض شریف خاندانوں کی عورتوں نے اپنی عصمت بچانے کی غرض سے گھروں کی چھتوں سے اپنے آپ کو گرا کر عصمت دری کی ذلت پر موت کو ترجیح دی تھی اور بعض نے کنوؤں میں کود کر زندگی کا چراغ اپنی عصمت بچانے پر قربان کیا تھا۔ اس طرح کے واقعات مسلم مرد و خواتین کے ہاتھوں جو منظر عام پر آتے رہتے ہیں اُن کے مقابلہ میں تھوڑے ہیں جو پردۂ خفا میں رہ جاتے ہیں جن میں اُن سب کو اپنی موت کا تو یقین ہوتا ہے لیکن نیت موت کی نہیں ہوتی جس وجہ سے اِسے خودکشی اور حرام موت بھی نہیں کہا جا سکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس نوعیت کے تمام واقعات میں اچھی نیت کی بناء پر یہ سب اموات شرعی احکام کے مطابق شہادت کی موت ہی کہلائیں گی کیوں کہ ذِلت کی زندگی، معصیت کاری اور عِفّت و حیاء کی فطری صراط مستقیم کے برخلاف حرکات سے بچنے کے لیے حدود اللہ کی پاسداری کی نیت سے جو قدم بھی اُٹھایا جائے گا وہ جائز ہی ہوگا، اللہ کی رضامندی کا موجب ہی ہوگا اور اُس میں ہلاک ہونے کا انجام موت فی سبیل اللہ ہی ہوگا۔ جیسے فرمایا:

”وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ“(۱)

یعنی جس مسلمان کو بھی اللہ کے احکام پر ڈٹ جانا نصیب ہوتا ہے تو یہ اُس کے صراط مستقیم پر ہدایت یاب ہونے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اِس کے متصلاً بعد فرمایا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا

۱۔ آل عمران:101۔

وَاَنْتُم مُسْلِمُونَ"(۱)

نیز فرمایا:"فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"(۲)

اِن دونوں کا مطلب تقریباً ایک ہی ہے یعنی حق تقویٰ اور حسب استطاعت تقویٰ کا مصداق ایک ہی ہے کہ خواہشات نفس اور ذاتی من پسند پر اللہ کی پسند اور اُس کے احکام کو ترجیح دی جائے ،اُس کے منہیات وممنوعات سے علی رغم النفس بچا جائے جس کی اعلیٰ ترین مثال یہ ہے کہ اُس کی پسند کی خاطر اپنی جان کی پروانہ کی جائے۔قرآن شریف کی یہ دونوں آیات فدائی حملوں کی مذکورہ جائز صورتوں سے لے کر اپنی عِفت وعصمت کو بچانے کی خاطر متاع حیات کی قربانی دینے تک اُن تمام اقدامات کو شامل ہیں جن میں جائز نیت،اعلیٰ مقصد،اوامرُ اللہ پر عمل اور منہیات اللہ سے اجتناب کی خاطر غیر ارادی طور پر جان کی قربانی دیجاتی ہے۔فدائی حملوں کی مذکورہ جائز صورتوں کے جواز پر کوئی اور دلیل موجود نہ بھی ہوتی تو پھر بھی قرآن شریف کے یہ دونوں مقامات اِس قربانی کے جواز کے لیے کافی تھے۔اس کے متصلاً بعد اللہ کا فرمان"وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" بھی اِن صورتوں کے جواز پر مستقل دلیل ہے۔کیوں کہ اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حالت اسلام کے بغیر مرنے سے منع فرمایا ہے۔جس کا حاصل مطلب جملہ مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ کسی حال میں بھی حسب استطاعت اسلام کے احکام پر عمل کرنے سے انحراف نہ کیا جائے اور بعض مفسرین کرام نے اِس کی تفسیر میں صیغہ نہی بمعنی امر کا طریقہ اختیار کیا ہے۔جیسے تفسیر الکاشف میں ہے:

"فَهُوَ نَهْیٌ عَنْ تَرْكِ الْاِسْلَامِ وَ اَمْرٌ بِالثَّبَاتِ عَلَيْهِ حَتّٰی الموت"(۳)

یعنی بظاہر یہ آیت کریمہ احکام اسلام کو ترک کرنے سے منع کرتی ہے جبکہ حقیقت میں اُن پر

۱۔ آل عمران:102۔

۲۔ التغابن:16۔

۳۔ تفسیر الکاشف،ج:2،ص:122،مطبوعہ بیروت۔

دمِ مرگ تک ثابت قدم رہنے کا امر کرتی ہے۔

وضاحت در وضاحت:۔ مذکورہ (11) یا اِن جیسی پیدا ہونے والی دوسری تمام صورتوں میں بھی متعدد شکلیں ہیں جن کو سمجھنے سے قبل دسویں اور گیارویں صورتوں کے مابین بنیادی فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ دسویں صورت میں کسی مذہبی، سیاسی یا کسی بھی شخصیت یا اشخاص کی طرف سے واضح الفاظ میں کہنے یا ترغیب دینے یا اشارۃً و کنایۃً اس اقدام کا تاثر دینے اور ماحول پیدا کرنے کی بنیاد پر کوئی شخص ایسا کرتا ہے کیوں کہ وہ بھی اس شخصیت کے زیر فرمان یا زیر اثر ہے یا کم از کم اُس ماحول کا باسی اور اُس رنگ میں رنگین ہے۔ جبکہ گیارویں صورت میں حملہ آور اِس اقدام کو ذریعہ بخشش اور افضل الجہاد تصور کر کے اس کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے۔ گویا دسویں صورت اس بات کے ساتھ خاص ہے کہ اس کا محرک خارجی عمل ہو یعنی حملہ آور کے اس اقدام کے لیے ماحول یا کسی اور شخص کا امر یا ترغیب محرک ہو اور حملہ آور خارجی حرکت کے انفعال کا نتیجہ ہو جبکہ گیارویں صورت عام ہے کہ اُس کا یہ جذبہ خود بخود اس کے دل میں پیدا ہوا ہو یا کسی خارجی عامل و ماحول کا انفعال ہو بہر حال ان دونوں کے مابین عموم و خصوص مطلق کا فرق ہے۔ بنا بر ہر تقدیر فدائی حملہ کرنے والا جس پر حملہ کر رہا ہے شریعت مقدسہ کے ترازو میں اُس کو قتل کرنا جائز ہو گا یا نا جائز بہر تقدیر حملہ آور کی نیت میں اُسے ختم کرنے کے ساتھ اپنے آپ کو بھی ختم کرنا مقصد ہو گا یا نہیں۔ پہلی دونوں صورتوں میں یعنی جس پر حملہ کیا جا رہا ہے شریعت کی روشنی میں اُس کو قتل کرنا چاہے جائز ہو یا نا جائز حملہ آور کی نیت میں اُس کو ختم کرنے کے ساتھ خود اپنے آپ کو بھی ختم کرنا مقصد ہے تو ان دونوں صورتوں میں نا جائز ہو گا، خودکشی ہو گی اور اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی یا بے محل جذبات کا غلط نتیجہ ہو گا۔ چاہے دنیا کے جس گوشہ میں بھی ایسا ہو جائے یا جس زمانہ اور جس وقت میں بھی ایسا کیا جائے تو اُسے نا جائز اور حرام موت ہی قرار دیا جائے گا۔ جس پر فقہی دلیل اس طرح ہو گی۔

شرعی حکم:۔ فدائی حملوں کے نام سے اس طرح کی موت مرنے والے خودکشی کے مرتکب حرام کار ہیں۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ خود کو ہلاک کرنے کی نیت کر کے اُسے گلے سے لگانے والے ہیں۔

کبریٰ:۔ جو کوئی بھی نیت کر کے موت کو گلے سے لگانے والا ہوگا وہ خودکشی کا مرتکب حرام کار ہوگا۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا فدائی حملوں کے نام سے اس طرح کی موت مرنے والے خودکشی کے مرتکب حرام کار ہیں۔

تیسری صورت یعنی جس پر فدائی حملہ کیا جارہا ہے شریعت مقدسہ کی روشنی میں اُس کو قتل کرنا جائز نہیں تھا لیکن حملہ آور اپنی موت کی نیت کئے بغیر اُس پر حملہ کرتا ہے عام اِس سے کہ اُسے اپنی موت پر بھی ظاہری حالات وعادات کے مطابق یقین ہو یا کسی معجزاتی یا کسی سببی طریقہ سے بچنے کی اُمید ہو لیکن بچ نہ سکا اِس صورت میں اُسے خودکشی یا اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی قرار نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ شریعت کی زبان میں قاتل النفس یعنی خود کو ہلاک کرنے والا قرار دینے کے لیے اپنی ہلاکت کی نیت کا ہونا ضروری ہے جہاں پر خود کو ختم کرنے کی نیت موجود نہیں ہوگی وہیں پر خودکشی بھی نہیں ہوگی۔

اِس جزئیہ پر فقہی دلیل اس طرح ہوگی۔

شرعی حکم:۔ فدائی حملہ کے نام سے اس طرح اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے کی موت خودکشی اور حرام موت یا رحمت خداوندی سے نا اُمیدی نہیں ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی نیت سے خالی ہے۔

کُبریٰ:۔ اپنی ہلاکت کی نیت سے خالی کوئی بھی ہلاکت خودکشی، حرام موت اور رحمتِ الٰہی سے نا اُمیدی نہیں ہے۔

حاصلِ نتیجہ۔: لہٰذا فدائی حملہ کے نام سے اس طرح اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے کی موت خودکشی اور حرام ونا اُمیدی نہیں ہے۔

لیکن اِس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جب اس طرح کی موت خودکشی نہیں ہے تو جائز ہوگی یا شہادت کی موت ہوگی (حَـاشَـاوَ کَلّا) ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ خودکشی اور اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی کی موت نہ ہونے کے باوجود اِس موت کو شریعت کی روشنی میں ناجائز ہی کہا جائے گا کیوں کہ قال اللہ وقال الرسول کی روشنی میں خودکشی کی موت اور ناجائز موت کے مابین عموم و

خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی خودکشی کی ہر موت ناجائز موت ہے لیکن ہر ناجائز موت خودکشی کی موت نہیں ہے، پھر ناجائز موت ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہیں سب کا گناہ یکساں نہیں ہے۔

ضمنی فائدہ اور علماء عصر کو سبق

یہاں پر ضمناً اِس بات کو ذکر کرنا اہل علم کی آگاہی، بیداری اور عبرت کے حوالہ سے بے فائدہ نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے پیروکاروں کے مابین فروعی اختلافات کو ہوا دے کر ایک دوسرے سے نفرت، بُعد اور عداوت کی جو فضا پیدا کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں ہر ایک اپنے مخالف مسلک والوں کو کافر سے کم نہیں سمجھتا اور ان کے قتل کرنے کو افضل الجہاد کہہ کر اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہونے کا تاثر دیتا ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے نادان دوستوں کے مابین یہ کھیل جزوی طور پر اگرچہ ہر ملک اور ہر علاقہ میں کھیلا جاتا ہے۔تاہم اس مملکت خداداد پاکستان کے اندر عرصہ نصف صدی سے جس وبائی شکل میں پھیلا ہے اُس کی مثال شاید کسی اور ملک میں نہ دیکھی گئی ہو۔میری محدود معلومات کے مطابق 1958ء میں جامع مسجد قاسم علی خان پشاور میں مولوی غلام خان آف راولپنڈی پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، 1959ء میں مفتی عبدالقیوم پوپلزئی ڈسٹرکٹ خطیب پشاور پر کریم پورہ بازار پشاور میں، 1957ء میں مولانا سید احمد سعید کاظمی پر ملتان میں، 1964ء میں مولانا عارف اللہ شاہ خطیب راولپنڈی پر حیدرآباد میں، 1966ء میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی پر کراچی میں، 1968ء میں مولانا سید زبیر شاہ خطیب ٹیلیفون فیکٹری ہری پور ہزارہ پر، 1967ء میں حافظ سراج احمد مہتمم مدرسہ سراج العلوم خانپور ضلع رحیم یار خان پر صبح کے وقت نماز کے لیے مسجد کو جاتے ہوئے، 1968ء میں مولانا عبدالوہاب صدیقی پر لاہور میں، ۱۹۷۱ء میں مولانا سلطان بخش قاسمی پر ضلع دیپالپور میں، 1972ء میں پیر سرگند خان سرکی ملایان عمرزئی چارسدہ کے قتل کی سازش تیار کی گئی۔ جسے کچھ معاملہ فہم تجربہ کار مقامی علماء نے بروقت مطلع ہونے پر ناکام بنادیا، 1979ء میں مولانا خان باچہ خطیب چاسدہ کو،

1986ء میں پیر سراج الحق خطیب اڈہ مسجد تنگی چارسدہ کو اور 1977ء میں قبائلی علاقہ خیبر ایجنسی تحصیل باڑہ میں ایک ہی مکتبہ فکر کے دو فسادی فریقوں کے مابین شرمناک مسلح تصادم کے نتیجہ میں فریقین کے جانی نقصان کے ساتھ ساتھ املاک کا بھی ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ اُس کے بعد سپاہ صحابہ کے نام سے ایک مذہبی عسکری تنظیم کے زیر اہتمام فقہ جعفریہ کی امام بارگاہوں، مسجدوں اور مذہبی مراکز وشخصیات کا قتل عام شروع ہوا۔ جس کے ردعمل میں دوسری طرف سے بھی سپاہ محمد کے نام سے عسکری تنظیم وجود میں لائی گئی۔ جس کے کمان میں پہلے فریق کے مدارس، مساجد اور مراکز وشخصیات کو ختم کیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکومت کے ہاتھوں اِس بے محل غوغاء و شورش اور سلگتی ہوئی آگ کو بجھانے کی کافی حد تک کوشش کی گئی۔ فریقین کے فسادکاروں کو پابند سلاسل کیا گیا تاہم مذہب کے نام پر ہونے والی اِس فسادکاری کے مکمل خاتمہ کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ سچ کہا گیا ہے:

؎ کہ جو شرافت کی زبان نہیں سمجھتا اُسے تھپڑ کی زبان سمجھاتی ہے۔

آج بتاریخ 12 ستمبر 2002ء بوقت ایک بجے دن کے یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں جبکہ ملک کے اندر مغربی طرز جمہوریت کے انداز پر حکومت تشکیل دینے کی غرض سے دس اکتوبر کو انتخابات کی سرگرمیاں شروع ہیں۔ جہاں پر مذہب آزاد، عملی سیکولر جماعتیں حکومت کے ایوانوں تک پہنچنے کے لیے عوام کو بیوقوف بنانے میں مصروف عمل ہیں۔ وہاں پر مذہب کے یہ نام نہاد پرستار حضرات بھی مغربی جمہوریت کا حصہ بن کر نام نہاد اتحاد (متحدہ مجلسِ عمل) کے مشترکہ پلیٹ فارم سے سادہ لوح عوام کو مذہب کے نام پر اپنے ہمنوا بنانے میں سرگرم ہیں۔

کاش! اِن کے دل بھی متحد ہوتے، کاش انکا یہ اتحاد حقیقی ہوتا، کاش مشترکہ میٹنگز میں متحد نظر آنے کی طرح اپنے مخصوص مذہبی کارکنوں کے جھرمٹ میں بھی حقیقی اتحاد کی ترغیب دیتے، کاش اپنے انفرادی مسالک کے ساتھ مربوط عوام کے سامنے محراب ومنبر، مساجد ومدارس اور خانقاہوں و مراکز میں بھی اپنے کارکنوں، سامعین اور وابستگان کو بیضۃ الاسلام کی حفاظت کی خاطر توحید کلمہ کی

تلقین کرتے ،کاش کہ اِفتراق بین المسلمین کے انجام بد سے اُنہیں آ گاہ کرتے ،ڈراتے اور بچاتے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن پر رحم وکرم فرماتا اُنہیں حکومت پر متمکن کر کے خلافت ارضی کی خدمت اُن سے لیتا۔اُس کا وعدہ برحق ہے،اُس نے فرمایا ہوا ہے:

”اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ “(۱)

یعنی احسان کرنے والوں کا پھل اللہ تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا۔

لیکن اُس وحدہٗ لاشریک سے ان حضرات کے دلوں کا حال پوشیدہ نہیں ہے۔وہ خوب جانتا ہے کہ اِن کا یہ ظاہری اتحاد محض حکومت حاصل کرنے کے لیے ہے،حکومت کے ایوانوں تک پہنچنے کے لیے ہے،مغربی جمہوریت کے غیر اسلامی انداز حکومت کا حصہ بن کر دُنیا کے مزے لوٹنے کے لیے ہے۔اِس لیے وہ فرماتا ہے:

”تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى “(۲)

یعنی تو اُنہیں متحد سمجھے گا حالانکہ اُن کے دل ایک دوسرے سے پراگندہ ہیں۔

لگتا ہے کہ میں اِس غیر معمولی موضوعاتی کلام میں ضرورت کی سرحد سے دور نکلنے لگا ہوں۔خودکش حملوں کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے سلسلہ میں اپنے اِن مشاہدات، تجربات اور تلخ حقائق کو ضمناً بیان کرنے سے میرا واحد مقصد قارئین کو یہ بتانا تھا کہ نصف صدی سے جاری مذہبی بدمعاشی،منافرت اور قتل وغارت گری کی جس بدتمیزی سے مسلمانوں کو گزرنا پڑ رہا ہے یہ سب کچھ جہالت کی پیداوار ہے، اسلام کی روشنی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔مذہب کے نام پر ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے والے درحقیقت جہالت کے پلندے ہوتے ہیں۔نورِ ایمان کا کوئی حصہ اُنہیں نصیب نہیں ہے۔اسلام کی حقیقی تعلیمات سے محروم ان مجادلین ومقاتلین کو اسلام ہی کے نام پر دھوکہ دیا گیا ہے اور اسلام کے عظیم مفاد کی بجائے اغیار کی ناپاک سازشوں کی تکمیل

۱۔ التوبہ:120۔

۲۔ الحشر:14۔

کے لیے انہیں استعمال کیا جا رہا ہے۔

نصف صدی کے عرصہ تک ان خرابی ہائے بسیار کے مسموم نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اگر مسلمانوں نے اس سے عبرت حاصل نہیں کی، اصلاح احوال کی طرف توجہ نہیں دی اور مذہبی فساد کاروں سے آئندہ نسل کو نہیں بچایا تو پھر یورش تاتار کا منظر کسی بھی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے، لیکن فائدہ کیا ہوگا؟

؎ تمہاری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں

لہٰذا بہتر ہوگا کہ قرآن شریف کی سورۂ فجر، آیت 13 کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ خودکار نظامِ قدرت کے تحت عذاب کے کوڑے پڑنے سے قبل اصلاح احوال پر توجہ دی جائے۔ مذہبی فساد کاروں کو لگام دی جائے اور حقیقی اتحاد بین المسلمین کے قرآنی احکام پر عمل کیا جائے ورنہ مجازات اعمال کے اُس عمومی ذلت و مسکنت کے عذاب سے کوئی ایک فریق بھی نہیں بچ سکتا، جیسے اللہ نے فرمایا:

"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً"(۱)

یعنی اللہ کی اُس گرفت سے ڈرو جو محض ظالموں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی بلکہ سب کو شامل ہوتی ہے۔

کیا مسلم کشی افضل الجہاد ہو سکتی ہے؟

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ مسلم کشی کو افضل الجہاد قرار دینے والوں نے، مذہبی فرقہ واریت کی آگ بھڑکا کر بھائی کو بھائی کا، ہمسائے کو ہمسائے کا اور اہل وطن کو اہل وطن کے تشنۂ خون بنانے والے مجرمانِ ملت نے اپنے اس ناپاک رویہ سے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا اور مسلمانوں کو کس حد تک قعرِ ذلت میں دھکیلا، اسلام کی جگ ہنسائی کا کتنا سامان بنایا؟ اس مقام پر یہ

۱۔ الانفال:25۔

بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ علماءِ سُوء کے زیر دست بدتر بیتوں کے ہاتھوں یہ مذہبی قتل، یہ قاتلانہ حملے اور ایک دوسرے کے خلاف مذہبی تصادم کی یہ تمام شکلیں خودکش حملوں کی اس تیسری صورت کے زیادہ مشابہ ہیں یعنی جس پر حملہ کیا جارہا ہے شریعت کی رو سے اُسے قتل کرنے کا جواز نہیں تھا اور حملہ آور اپنی موت کا ارادہ کیے بغیر محض اُسے ختم کرنے کو بخشش کا ذریعہ، کارِ ثواب اور افضل الجہاد سمجھ کر یہ اقدام کر رہا ہے جس کے متعلق فدائی حملہ کی شکل میں گزشتہ سطور میں ہم بتا آئے ہیں کہ فدائی حملہ کی اِس نوعیت میں مرنے والا حملہ آور کی موت خودکشی کے زمرہ میں آتی ہے نہ جائز موت کے زمرہ میں بلکہ ناجائز موت ہے چاہے عدم جواز کے جس ڈگر پر بھی ہو بہر تقدیر اُسے جائز موت کہنے کا شرعی جواز قطعاً نہیں ہے بلکہ جہالت اور خالص جہالت کی موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اِس ضمنی بیان میں جن مذہبی قاتل یا مذہبی حملہ آوروں کا تذکرہ ہو رہا ہے خودکش حملہ آوروں کے ساتھ مذکورہ تیسری صورت میں ان کا اشتراکِ عمل یا قدرِ مشترک جو ہو سکتا ہے وہ حملہ آور کی ہلاکت سے قطع نظر محض بے گناہوں پر جارحیت ہے، قاتلانہ حملہ ہے اور ناجائز خون ریزی ہے۔ گویا مذہبی قاتل جو خود کو موت سے بچا کر اپنے مذہبی مخالفین کی جان لینے کے لیے اُن پر ناجائز حملہ آور ہوتے ہیں، قتلِ ناحق، فساد فی الارض اور جاہلانہ حرکت جیسے اعمالِ بد میں فدائی حملہ آوروں کی اس تیسری صورت میں اُن کے ہم وصف و ہم کردار اور ہم عمل ہیں۔ لیکن اِس اشتراکِ عمل سے یہ مطلب لینا غلط ہوگا کہ گناہ و معصیت اور عنداللہ اخروی گرفت کے حوالہ سے بھی یہ دونوں یکساں ہوں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ فداکاری کے طور پر مذہبی قاتل و حملہ آور چونکہ دو چند دہشت پھیلانے کے ساتھ غیر متعلقہ لوگوں کا بھی قاتل ہوتا ہے جس وجہ سے اُس کے جرم کے مطابق سزا بھی دو چند ہوگی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جَزَآءً وِّفَاقًا" (۱) یعنی جرم کے مطابق سزا۔

لہٰذا عدل کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی اخروی سزا بھی جرم کے مطابق ہی ہو کیوں کہ قرآن

۱۔ النباء:26۔

وحدیث میں جن گناہوں پر دو چند عذاب کا ڈر سنایا گیا ہے۔ اُن سب کے مقابلہ میں یہ جرم اپنی کیفیت وکمیت ہر دو میں اُن سب سے زیادہ ہے کہ ایک بے گناہ کے قتل کے ضمن میں کئی بے گناہوں کی جان لیتا ہے کئی گھروں میں ماتم کراتا ہے، کتنے گھروں کو اُجاڑتا ہے۔؟

ایک اشتباہ اوراُس کا ازالہ

یہیں پر اگر کسی مذہبی متعصب وبدتربیت کے ذہن میں یہ اشتباہ پیدا ہو جائے کہ انسانی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے جبکہ اپنے کسی مذہبی مخالف کو اس نیت سے کوئی شخص ہلاک کرتا ہے یا اُس پر قاتلانہ حملہ کرتا ہے کہ وہ اُس کے نظریہ کا مخالف ہونے کی وجہ سے اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے، ترویج اسلام کے سلسلہ میں سدراہ ہے یا اس کے عقیدہ کے مطابق بدعات وشرکیات کو ترویج دے کر اسلام کو نقصان پہنچانے والا ہے جس کے ضرر سے اسلام کو بچانے کے لیے اُسے ختم کرنے کو افضل جہاد تصور کر کے ایسا اقدام کرتا ہے گویا وہ اور اسے اس طرح کا جارحانہ ماحول مہیا کرنے والے پردہ نشین حضرات اپنی اس نیک نیتی کی بنیاد پر اجتہادی غلطی کر رہے ہیں جبکہ اجتہادی غلطی پر عذاب کا تصور نہیں ہوتا بلکہ نیک نیتی اور خالص اسلامی تصور اجتہاد پر مبنی اس غلط اقدام پر بھی اُسے ایک گونہ ثواب ملنے کی اُمید ہے۔ اُصول فقہ کا متفقہ ضابطہ ہے کہ:

”اَلْمُجْتَهِدُ قَدْ يُصِيبُ وَقَدْ يُخْطِي فَإِنْ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَإِنْ اَخْطَاءَ فَلَهُ اَجْرٌ وَّاحِدٌ“

یعنی مسائل اسلامیہ کو سمجھنے میں کوشش کرنے والے کی فکری کاوش کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط۔ درست ہونے کی صورت میں اُسے دو چند ثواب ملتا ہے جبکہ غلطی کرنے کی صورت میں ایک گونہ ثواب ملتا ہے۔

اسلام کے اس مسلمہ اُصول کے ہوتے ہوئے ان اسلامی مجاہدین کو جن کی اپنے مذہبی مخالفین کو ختم کرنے کے حوالہ سے یہ عملی کاوش ان کی فکری کاوش واجتہادی غلطی پر مبنی ہے۔ ایسے میں

اُنہیں قابل سزا مجرم، معاشرہ کا دشمن، واجب القتل اور دو چند عذاب کے مستحق قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوچ اشتباہ اور غلط فہمی کے سواء اور کوئی حقیقت نہیں رکھتی بلکہ حقیقت کی نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو یہ فرقہ خوارج کی سوچ سے مختلف نہیں ہے کیوں کہ صریح نصوص کے خلاف اس قسم کا شیطانی اجتہاد سب سے پہلے اُنہوں نے کیا تھا کہ امام برحق، خلیفۃ المسلمین مولیٰ علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی امامت وخلافت کو بزعم خویش غیر اسلامی تصور کر کے اُن کے قتل کے درپے ہوئے، مسلمانوں پر مسلح حملہ کیا، ناحق خونریزی کی۔ اُن کے یہ تمام تر اعمال شنیعہ مردودہ اُن کے اس شیطانی اجتہاد پر مبنی تھے کہ جنگ صفین کی آگ کو بجھانے کے لیے عمرو ابن العاص اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ثالثی کو تسلیم کر کے مولیٰ علی کافر ہو چکے ہیں۔ جس وجہ سے اُن کی خلافت وامامت بھی غلط قرار پاتی ہے۔ نیز اُن کور چشم بے بصیرتوں نے قرآن شریف کی آیت کریمہ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" کا صحیح محل ومصداق سمجھنے سے محرومی کی بنا پر اس کے حوالہ سے شیطانی اجتہاد کیا کہ اللہ کے سوا کسی اور کے حکم کو تسلیم کرنا کفر ہے۔ اُن کے اس شیطانی اجتہاد کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ"

یعنی اللہ کا کلام تو برحق ہے لیکن یہ بدتربیت اس سے غلط اجتہاد کر رہے ہیں، کلمہ حق میں معنی باطل تلاش کر رہے ہیں اور نصوص حقہ کے مقابلہ میں شیطانی اجتہاد کر کے خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی مغالطہ دے رہے ہیں۔

اہل انصاف اگر اندھی تقلید، ماحولیاتی اثرات اور مذہب کے حوالہ سے خود ساختہ تکلف کے خول سے نکل کر عقل وانصاف کے تناظر میں موجودہ دور کے مذہبی فسادیوں کے اس اجتہاد کا موازنہ آج سے چودہ سو سال قبل فتنہ خوارج سے کریں تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ ان میں ذرّہ برابر فرق نظر نہیں آئے گا۔ وہ بھی صریح نصوص کے مقابلہ میں شیطانی اجتہاد کیا کرتے تھے یہ بھی کرتے

ہیں، وہ بھی اہل حق کو کافر سمجھ کر اُن کو قتل کرتے تھے یہ بھی کرتے ہیں، وہ بھی قرآن وحدیث کے نصوص میں من گھڑت تاویلیں کر کے غلط مطلب اخذ کرتے تھے، یہ بھی کرتے ہیں اور وہ بھی شیطانی اجتہاد کی بنیاد پر اپنے نظریاتی مخالفین کو واجب القتل مشہور کر کے فساد فی الارض کیا کرتے تھے یہ بھی کرتے ہیں۔ اگر اِن میں کوئی فرق ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ اُن بدنصیبوں کا دور پہلے تھا جبکہ اِن بد تربیتوں کا دور بعد میں ہے۔ نیز اُس وقت اُنہیں قرار واقعی سزا دینے والے امام برحق، خلیفۃ المسلمین لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیّ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار موجود تھے۔ جنہوں نے تبلیغی مراحل کے اتمام حجت پورا کرنے کے بعد شرعی اصولوں کے عین مطابق اُنہیں تہہ تیغ کر کے بیضۃ الاسلام کی حفاظت کا انتظام فرمایا لیکن ہمارے دور کے اِن فسادکاروں سے پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مجتہد کو مصیب ہونے کی صورت میں دو چند ثواب اور غلطی کی صورت میں ایک گونہ ثواب ملنے کا اسلامی اصول اپنی جگہ اٹل ہے لیکن اس کے لیے اجتہاد کا اسلامی ہونا ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی بدبخت، کوتاہ بین، بے بصیرت اور اسلام کی پاکیزہ تربیت سے محروم شخص قرآن وحدیث، عرف عام، حس، مشاہدہ اور اجماع اُمت کے مقابلہ میں اپنے نکتہ نظر کے مخالفین کو واجب القتل قرار دلانے کی فسادی سوچ کو جائز ثابت کرنے کے لیے اس اسلامی اُصول کا سہارا لے تو اُسے بھی اجازت دی جائے (حَاشَا وَ کَلَّا) اسلام میں اس قسم اجتہاد کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی غیر منصوصی مسئلہ میں یعنی ہر اُس مسئلہ میں جس کے جواز یا عدم جواز کی پوزیشن متعین کرنے میں قرآن وحدیث اور اجماع اُمت میں کسی قسم کی واضح دلیل موجود نہ ہو تب اُس کے اشباہ ونظائر یا اُس کے قریب تر کوئی ایسا مسئلہ دیکھا جائے جس پر شرعی دلیل اور واضح نص پہلے سے موجود ہو اور جس فلسفہ کی بنیاد پر اُس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے وہ اس غیر منصوصی مسئلہ میں بھی پائے جانے کی صورت میں اصل کا حکم اس پر بھی منطبق کیا

جائے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیخ فانی یا دائم المرض جو صیام رمضان کا فریضہ نہ رکھ سکے تو اُس کے لیے قرآن شریف میں ''فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یہ اصل حکم ہے اور منصوص علیہ ہے لیکن اگر کسی مسلمان سے کچھ نمازیں قضاء ہو جائے اور قضائی پڑھے بغیر مرض الموت کے منہ میں جانے لگے۔اس کے متعلق شرعی نصوص میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے کہ قضاء شدہ نمازوں کا کیا کرے کیا نہ کرے۔ ماہرین الٰہیات و مجتہدین کرام نے شرعی مسئولیت پر عمل کرتے ہوئے اس پر غور کیا اور دیکھا کہ قضا شدہ نمازیں بھی روزہ کی طرح ہی عبادت اور حقوق اللہ کے زمرہ میں شمار ہیں۔جب روزہ کی ادائیگی سے عاجز و ناتوان کے لیے محض فلسفہ عجز و ناتوانی کی بنیاد پر فدیہ دینا جائز قرار دیا گیا ہے تو پھر مرض الموت کے ساتھ دو چار انسان پر جو اس وقت قضاء شدہ نمازوں کی ادائیگی سے عاجز و ناتوان ہے بھی فی نماز ایک مسکین کو دو وقت کے کھانا کھلانے کا حکم لاگو ہوگا کیوں کہ وجوب فدیہ کے لیے ان دونوں میں علت مشترک ہے جو عبادت کی ادائیگی سے عجز و ناتوانی ہے۔اس اجتہادی حکم کے نتیجہ میں اُس مرنے والے مسلمان پر اپنے اوپر لازم قضا نمازوں کے عوض فدیہ کی ادائیگی کے لیے وصیت کرنا لازم ہے جس کے بغیر فوتگی کی صورت میں گناہ گار ہوگا۔لیکن مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ اِس غیر متنازعہ اجتہادی مسئلہ کو بھی کچھ علماء سوء نے متنازعہ بنا کر ایک فریق فوت شدہ نمازوں کے لیے وجوب وصیت،اُس پر عمل اور اس کے لیے مجتہدین کرام کی طرف سے بتائے ہوئے طریقہ کار سے ہی انکار کر رہا ہے جبکہ دوسرا فریق مجتہدین اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے برخلاف نہایت نامعقول انداز عمل کو شعار اہل سنت قرار دینے کی جہالت میں مبتلا ہے۔(فَـالِی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

فتنہ خوارج کا تسلسل

خلاصہ جواب یہ ہے کہ "لِلْمُجْتَهِدِ الْمُصِيبِ اَجْرَانِ وَلِلْمُخْطِئِ اَجْرٌ وَاحِدٌ" والے اسلامی اُصول پر اِن مذہبی فساد کاروں کو قیاس کر کے انہیں مستحق ثواب قرار دینا شیطانی وسوسہ واشتباہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ قاعدہ اسلامی اجتہاد کے لیے ہے جو غیر منصوص علیہ فروعی مسائل میں ہوتا ہے جبکہ ان مذہبی فساد کاروں کا یہ کردار اتحاد بین المسلمین کی فرضیت سے متعلقہ قرآن و حدیث کے صریح نصوص کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے غیر اسلامی اجتہاد ہے، شریعت کے متضاد ہے، شیطانی عمل ہے، تقلید ابلیس اور زوال مسلم کا سبب ہے۔ لہٰذا اپنے فقہی و مسلکی مخالفین کو قتل کرنے یا اُن پر مسلح حملہ کرنے کو جائز سمجھنے والے یا اِس کے ارتکاب کرنے والے، ان کی حوصلہ افزائی کرنے والے اوران کے لیے ایسا ماحول تیار کرنے والے سب کے سب فتنہ خوارج کا جاری تسلسل، ان کے غیر مرئی ہاتھ اور اُن کے ہم عقیدہ وہم کردار ہونے کی بنا پر قرار واقعی سزاؤں کے مستحق ہیں۔ کاش خلافت راشدہ کی طرح صالح قیادت ہوتی، کتاب اللہ کی حکمرانی ہوتی اور "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار" کی حکومت ہوتی تو بے محل، بے موسم اور بے مصرف حملہ کرنے والوں کی جہالت کی طرح مسلم کشی کو جائز قرار دینے والے جہالت کے ان پلندوں کو بھی اُسی طرح عبرت ناک سزائیں دی جاتی جیسے حضرت مولیٰ علی نے فرقہ خوارج کو دی تھیں۔

جس کا پسِ منظر اس طرح تھا کہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی رکھی ہوئی مستحکم بنیادوں کی بدولت خُلفائے راشدین کے اوائل دور میں مسلم سرحدات کی توسیع زیادہ ہوئی، خلقِ خدا کثیر تعداد میں داخلِ اسلام ہوئی اور مختلف مزاج کے قبائل اور متلون طبائع کی قوموں نے اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اُسے اپنایا لیکن اسلام کی اِس بڑھتی ہوئی افرادی قوت کے شرح تناسب کے مطابق ذہنی تربیت کا ایسا موثر انتظام نہ ہو سکا جو ہونا چاہیئے تھا۔ نیز خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے ضعیف العمر درویش پر بنواُمیہ کے کچھ بے اعتدالوں کے اثر انداز ہونے کے نتیجہ میں مرکزی حکومت کے

خلاف اندرونِ ملک منفی پروپیگنڈا کا حجم بھی وسیع سے وسیع تر ہونے لگا جس کے نتیجہ میں نو مسلموں کو اسلامی تربیت دینے کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ انجام کار اسلام کے اِن ہی نادان دوستوں اور ناتربیت نومسلم نوجوانوں نے جہاد کے نام پر ہی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کی، خلیفۃ المسلمین کو شہید کر ڈالا اور ظلم کے خلاف جہاد کہہ کر کچھ سادہ لوح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اپنا ہم نوا بنایا اور جہاد کے نام پر دہشت کا اتنا بڑا رُعب جمایا کہ اُن پر کنٹرول کرنا ممکن نہ رہا۔ یہ تھا فتنۂ خوارج کا اولین ظہور جس کا تذکرہ بعض کتابوں میں فتنۂ بغاۃ، بعض میں فتنہ و بلوا، بعض میں فتنۂ تحریک عوامِ مصر اور بعض میں جیش عمیہ یعنی نامعلوم لشکر سے کیا گیا ہے بہرحال ناموں کے بدلنے سے اصل حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اسلام کے نام پر اور جہاد کے نام سے سب سے پہلے مسلح طریقے سے ظاہر ہونے والے اِس فتنے کے اصل ذمہ دار اسلام کے اُن نادان دوست اور ناتربیت نومسلم نوجوانوں کے دستوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

فتنہ خوارج کا دوسرا ظہور

اُس وقت ہوا جب اسلامی حکومت کے ایک صوبہ کی طرف سے مرکزی حکومت کے خلاف کچھ اختلافات پیدا ہو گئے اور بڑھتے بڑھتے جنگِ صفین کی شکل اختیار کر گئے اور مرکز کے دفاع کے لیے جہاں اسلامی تربیت و تہذیب سے مزین حضرات آگے بڑھے وہاں اُن کے ساتھ غیر تربیت یافتہ جتھے بھی شامل ہوئے صوبائی باغیوں نے خرابی بسیار کے بعد خود کو بچانے کے لیے قرآن شریف کا نسخہ نیزے پر اُٹھا کر جنگ بندی کے لیے تجویز دی کہ یہ قرآن شریف ہے جس پر ہم سب کا ایمان ہے ہمارے درمیان یہ فیصلہ کرے گا، اُنہوں نے کہا کہ مرکزی حکومت کو چاہئے کہ جنگ بندی کرا کر اِس کے مطابق فیصلے کا انتظار کرے۔ یہ اعلان سن کر مرکزی حکومت کے لشکر میں موجود اسلام کے اِن نادان و ناتربیت دوستوں نے اِس کے ساتھ اتفاق کیا اور مرکزی حکومت کو اِسے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جس کے نتیجہ میں باغی لشکر کی طرف سے عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو اور مرکزی

حکومت کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم و نمائندہ مقرر کر کے اُنہیں قرآن شریف کے مطابق فیصلہ کرنے کا کہا گیا جس میں مرکز کے ساتھ دھوکہ ہونے کے بعد اسلام کے ان نادان و ناتربیت دوستوں نے اپنا راستہ جدا کیا اور ہر دو فریقوں کو کافر کہہ کر اُن سے وابستہ لوگوں کو قتل کرنے لگے۔ مقامِ نہروان کو بیس کیمپ بنا کر جہاد کے نام سے مسلم کشی کرنے لگے یہ فتنہ خوارج کا دوسرا مسلح ظہور تھا جبکہ غیر مسلح ظہور اِن کا سب سے پہلے رسولِ اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اُس وقت ہوا تھا کہ جب اللہ کے رسول سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ حنین سے فارغ ہونے کے بعد مقامِ جعرانہ میں غنیمت سے حاصل شدہ اموال کا پانچواں حصہ اپنی ثواب دید کے مطابق تقسیم فرما رہے تھے تو بنو تمیم قبیلہ کے ایک شخص نے یہ کہہ کر اللہ کے معصوم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا:

"هذه قسمة ماارید بها وجه الله"

یعنی یہ تقسیم غلط ہو رہی ہے جس میں اللہ کی رضا پیشِ نظر نہیں رکھی گئی۔

حدیث میں اُس کا نام ذوالخویصرہ بتایا گیا ہے اُس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس کو قتل کرنے کی اجازت چاہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اِس وقت یہ ایک ہے جبکہ اِس طرح اور بہت پیدا ہوں گے جو دین کے نام پر فساد کریں گے اور دینِ اسلام سے ایسے خارج ہوں گے جیسے شکار کو لگنے والا تیر خارج ہوتا ہے۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

"دینِ اسلام کے نام پر فتنہ پردازی کرنے والے یہ خوارج نمازیں بھی پڑھیں گے، روزہ بھی رکھیں گے اور قرآن شریف کی تلاوت و قرأت بھی کریں گے اُن کی ظاہری دین داری کو دیکھ کر تم اپنی نماز و روزہ کو اُن کے مقابلہ میں ہیچ سمجھو گے حالاں کہ یہ سب کچھ ظاہر داری میں ہوگا۔ حقیقت میں قرآن شریف کی روشنی اور اسلامی احکام اُن کے گلے سے نیچے نہیں جائیں گے۔"

اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے کافی حد تک اُن کی فساد کاریوں کی پیشن گوئی کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''دینِ اسلام کے نام پر ہی اسلام سے خارج ہونے والے اِن فسادیوں کو جو قتل کرے گا اجر پائے گا۔''

بخاری شریف، جلد 1، مطبوعہ سعید ایچ ایم کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی کے صفحہ 509، 443۔ جلد 2، صفحہ 1024، 1128، 756 صفحات پر موجود اِن تمام روایات سے فتنہ خوارج کی ابتدائی تاریخ اور اُن کے مورثِ اعلیٰ کا پتہ چلنے کے ساتھ واضح الفاظ میں یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اسلام کے نام پر فتنہ پھیلانے والا یہ فرقہ واجب القتل ہے اور اِن کو قتل کرنے والا اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے مذکور یہ الفاظ:

''لا یجاوز ایمانهم حناجرهم فاینما لقیتموهم فاقتلوهم فان قتلهم اجر لمن قتلهم یوم القیامه''(۱)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خوارج کا ایمان اُن کے گلے سے نیچے نہیں اُترتا تو جہاں پر پاؤ اُنہیں قتل کرو کہ اُنہیں قتل کرنے والا قیامت کے دن اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

قرآن شریف میں بھی اللہ تعالیٰ خوارج کو اور قیامت تک اُن کے عقائد و کردار پر وجود میں آنے والوں کو لعنتی قرار دیا ہے۔ فرمایا:

''فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا تمہارا انداز یہ نہیں بتا رہا ہے کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور اپنے رشتے کاٹ دو گے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور حق کو

۱۔ بخاری شریف، ج:2، ص:756۔

۲۔ محمد:22-23۔

سننے سے بہرہ کردیا اور حق کو دیکھنے سے اُنہیں نابینا کردیا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ خوارج سے مسلمانوں کے دلوں میں جو نفرت پائی جاتی ہے وہ کوئی فقہی اختلاف کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اُن کا اُصولِ اسلام سے انحراف کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے اُصول وعقائد کے مطابق اپنے سوا کسی اور کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے ہیں، جو اُن کے عقیدہ و طریقہ پر قائم نہیں ہے اُن سب کو وہ اسلام سے خارج اور واجب القتل کہتے ہیں جس وجہ سے ہر مومن مسلمان کے دل میں اُن سے نفرت و کراہت پائی جاتی ہے اور اسلام کی چاردیواری کے اندر جتنے بھی فقہی مذاہب ہیں اُن میں کوئی ایک مذہب بھی ایسا نہیں ہے جس میں اِس فتنہ پرور فرقہ سے نفرت نہ کی جاتی ہو۔ ایسے میں اُن سے نفرت کو اہل اسلام کے باہمی فروعی اختلاف کی وجہ سے وقتی اور عارضی نفرت کی طرح ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ یہ اِسلئے کہ فروعی اختلاف صحابہ کرام ﷡ کے وقت سے چلے آرہے ہیں۔ کسی بھی دورِ تاریخ میں اہل اسلام کے ان مذاہب نے ایک دوسرے پر لعن وطعن کرنے کو جائز نہیں سمجھا جبکہ خارجیت کو ہمیشہ اور سب نے لعنتی فرقہ سمجھا ہے۔ ایسے میں ہر مومن مسلمان کے دل میں اور ہر اسلامی مذہب میں خارجیت سے نفرت کیوں نہ ہو اور کسی مسلمان کو خارجی کہنا اُس کی توہین اور قابلِ سزا جرم کیوں نہ ہو۔

اِس میں چوتھے سوال کا جواب بھی آ گیا اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اہل اسلام کے مختلف مکاتب فکر کے مورخین سے لے کر مفتیانِ کرام تک سب نے تاریخ کے مختلف ادوار میں خارجیت کی علامات، عقائد اور اُن کے مذہبی معمولات کا تذکرہ کیا ہے۔

سند المحققین و امام المتکلمین میر السید السند المتوفی 816ھ نے شرح مواقف کی جلد چہارم، صفحہ 424 سے لے کر 426 تک اِس گمراہ فرقہ کے بارہ (12) عقائد و معمولات اور دینِ اسلام سے متصادم بارہ (12) علامات و نشانیوں کو بیان کیا ہے۔

امام ابن حزم الظاہری المتوفی 456ھ نے کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل کی جلد اول میں صفحہ 188 سے لے کر 190 تک اِن کے چوبیس (24) عقائد و معمولات کو بیان کیا

ہے۔ امام عبدالکریم الشہرستانی المتوفی 542ھ نے الملل والنحل جلد 1، صفحہ 18 میں اور جلد 2، صفحہ 155 تا صفحہ 185 میں اُن کی دو درجن سے بھی زیادہ علامات وعقائد اور معمولات وخرافات کو ذکر کیا ہے۔ اِن کے علاوہ شارح ہدایہ محقق علی الاطلاق ابن ہمام المتوفی 861ھ نے فتاویٰ فتح القدیر، جلد پنجم کے صفحہ 334 پر اُن کے کچھ سیاہ کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اِن حوالہ جات کے مطابق ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اِن حضرات نے خارجین عن جماعت المسلمین جو فرقہ خوارج، خارجی اور خارجیت جیسے ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں اِن کے مخصوص عقائد و کردار اور پہچان و علامات جو بیان کی گئی ہیں۔ اُن کا تذکرہ پیش کریں:

- خارجی عقیدہ کے مطابق دینِ اسلام آئندہ جا کر منسوخ ہو جائے گا اُس کی جگہ دوسرا دین آئے گا جس کو ایک عجمی پیغمبر لے کر آئے گا جس پر قرآن بھی دوسرا نازل ہوگا جو عجمی زبان میں ہوگا اور یکبارگی نازل ہوگا۔
- خارجی عقیدہ میں ماہِ رمضان کے روزہ کی حالت میں جو شخص سو جائے اُس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اُس روزہ کو قضا کرنا ضروری ہے۔
- خارجی عقیدہ میں اگر کوئی یہودی یا نصرانی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى الْعَرَبِ لَا اِلَيْنَا" کہے وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح مسلمان ہو جاتا ہے اور اُس کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔
- خارجی عقیدہ میں پانی کی موجودگی میں بھی تیمم کرنا جائز ہوتا ہے۔
- بعض خارجیوں کے عقیدہ کے مطابق نماز پنجگانہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اِس کی جگہ صرف ایک رکعت صبح اور صرف ایک رکعت شام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ فرض کہتے ہیں۔
- خوارج کے عقیدہ میں ہر وقت اور سال کے ہر مہینہ میں حج کیا جا سکتا ہے۔ اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ" (۱) کی عجیب وغریب انداز میں تاویلیں

۱۔ البقرة: 197۔

کرتے ہیں۔

- خارجی مذہب میں مچھلی کا گوشت اُس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا جب تک اُس کو پکڑنے کے بعد ذبح نہ کیا جائے۔یعنی مچھلی کو ذبح کرنا ضروری ہے ورنہ حلال نہ ہوگی۔
- خارجی مذہب میں عیدالفطر اور عیدالاضحٰی کی خالی نماز واجب ہے جس میں خطبہ جائز نہیں ہے اور خطبہ پڑھنے والے خطیب کو کافر کہتے ہیں۔
- دوزخیوں کے بارے میں اُن کا عقیدہ ہے کہ وہ دوزخ کے اندر ایسے ہی مزے میں ہوں گے جیسے جنتی لوگ جنت کی نعمتوں کے مزے اُڑاتے ہیں،فرق صرف ماحول کا ہے۔جس کے بدلنے سے اِن جگہوں کے نام بدل گئے ایک کا نام جنت رکھا گیا اور دوسرا کا جہنم۔
- خارجی عقیدہ کے مطابق محصن زنا کار یعنی شادی شدہ زنا کار پر حد اور رجم نہیں ہے۔
- اِس مذہب میں چور کا پورا ہاتھ کاٹنا لازم ہے یعنی کاندھے کے نیچے تک ورنہ حد تمام نہیں ہوگی اور اِس پر عمل نہ کرنے والے سب کافر ہوں گے۔
- خوارج کے بعض فرقے عورتوں کے مخصوص ایام میں بھی اُن پر نماز وروزہ لازم سمجھتے ہیں جب کہ بعض ایام حیض کی قضا شدہ نمازوں کو بھی روزوں کی طرح قضا کرنے کو لازم کہتے ہیں۔ خوارج کا یہ فرقہ حَرُوریہ کے نام سے مشہور تھا جس کا تذکرہ بخاری شریف میں بھی آیا ہے۔
- خارجی عقیدہ کے مطابق جو شخص اُن کے مخصوص عقیدہ پر نہیں ہے اُس کو کافر اور واجب القتل کہتے ہیں نہ صرف اتنا بلکہ اپنے مخالفین کے چھوٹے بچوں کے قتل کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔اِسی طرح اُن کی عورتوں کو اور اُن سے متعلق مریض وعاجز ضعیف وناتوانوں کے قتل کو بھی کارِثواب وجہاد سمجھتے ہیں۔
- خارجی عقیدہ میں مذہبی مخالفین کو قتل کرنے میں جو اُن کا ساتھ نہ دے اُسے بھی واجب القتل اور کافر قرار دیا جاتا ہے۔
- خارجی عقیدہ میں یہود ونصاریٰ کو قتل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جو شخص خود کو یہود ونصاریٰ کی

طرف منسوب کرے اُسے بھی کچھ نہیں کہتے ہیں۔ خوارج کے اِس خاص عقیدہ وکردار کی پیشن گوئی کرتے ہوئے اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا تھا:

''اِنَّهُمْ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَتْرُكُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ''

- خارجی عقیدہ میں گناہ کبیرہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک مشرک ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ بار بار کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔
- خارجی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بھی آگ کا عذاب نہیں دیتا اُس کے سوا ہر طرح کا عذاب ممکن لیکن دوزخ کی آگ کے عذاب کا تصور اُن کے عقیدہ میں فضول ہے۔
- بعض خوارج کے عقیدہ میں پوتیوں، نواسیوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔
- خارجی عقیدہ کے مطابق جو شخص صرف زبان سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہے اور دل میں اِس کے ساتھ تصدیق نہ ہو پھر بھی مسلمان ہوتا ہے۔
- خارجی عقیدہ میں دل میں کسی بھی کفری مذہب کو حق جاننے والا مسلمان ہوتا ہے۔
- خوارج کے عقیدہ میں تقیہ کے قرآنی حکم پر عمل کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ اِس سلسلہ میں وہ آیت کریمہ ''اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً'' (۱) کی عجیب وغریب اور نا قابلِ عمل تاویلیں کرتے ہیں۔
- خوارج کے عقیدے میں پیغمبر کا گناہ گار ہونا اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہونا جائز ہے بلکہ اُن کے بعض فرقوں کے نزدیک پیغمبر کے لیے کفر کو بھی ممکن سمجھا جاتا ہے۔
- خارجی عقیدہ میں جن صحابہ رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا اُن سب کو کافر سمجھا جاتا ہے۔
- خوارج کے مذہب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اہل بیت اطہار کا ساتھ دینے والا،

۱۔ آل عمران:28۔

اُنہیں مسلمان سمجھنے والا اور اُن کے ساتھ کسی بھی قسم ہمدردی کرنے والے کو واجب القتل سمجھا جاتا ہے۔

جملہ فرقہ ہائے خوارج کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل ابن مُلجم جیسے شقی شخص کو سب سے افضل، اللہ کے قریب اور جنتی سمجھا جاتا ہے۔

خوارج کے عقیدہ میں سورۃ یوسف قرآن شریف کا جزو اور اُس کا حصہ نہیں ہے اُن کے عقیدہ کے مطابق یہ سورۃ ایک فاحشہ عورت کی داستان ظلم پر مشتمل ہے جس وجہ سے قرآن شریف کا حصہ ہونے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ قرآن شریف کی جس آیت کے مضمون کو وہ اپنے مخصوص عقائد وخیالات کے خلاف سمجھتے ہیں اُس پر قطعاً عمل نہیں کرتے، گویا اُن کے نزدیک اپنے بڑوں سے اُن تک پہنچے ہوئے عقائد ومعمولات قرآن وسنت کے احکام سے زیادہ اہم اور زیادہ قابل عمل ہیں۔

خوارج کے عقیدہ میں جرگہ کے ذریعہ یا کسی کو ثالث بنا کر اُس کے ذریعہ تنازعات کا فیصلہ کرانے والے کافر ہوتے ہیں اپنے اس مزعومہ اُصول کی بنا پر اُنہوں نے جنگ صفین کے دونوں فریقوں کو کافر کہہ کر امامت کبریٰ کے منصب پر فائز خلیفہ برحق سے بغاوت کی تھی اور آیت کریمہ ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' کا نعرہ لگا کر خلقِ خدا کو گمراہ کرتے کرتے بارہ ہزار کی تعداد میں مسلح فوج تیار کی تھی۔

فرقہ خوارج فقاہت سے محروم اور مزاج اسلام سے ناآشنا ہونے کی بنا پر جہاں پر فقاہت ہو یا اسلامی مزاج کے مطابق تعلیم وتبلیغ ہو اُس کو کفر وشرک کہہ کر اُس کے خلاف قدم اُٹھانے اور اُسے ختم کرنے کے لیے ہر اِقدام کو افضل جہاد کہتے ہیں اپنے اِسی اُصول کی بنیاد پر خدا جانے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تابعین تک، عابدین وزھاد سے لے کر علماء وفضلاء اور فقہاء اسلام تک، کن کن ہستیوں کو مختلف سازشوں سے شہید کیا ہو اور اپنے اِس ناپاک اُصول کی بنیاد پر ہی دنیائے اسلام کے سب سے بڑے عالم وفقیہہ، مزاج شناس اسلام اور باب العلم

حضرت علی المرتضیٰ نوراللہ وجہہ الانور کو بھی وقت کے بدترین شقی ابن ملجم کے ذریعہ شہید کرایا نہ صرف اسی پر اکتفا کیا، بلکہ تکفین و تجہیز اور سپردگی خاک کے بعد بھی اُن کے جسد اقدس کو قبر سے نکال کر توہین کرنے کے درپے رہے جس کو محسوس کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیٹوں کو وصیت کی کہ جنازہ کے لیے اعلانِ عام نہ ہو، تشییع کا اہتمام نہ ہو، سپردگی خاک کا وقت کسی کو نہ بتایا جائے، جائے دفن کا بھی خاندان کے خواص کے سوا کسی اور کو علم نہ ہو اور تدفین کے بعد بھی اُس وقت تک قبر خاندان کے خواص کے سوا کسی اور کو معلوم نہ ہونے پائے۔ جب تک خوارج کے ناپاک عزائم کا خاتمہ نہ ہو جائے اور اُن کے پوشیدہ جتھوں کو غیر اسلامی طریقے سے قتل کر کے بقایا کو اپنے غم میں مبتلا نہ کر دیا جائے۔ اُس وقت تک قبر کو پوشیدہ رکھنے کے اِس معیار میں چاہے صدیاں گزر جائیں پھر بھی اہل خاندان کے خواص کی ذمہ داری ہے کہ خوارج سے تحفظ کی خاطر اِس کا اہتمام ضرور کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نورِ بصیرت کے تقاضے سے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوین کے عین مطابق اِس وصیت کی تکمیل کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

حضرت کے وصال کے بعد خاندان کے خواص نے بالخصوص حضرات حسنین کریمین (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا) نے حضرت کی اِس وصیت پر پورا پورا عمل کیا جس کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین سے لے کر نماز جنازہ تک، تشییع جنازہ سے لے کر تدفین تک اور جائے دفن سے لے کر قبر تک، ہر چیز عوام و خواص کے لیے مُعمہ بن کر رہ گئی۔ حضرت کی پیشن گوئی کے عین مطابق جب کج کلاہان بنواُمیہ نے اپنے 92 سالوں پر محیط دورانیہ خلافت میں خوارج کے چھپے ہوئے جتھوں کو بھی ڈھونڈ نکالا اور اُنہیں اپنے اقتدار کی راہ میں خطرہ سمجھ کر غیر اسلامی طریقوں سے قتل کیا اور جو فرار ہونے میں یا چھپ جانے میں کامیاب ہو گئے تھے اُنہیں بعد میں بنوعباسیہ کے اوائل تاجداروں نے غیر اسلامی طریقوں سے ختم کیا پھر بھی جو پراگندہ حال مفروریت کے عالم میں یا رُوپوشی کی دنیا میں وقت گزار رہے تھے اپنے غم میں ہی ڈوبے

رہتے تھے ویسے بھی دنیا کے تمدنی حالات کافی حد تک بدل چکے تھے تب گلستان ولایت اور خاندان نبوت کے مخصوص پھولوں نے اور اپنے مورثِ اعلیٰ کے نسلاً بعد نسل مخصوص شہزادوں نے حضرت کی وصیت کے مطابق دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حضرت کی قبر فلاں جنگل میں ہے (جو بعد میں عظیم شہر کی شکل اختیار کر گیا جس کو نجف اشرف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) آیا کتنی صدیاں بعد یہ راز کھل گیا اور حضرت کی قبر مبارک کا انکشاف ہوا یہ الگ موضوع ہے یہ تحریر اِس کا محل بیان نہیں ہے ہمارا مقصد یہاں پر فتنہ خوارج کی ہولناکیوں کی ایک جھلک بتانا ہے کہ قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود وہ اہل فضل کے زندوں کو برداشت کر سکتے ہیں نہ مردوں کو، مقتدرہ سے صرفہ کرتے ہیں نہ رعایا سے اور سچے مسلمانوں کی آبادیاں اُن سے محفوظ رہ سکتی ہیں نہ قبرستان۔

- خوارج کے عقیدہ کے مطابق اپنے نظریاتی مخالفین کے خلاف اسلحہ اُٹھانے کو ضروری فرض سمجھنے کی طرح اُن کے مُردوں کی لاشوں کو بھی قبروں سے نکال کر حتی المقدور توہین کرنے کو مذہبی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔

- خارجیت کے عقیدہ میں خلافت علی منہاج النبوۃ یا اِمامت علی منہاج النبوۃ کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ اُن کے مزعومہ مذہب میں قرآن وسنت اور نظام مصطفیٰ ﷺ کی حکمرانی کے لیے کوشش کرنے کے بجائے انفرادی اصلاح عمل کے لیے کام کرنا افضل ہے اور وہ انفرادی اصلاح عمل کے لیے محنت کرنے کو ہی کارِ پیغمبر کہتے ہیں اور اُن کے عقیدہ کے مطابق حکومت تشکیل دیئے بغیر بھی دُنیا کا نظام چل سکتا ہے۔

مذکورہ حوالہ جات کے مطابق یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا، فرقہ خوارج کی ہزارہا خباثتوں میں سے مشتی نمونہ از خرواری ہے جن کو مورخین سے لے کر متکلمین تک، بزرگوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنی کتابوں میں لکھ کر مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو اِن سے آگاہ رہنے اور اِن کے شر سے اپنا ایمان بچانے کا سامان فراہم کیا ہے۔ موجودہ دور میں انصاف کی نظر سے اگر دیکھا جائے

تو جو تنگ نظر، تعصب زدہ اور اسلام ناشناس قسم کے مذہبی جنون میں مبتلا لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان کو گزشتہ دور کے خوارج کی ایک جھلک کہا جا سکتا ہے لیکن کسی نارمل مسلمان کو خارجیت کی طرف منسوب کرنا نہ صرف حرام بلکہ اُس کی توہین اور اُس کی حیثیتِ عرفی پر حملہ کے مترادف اور قابل سزا جرم ہے کیونکہ خارجیت ایک ایسا جرم وعیب ہے جس سے مسلمانوں کے ہر مکتبہ فکر کو اور تمام مسلمانوں کو نفرت ہے۔

فدائی حملوں کی شرعی حیثیت کو متعین کرنے کی بابت خودکش حملوں کی دسویں اور گیارویں صورتوں کے تحت مذکورہ اقسام میں سے تیسری قسم کے ضمن میں بیان ہونے والے اس دِل خراش مذہبی قتال وجدال کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسے فدائی حملوں کی اِس تیسری صورت میں خود فنائی کی نیت کے بغیر دوسروں کو بے مصرف ہلاک کرنے والے اپنے آپ کو بھی ناجائز ہلاک کرتے ہیں جاہلانہ عمل میں مبتلا ہیں اور خطا کار و گناہ گار ہیں اسی طرح فساد کاری کے لیے ایسا ماحول تیار کرنے والے اور مخالفین کو ختم کرانے کی ترغیبات وتربیت دینے والے مذہبی جنون میں مبتلا جہالت کے یہ پلندے بھی ناقابلِ اِصلاح جاہل ہیں اور معصیت کار وخطا کار ہیں۔ اِس پر مستزاد یہ کہ ناجائز حملہ آور دشمن کو ناجائز طریقے سے ہلاک کرنے کے ساتھ خود بھی گناہ کی موت مر کر ختم ہوتے ہیں جبکہ اِس کی ترغیب وتربیت دینے والے اپنے مذہبی رقیبوں کو نقصان پہنچانے کے بعد بھی زندہ رہ کر پہلے سے بھی زیادہ دلاور ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اُن کے مقابلہ میں ان کا جرم زیادہ سخت ہے، زیادہ گناہ ہے اور انسانی معاشرہ کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے جس کا حجم فتنۂ خوارج سے کئی گنا زیادہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کی سرکوبی کے لیے "لَا فَتٰـی اِلَّا عَـلِـیّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار" کا علاج موجود تھا جبکہ اِن کی نرسریوں کو اُجاڑنے کے لیے مقتدرہ نہیں ہے جس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر جو چاہے کرتے ہیں۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شَرِّهِمْ وَشَرِّ مَنْ يُّعِيْنُهِمْ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ)

فدائی حملوں کی جائز صورتیں

دسویں، گیارویں صورتوں کے تحت فدائی حملوں کی چوتھی صورت یہ ہے کہ جن مجرموں کو ہلاک کرنے کی نیت سے ان پر فدائی حملہ کیا جا رہا ہے، شریعت مقدسہ کی نگاہ میں ان پر حملہ کرنا، انہیں ہلاک کرنا اور انہیں نقصان پہنچانا جائز ہو کیوں کہ ان سے اسلام کو یا مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے یا اسلام کی دعوت، حریت فکر و پیغام امن کی دعوت و تبلیغ کو پھیلانے میں رکاوٹ بن رہے ہوں، مسلم ملک یا مسلم عوام یا ان کے معاہدہ والوں کو یا ان کی عزت و املاک کو نقصان پہنچا رہے ہوں ان کے شر سے بچنے کے لیے اِس کے سوا کوئی اور طریقہ نہ ہو اِس سے پہلے امنیت کے ساتھ اُنہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی تمام کوششیں بے نتیجہ ہو چکی ہوں اور حملہ آور مجاہدین کی نیت میں ان کی ہلاکت کے ساتھ خود اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی نیت قطعاً نہ ہو۔

یعنی اِس اقدام سے ان کا واحد مقصد (1) دشمن کو ہلاک کرنا ہی ہو یا (2) اُنہیں نقصان پہنچا کر اُن کے ہاتھوں ہونے والے مظالم کو روکنا مقصد ہو چاہے جس طریقے سے بھی ہو سکے یا (3) ظلم کے خلاف اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جان کی قربانی دینے کے لیے اسلامی احکام پر عمل کرنا مقصد ہو یا (4) استحصالی ظالم کے خلاف مظلوموں کو تحریک حریت و حصول حقوق کی عملی تعلیم و ترغیب دینے کی غرض سے جانی و مالی قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کرنے کی نیت ہو یا (5) اس طرح کا کوئی اور ایسا مقصد پیش نظر ہو، جو قرآن شریف کی سورۃ بقرہ، آیت نمبر 207، سورۃ توبہ، آیت نمبر 111 کے تحت شامل ہو سکے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ فدائی قربانی کے علاوہ اور کوئی آسان و قابل عمل ذریعہ حصولِ مقصد موجود نہ ہو۔ ایسے حالات میں فدائی حملوں کی تمام عملی صورتیں نہ صرف جائز بلکہ جہاد بالسیف کی اعلیٰ مثال ہیں اور ان حملوں میں ہلاک ہونے والے مسلمان اپنی ان پاکیزہ نیتوں کی بنا پر شہادت کے عظیم مراتب پر فائض ہیں۔ اسلام کے احکام چونکہ دائمی ہوتے ہیں لہٰذا فدائی حملوں کی جوازی صورت کا یہ حکم بھی تاریخ کے ہر دور کی تمام صورتوں کو ہر جگہ شامل ہوگا۔

فلسطینی مسلمانوں کے فدائی حملے

فدائی حملوں کی اِس تفصیل کی روشنی میں فلسطینی مسلمانوں کی طرف سے 1989ء سے جاری فدائی حملوں کی شرعی حیثیت بھی معلوم ہوگئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال ہونے کے ساتھ عظیم شہادت بھی ہیں۔ جس پر فقہی دلیل اِس طرح ہوگی:

شرعی حکم:۔ فلسطینی مسلمانوں کا یہ کردار جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال اور شہادت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ظلم کے خلاف جان و مال کی قربانی ہے۔

کبریٰ:۔ اللہ کی راہ میں ظلم کے خلاف جان و مال کی ہر قربانی جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال اور شہادت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا فلسطینی مسلمانوں کا یہ کردار بھی جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال اور شہادت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

اِس میں اول المقدمتین یعنی صغریٰ جس میں مظلوم فلسطینیوں کے فدائی حملوں کو ظلم کے خلاف اللہ کی راہ میں جانی و مالی قربانی قرار دیا گیا ہے اِن شرائط کے ساتھ مشروط ہے کہ:

1. فدائی حملہ کرنے والوں کی نیت میں اپنے آپ کو ختم کرنا شامل نہ ہو۔
2. قومی عصبیت نہ ہو۔
3. موجودہ ظالموں سے ملک کو آزاد کرانے کے بعد مغرب کی تقلید میں اُن کی طرز پر غیر اسلامی حکومت تشکیل کرنا نہ ہو۔
4. شخصی آمریت یا کسی بھی غیر اسلامی طرز کی قیادت وجود میں لانا نہ ہو۔
5. کسی قسم کی بھی غیر شرعی عمل کو دخل نہ ہو۔
6. خطہ کو غاصب و ظالم صیہونیوں سے پاک کرنے کے بعد نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کرنا پیشِ نظر ہو۔

ظاہری حالات اور شنیدہ معلومات کے مطابق یہی کہا جاسکتا ہے کہ فلسطین کی تحریک آزادی کے لیے صیہونیوں کے ساتھ برسرِ پیکار پانچوں تنظیموں جن میں سے دو شیعہ مکتب فکر کے زیر کمان ہیں اور تین اہل سنت کمانڈروں کی قیادت میں کام کر رہی ہیں اِن سب کی قیادتوں کو مختلف ملکوں میں رہنے والی عظیم علمی، عملی اور متقی و پرہیزگار علماء حق کی سرپرستی حاصل ہے۔ جس کا غالب نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ اللہ کے اِن پاک بندوں نے ظلم کے خلاف جہاد بالسیف کے عمل کو جاری و ساری رکھنے کے لیے اپنے زیر اثر اِن کمانڈروں کو اسلامی احکام کے مطابق ہی تعلیم و ہدایات دی ہوں گی ورنہ اِن شرائط کے مفقود ہونے کی صورت میں اِن حملوں کی موت کو ہرگز شہادت نہیں کہا جا سکتا بلکہ پہلی شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں خودکشی اور حرام موت ہوگی جبکہ باقی شرائط میں سے ہر ایک کے مفقود ہونے کی صورت میں ناجائز موت ہوگی چاہے عصبیت کی ہو یا جہالت کی۔ اِن حالات میں صحیح صورتحال واضح ہوئے بغیر قطعی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے لیکن مومنوں سے اچھے گمان کرنے کے شرعی حکم کا مقتضاء یہی ہے کہ فداکاری کے اِس عمل کو مذکورہ شرائط کا جامع تصور کیا جائے، بالخصوص ایسے حالات میں جب اُن کی سرپرستی کرنے والے علماء حق ہوں۔

اہلِ حق کے وجودِ مسعود سے زمین خالی نہیں ہوتی

میرے ذاتی وجدان کے مطابق علماء حق کے طبقہ میں یہ پاکیزہ نفوس تاریخ کے ہر دور میں دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود ہوتے ہیں جن کے نور بصیرت، قوت ایمان اور برکات و فیوضات کا علم ہر کسی کو نہیں ہوسکتا۔ جب ظاہر بین اور لکیر کے فقیر علماء باہمی جھگڑ بندیوں میں ہوتے ہیں تو وہ بیضۃ الاسلام کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ جب علماء سوء دنیا سمیٹ رہے ہوتے ہیں تو وہ انوار نبوت کے فیوضات و برکات کو سمیٹ رہے ہوتے ہیں اور جب علماء و مشائخ سُوء دنیا دُون کی خاطر جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز، حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے کر اپنے مخالفین کے خلاف نازیبا فتویٰ صادر کر رہے ہوتے ہیں تو وہ اصل اسلام پر عمل کرنے کی دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ وہ

پاکیزہ نفوس ہیں جن کے متعلق رب کریم نے ارشاد فرمایا:

''یُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ''(۱)

یعنی وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کررہے ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی کی پروانہیں کرتے ہیں۔

اور ایسوں کے متعلق ہی اللہ کے رسول نبی اکرم رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِی اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّ ھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ''(۲)

یعنی میری اُمت میں اہل حق کی ایک جماعت عمر بھر دین اسلام کی سچی خدمت کرتی رہے گی جس میں وہ کسی رخنہ انداز اور مخالفت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرے گی۔

اللہ کے یہ برگزیدہ بندے اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی گندم نما جوفروش جماعتوں کا حصہ نہیں بنتے، اپنے ذاتی مفاد میں کسی کا دل نہیں زخماتے اور کلمہ توحید کی فرضیت کی طرح ہی توحید کلمہ کی فرضیت کی تبلیغ کرتے ہوئے عمر گزارتے ہیں۔

اِس سے میرا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ایسے پاکیزہ نفوس اور مجسمہ اخلاص صلحاء کی نگرانی میں تربیت پانے والے مجاہدین فلسطین اور استحصال کے خلاف فدائی حملوں کے ذریعہ فریضہ جہاد کو زندہ رکھنے والوں کی خالص اسلامی نیت کو غیر اسلامی حرکت پر محمول کرنے کی بظاہر گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسے صلحاء کی نگرانی میں جہاد کی تربیت پانے والوں سے غیر صالح وعزائم کی توقع کرنا ظاہری اسباب وعادات کے خلاف ہی ہوگا جس کی اجازت اسلام میں نہیں ہوسکتی ورنہ اگر فدائی مجاہدین کو ان صلحاء کی سرپرستی وتربیت حاصل نہ ہوتی تو پھر فلسطین کے سیکولر انتظامیہ کے مذہب آزاد سربراہ کے زیر کمان فلسطینی نوجوانوں سے ایسے اقدامات ہی ناممکن ہوتے کیوں کہ

۱۔ المائدۃ:54۔

۲۔ مشکوۃ شریف، باب ثواب ھذہ الامۃ، ص:583۔

ظلم واستحصال کے خلاف اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جان کی قربانی دینا مخلصین اسلام کے علاوہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا۔شاید علامہ اقبال مرحوم نے اسلام کے اِس خصوصی جذبہ کی ترجمانی اِس شعر میں کی ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　　مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اِن معروضی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے فلسطینی مجاہدین کے فدائی حملوں کو جہاد بالسیف کی اعلیٰ مثال اور شہادت فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مقام قرار دیا ہے ہمارا یہ کہنا کہ "اللہ کی راہ میں ظلم کے خلاف جان و مال کی ہر قربانی جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال اور شہادت کا اعلیٰ مرتبہ ہے" ضروریاتِ مذہبیہ وبدیہیاتِ اسلامیہ کے زمرہ میں شامل ہونے کے باوجود عقل کے تناظر میں نظری اور محتاج دلیل ہے۔یعنی جب تک اُس پر نا قابل انکار دلیل معلوم نہیں ہوگی اُس وقت تک علیٰ وجہ البصیرۃ اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔

الٰہیات اور جہاد بالسیف سے متعلق اسلامی احکام سے شناسائی رکھنے والے حضرات کے لیے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اُن کی نگاہ میں یہ قول بالموجب یعنی دعویٰ بادلیل ہے لیکن عام حضرات کی توجہ کے لیے اِس پر دلیل وہ مرفوع حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جان و مال کی قربانی دینے والوں کو سب سے افضل مجاہد اور سب سے اعلیٰ شہید قرار دیا ہے۔مشکوٰۃ شریف میں اِس سلسلہ کی طویل حدیث کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ:فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ:مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِينَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ قِيلَ:فَأَيُّ الْقَتْلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:مَنْ أُهْرِيقَ دَمُهُ وَعُقِرَ جَوَادُهُ"(۱)

کسی صحابی نے اللہ کے حبیب ﷺ سے پوچھا کہ "جہاد کی کون سی قسم زیادہ افضل ہے" تو اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ "ہر وہ مجاہد سب سے زیادہ افضل ہے جس نے اپنی جان و

۱۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد، ص:333۔

مال سے ظلم کے خلاف اہل شرک وکفر کے ساتھ جہاد کیا"۔ پھر پوچھا گیا کہ "جہاد میں کس قسم کی شہادت زیادہ افضل ہے"، تو اس کے جواب میں اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ "ہر وہ شہید سب سے اعلیٰ مقام ومرتبہ کا مالک ہوگا جس کا اپنا خون بھی بہایا گیا اور اُس کے گھوڑے کو بھی ہلاک کیا گیا یعنی جان ومال دونوں کی قربانی دی"۔

اِس کے علاوہ قرآن شریف کی سورۃ بقرۃ، آیت 207، سورۃ، توبہ، آیت 111 سے فدائی حملوں کی اِن اقسام کے جواز وشہادت ہونے پر استدلال کا تفصیلی بیان آگے آجائے گا۔ جس سے اِس فقہی دلیل کے مذکورہ جز ویعنی کبریٰ کے حکم پر قرآنی دلیل بھی معلوم ہوگی۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

ایک اشتباہ اوراُس کا ازالہ

یہاں پر شاید قارئین کے ذہنوں میں یہ اشتباہ پیدا ہو جائے کہ جب خودکو ختم کرنے کی نیت کے بغیر اپنی زندگی کا چراغ گل کرنے والے کی موت ازروئے شرع خودکشی نہیں ہوتی تو پھر وہ لوگ جو کسی جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد اُس کے فاش ہو جانے پر جرم عصیاں کی سزا یا اُس پر مرتب ہونے والی ذلت ورسوائی سے بچنے کی نیت سے خودکو دریا برد کر دیتے ہیں یا کسی اور طریقہ سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں جسے عرف عام میں خودکشی ہی کہا جاتا ہے۔ چاہیے تھا کہ اِس قسم خود ہلاکیوں کو بھی میزان شریعت میں خودکشی قرار نہ دیا جاتا کیوں کہ اِن لوگوں کی نیت میں بھی متوقع ذلت ورسوائی سے ہی نجات پانا ہے۔ اگرچہ کیے جانے والے اقدام میں انہیں بھی اپنی زندگی کے خاتمہ کا یقین ہی ہوتا ہے لیکن خودکشی قرار پانے کے لیے مذکورہ معیار کے مطابق اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی نیت ضروری ہے، جو یہاں پر موجود نہیں ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ نیت دل کا عمل ہے جو دوسروں کی عقل وحواس سے پوشیدہ چیز ہے اُس کے ادراک کے لیے خارجی دلائل وعلامات اور شواہد وقرائن ضروری ہوتے ہیں۔ لہٰذا حدودُ اللہ کی پامالی کرکے جرائم ومعصیت کے مرتکب ہونے کے بعد متوقع سزا یا معاشرتی ذلت ورسوائی

سے بچنے کے لیے خودکشی کرنے والوں کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ اُن کے دل میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی نیت نہیں ہے بلکہ اِس سے قبل جرم کا مرتکب ہونا، اُس کے فاش ہونے کے بعد متوقع سزا اور معاشرتی رسوائی سے خوف زدہ ہونا، اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہونا اور متعلقہ لوگوں سے ڈرنا یہ تمام چیزیں اِس بات کے شواہد وقرائن ہیں کہ وہ خود اپنی متاعِ حیات کو ختم کرنے کی نیت سے یہ اقدام کررہا ہے۔ اور نہ سہی اتنا تو ہے کہ ذلت سے بچنے کی نیت کے ساتھ خود ہلاکی کا عزم بھی شامل ہے۔ جبکہ فدائی حملوں کی مذکورہ جائز صورتوں میں اور اپنی عصمت وعفت کے تحفظ کی خاطر متاعِ حیات کی قربانی دینے کی شکلوں میں فطرت سلیمہ وحقوق کا تحفظ پیشِ نظر ہوتا ہے، اِعلاء کلمۃ الحق اور ظلم کے خلاف احتجاج ملحوظ خاطر ہوتا ہے، مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے ساتھ اللہ کی رضامندی کی نیت کارفرما ہوتی ہے اور اپنی ذات کی بجائے حدود اللہ کی فکرمندی اِس اقدام کے لیے محرکات ہوتے ہیں یہ تمام تر محرکات اِس بات پر شواہد وقرائن ہیں کہ اِن کے دلوں میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی نیت قطعاً نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ جو جس مقصد کے لیے بھی موت کے ساتھ کھیلے گا مرنا اُس کا مقدر ہی ٹھہرے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر معصیت کاری کے ارتکاب کے بعد خودکشی کے مرتکب ہونیوالے کسی مجرم کے متعلق کوئی خارجی دلیل وقرینہ ایسا پایا جائے جو اِس بات کو واضح کرے کہ اُس کے دل میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی نیت نہیں تھی تو اس صورت میں اُس کی موت کو بھی خودکشی کی حرام موت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اِسی طرح اگر کسی فدائی حملہ میں ہلاک ہونے والے شخص سے متعلق خارجی شواہد وقرائن ایسے موجود ہوں جن سے یہ معلوم ہو رہا ہو کہ اس اقدام سے اُس کی نیت خود کو ہلاک کرنا تھی تو اُس کی موت کو بھی جائز یا شہادت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

خلاصۃ الکلام بعد التفصیل:۔ کسی کی موت کو خودکشی قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی نیت میں اپنے آپ کو اس اقدام کے ذریعہ ختم کرنا شامل ہو۔ اور نیت دل کا پوشیدہ عمل ہونے کی بنا پر اُس کی پہچان وادراک کے لیے خارجی قرائن وشواہد کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا فدائی حملوں اور اُن کے اشباہ ونظائر یا عرف عام میں خودکشی مشہور کیے جانے والے اموات کی شرعی

حیثیت معلوم کرنے کے لیے خارجی قرائن وشواہد اور دلائل وعلامات کی ضرورت ہے۔ جیسے شواہد و قرائن ہوں گے شریعت کا حکم بھی ویسا ہی ہوگا اور جہاں پر کوئی دلیل وشواہد نہیں ہوں گے وہیں پر اُس کی شرعی حیثیت کا تعین بھی ممکن نہیں ہوسکتا۔

فلسطینی مجاہدین کے فدائی حملوں میں اُن کے عزائم کی صفائی اور اپنی زندگی کو ختم کرنے کی نیت کا اِس میں شامل نہ ہونے کے ساتھ محض دشمن کو ہلاک کرنا، نقصان پہنچانا، ظلم کے خلاف فریضہِ جہاد کو جاری رکھنا، استحصالی ظالموں کے خلاف اقوام عالم کو بیدار کرنا اور اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جہاد جیسے اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر ہونے پر اطمینان بخش شواہد وقرائن موجود ہیں جن کی تفصیل گزشتہ سطور میں ہم بیان کر آئے ہیں اور اِن ہی شواہد وقرائن کی بنیاد پر ہم اِن حملوں کو جہاد کی اعلیٰ مثال اور شہادت کا اعلیٰ مقام قرار دے رہے ہیں۔

فدائی حملوں کی یہ شکل کہ مجاہدین ظلم کے خلاف اپنے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر دُشمن کی صفوں میں جا کر اُنہیں ہلاک کرنے کے ضمن میں خود بھی ہلاک ہو جاتے ہیں، موجودہ ترقی یافتہ دور کی عسکریت ودفاع کے حوالہ سے جدید حربہ ہے۔ اِس کے اشباہ ونظائر کا گزشتہ ادوار میں ملنا ممکن نہیں ہے لیکن مقصد ومدعا کے حوالہ سے اِس کے قریب تر واقعات بکثرت ملتے ہیں کیوں کہ فدائی حملوں میں حملہ آور کے بچ نکلنے کا بظاہر امکان نہیں ہوتا۔

یہ الگ بات ہے کہ بطورِ خرقِ عادت یعنی معجزاتی طور پر وہ بچ جائے۔ لہٰذا قرون اولیٰ کے سچے مسلمانوں نے اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر استحصالی ظالموں اور کفار ومشرکین کی حوصلہ شکنی کے لیے یا ظلم کے خلاف برسرِ پیکار مجاہدین کی حوصلہ افزائی وہمت بندھائی کی غرض سے اس قسم کے جتنے کارنامے انجام دیئے ہیں وہ سب کے سب موجودہ دور کے اِن فدائی حملوں کے اشباہ ونظائر کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اِن میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے کہ بظاہر حملہ آور کے زندہ بچ جانے کے عدم امکان، نیت واخلاص عمل اور اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جان کی قربانی جیسے اُمور اِن دونوں میں قدر مشترک ہیں۔ اگر فرق ہے تو وہ صرف عصری آلات حرب کا ہے کہ قرون

اُولیٰ کے اُن فدائیوں کے پاس حملہ آور ہونے کے لیے موجودہ دور کے بم جیسے اسلحہ کی جگہ شمشیر جیسے سامان قتل ہوا کرتے تھے لیکن اُن کے جواز پر اُس دور کے اہلِ بصیرت و ماہرین الٰہیات کے اجماع و اتفاق ہو جانے کے بعد محض آلات حرب و اسلحہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے اِن کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اسلئے کہ اتحادِ نوعی و اتحادِ علت معلوم ہو جانے کے بعد اِس صنفی فرق کا فقاہت کے حوالہ سے قطعاً کوئی معنی نہیں رہتا۔ اِس کی ایسی مثال ہے جیسے مرد و عورت کے مابین صنفی اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی فرضیت احکام و حقوق برابر ہیں۔ جن میں مخصوص حالات اور خصوصیت عوارض سے قطع نظر کوئی فرق نہیں ہے۔

صحابہ کرام ﷡ کے فدائی حملے

اِس سلسلہ کے جو اشباہ و نظائر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے کارناموں میں ملتے ہیں اُن کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں:

1. خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کے دورِ خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لیے جب صحابہ کرام ﷡ مسیلمۃ الکذّاب کے ساتھ مصروف جہاد تھے تو لشکر دشمن نے اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے بنو حنیفہ کے مضبوط قلعہ میں پناہ لے کر خود کو محفوظ کر لیا اور قلعہ کے اُوپر سے مسلم لشکر پر تیروں کی بارش برسانے لگے۔ جس سے مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان ہو رہا تھا۔ جس سے بچ کر اُنہیں شکست دینے کے لیے ایک مجاہد نے اُن پر فدائی حملہ کرنے کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کی جس پر عمل درآمد اس طرح سے کیا گیا کہ اُس کی خواہش پر کسی ثقیل چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینکنے کے لیے اُس وقت کے مروّجہ وسائل کے مطابق اُسے چمڑے کے بنے ہوئے سپر (حجفہ) میں ڈال کر قلعہ کے اندر پھینکا گیا تو اُس نے قلعہ کا دروازہ اندر سے کھول کر مسلمانوں کے لیے فتح کا سامان مہیا کیا جسے اُس وقت کے جملہ صحابہ کرام ﷡ نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا۔ ظاہر ہے کہ دُشمن کے ہزاروں مسلح لشکر کے اندر اِس طرح سے داخل

ہونا اپنی متاعِ حیات کو قربان کرنے کے مترادف ہے کیوں کہ موجودہ دور کے فدائی حملوں میں حملہ آور کا زندہ بچنا بظاہر ناممکن ہونے کی طرح دشمن کے ہزاروں مسلح لشکر کے بیچ میں اس طرح جا کر بچنا بھی بظاہر ناممکن تھا جس پر عہد صحابہ میں عمل کیا گیا اور مستحسن سمجھا گیا۔(۱)

❷ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی نگرانی میں کفار کے ساتھ ہونے والا جہادی معرکہ (جنگ اُحد) گرم تھا۔ اتنے میں ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر میں اس معرکہ میں اعلاء کلمۃ الحق اور اسلام پر قربان ہو جاؤں یعنی کفار کے ہاتھوں اپنی موت کا یقین کر کے اس میں کود جاؤں اور مارا جاؤں تو میرا انجام کیا ہوگا۔ اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ تو شہید ہو کر جنت میں جائے گا تب اُس نے خود کو اللہ کے سپرد کر کے کفار پر حملہ کیا انجام کار شہید ہوا۔(۲)

اِس واقعہ کے سیاق وسباق سے اُس صحابی کو اس حملہ میں اپنی موت کا یقین معلوم ہو رہا ہے جس وجہ سے موجودہ دور کے اِن فدائی حملوں کے ساتھ اس کی زیادہ مشابہت ہے۔ اِس کے علاوہ نیت بھی ایک جیسی ہے کہ دونوں میں اِعلاء کلمۃ الحق، غلبہ اسلام اور نظامِ مصطفی ﷺ کے اجتماعی وقار وسربلندی کا عزم ہے۔

❸ جنگِ اُحد میں نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے مخصوص دفاعی حکم میں اختلاف پیدا کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، اللہ کے رسول ﷺ کو زخم آئے، دندان مبارک پارہ ہوا، ابوسفیان نے خوشی کے مارے اُعلُ ھبل کا نعرہ لگایا یعنی اے ھبل (بت کا نام ہے) سربلند رہو کہ تیرے مخالفوں کو ہم نے ختم کیا، معدودی چند جان نثاروں سمیت اللہ کے حبیب ﷺ ابوسفیان کے خون آشام لشکر کے حصار میں آ گئے ظاہری حالات کے مطابق ہر طرف سے راہوں میں پھنسے ہوئے اُس نجات دہندہ انسانیت ﷺ نے بقاء اسلام کی خاطر جان کی قربانی

۱۔ تفسیر قرطبی، ج:2،ص:364مطبوعہ طھران۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ج:2،ص:364مطبوعہ طھران۔

دینے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

"ومن یردّھم عنّا ولہ الجنّۃ"

یعنی اِس مشکل وقت میں لشکرِ ابوسفیان کو ناکام و بے مراد کرنے کے لیے تم میں سے جو شخص بھی فدائیانہ کردار انجام دے گا شہید ہو کر جنت میں جائیگا۔

تب لشکرِ اشقیاء کے حصار میں آئے ہوئے انصار نے ایسا فدائیانہ کردار انجام دیا کہ اُن کے شہید ہوتے ہوتے لشکرِ ابوسفیان مرعوب ہو کر پس پائی پر مجبور ہوا، اُعلُ ھُبَل کا نعرہ بھول گیا اور نجات دہندۂ انسانیت رحمت للعلمین ﷺ کو ختم کرنے کے ناپاک ارادہ میں بے مراد ہو کر دُم دبا کر بھاگ گیا۔(۱)

ظاہر ہے کہ شکستگی اور محصوریت کے ایسے حالات میں اُن فداکارانِ اسلام کا سینکڑوں کی تعداد پر مشتمل مسلّح وخون آشام لشکرِ کفار کا یکے بعد دیگرے مقابلہ کر کے شہید ہونا اپنی موت کے ساتھ یقین کرنے کے مترادف تھا اور زندہ بچ نکلنا بھی ممکن نہیں تھا اِس کے ساتھ ارادہ میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے کہ غلبۂ اسلام کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

موجودہ دور کے فدائی حملوں میں بھی فداکاروں کو جب اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ظالم استحصالی کافروں کو اُن کے ناپاک عزائم میں ناکام کرنے کی نیت ہو جس کے ضمن میں غیر ارادی طور پر اپنی موت کا بھی یقین ہو تو اِن میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

۴ جس رات مشرکین مکہ کی طرف سے نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کو سوتے ہوئے بستر پر شہید کرنے کی ناپاک سازش تیار کی گئی تھی رحمۃ للعلمین ﷺ کا من جانب اللہ اُس پر مطلع ہو کر ہجرت پر روانگی سے کچھ وقت پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سُلانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُس وقت مشرکین مکہ کی طرف سے بنائی گئی مہلک سازش کو ناکام کرنے کی غرض سے نبی اکرم ﷺ پر اپنی جان قربان کرنے کے انداز میں اُسی معلوم کمرہ، جگہ اور بستر پر رسول ﷺ کے لباس میں

۱۔ تفسیر قرطبی، ج:2، ص:364 مطبوعہ طھران۔

ملبوس ہیئت کے ساتھ سو جانا، جس کی تفصیل کی ایک جھلک حدیث کی مشہور کتاب المستدرک للحاکم میں حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ کی روایت سے منقول ہے:

"قَالَ ابنُ عَبَّاسٍ وَشَرَى عَلِيٌّ نَفسَهُ فَلَبِسَ ثَوبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ نَامَ مَكَانَهُ، قَالَ ابنُ عَبَّاسٍ: وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَرْمُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ ، وَعَلِيٌّ نَائِمٌ ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَحْسَبُ أَنَّهُ نَبِيُّ اللّٰهِ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ: فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِ انْطَلَقَ نَحْوَ بِئْرِ مَيْمُونٍ ، فَأَدْرِكْهُ. قَالَ: فَانْطَلَقَ أَبُو بَكْرٍ، فَدَخَلَ مَعَهُ الْغَارَ، قَالَ: وَجَعَلَ عَلِيٌّ يُرْمَى بِالْحِجَارَةِ كَمَا كَانَ يُرْمَى نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ ، وَهُوَ يَتَضَوَّرُ وَ قَدْ لَفَّ رَأْسَهُ فِي الثَّوْبِ ، لَا يُخْرِجُهُ حَتّٰى أَصْبَحَ ، ثُمَّ كَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالُوا: إِنَّكَ لَلَئِيمٌ ، كَانَ صَاحِبُكَ لَا يَتَضَوَّرُ وَ نَحْنُ نَرْمِيهِ وَأَنْتَ تَتَضَوَّرُ ، وَقَدِ اسْتَنْكَرْنَا ذٰلِكَ"(۱)

حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ نے کہا کہ حضرت علی ﷺ نے ہجرت کی رات اپنی جان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اس طرح بیچی کہ اللہ کے رسول پر فدا ہوتے ہوئے اُن کے لباس میں ملبوس ہو کر اُن کے بستر پر سوئے اِس اثناء میں حضرت ابوبکر ﷺ حسب پروگرام تشریف لائے تو حضرت علی ﷺ پر رسول اللہ ﷺ کا گمان کر کے جلدی نکلنے کے لیے مخاطب ہو کر کلام کا آغاز یا نبی اللہ کے الفاظ سے کیا تو حضرت علی ﷺ نے اُنہیں بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ بئر میمون کی طرف نکل چکے ہیں جلدی اُن کے پیچھے پہنچ جاؤ۔ حضرت ابن عباس ﷺ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پہنچنے کے بعد دونوں چلتے ہوئے غار ثور میں جا کر داخل ہوئے۔ حضرت ابن عباس ﷺ نے کہا کہ مشرکین مکہ کے مقرر کردہ فساد کار اللہ کے رسول کو کمرہ سے باہر نکالنے کی غرض سے کنکریاں دروازے پر مارا کرتے تھے کئی روز

۱۔ المستدرك لِلحاكم، ج:3، ص:133، مطبوعه بيروت۔

سے جاری اِس عادت کے مطابق وہ شریر الفطرت مشرکین آ نکر حضرت علی ﷺ کو بھی کنکریاں مارنے لگے جبکہ وہ حکمت عملی کے تحت خراٹے لے رہے تھے اور سر کو کپڑے سے باہر نکالے بغیر سو رہے تھے۔ اسی حالت میں علی ﷺ نے صبح کی اور صبح کے اُجالے میں اُن اشقیاء کی ناکامی و نامرادی ظاہر کرنے کے لیے سر اقدس سے کپڑا ہٹا کر باہر نکلے تو حیرت کے مارے ہوئے اُن نامرادوں نے جلے بجھے سے لہجے میں کہا کہ تو بڑا چال باز ہے اپنے خراٹوں کے ذریعہ ہم کو مغالطہ دیا کیوں کہ تیرا پیغمبر خراٹے نہیں کیا کرتا تھا جب ہم اُنہیں باہر نکالنے کی غرض سے اُس کے دروازہ پر کنکریاں مارا کرتے تھے۔ تو نے اپنی خراٹوں کی وجہ سے ہم کو بے وقوف بنایا۔

اِس روایت کو امام المحدثین ابوعبداللہ الحاکم المتوفی 405ھ کے علاوہ امام المحدثین الحافظ شمس الدین الذھبی المتوفی 848ء نے بھی تلخیص المستدرک میں بیان کیا ہے جو المستدرک للحاکم النیشاپوری کے نیچے اُس کے ساتھ ہی چھپی ہوئی ہے۔

اِس روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ کا یہ کہنا کہ "وَشَرٰی عَلِیٌّ نَفْسَهٗ" دراصل سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 207 کے مصداق و مظہر کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اپنی جان فدا کرنے والے ایسے خوش نصیبوں کی عظمت شان، رفعت مکان اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات رحمت پر فائز ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ مفسرین کرام کی ایک جماعت نے بھی سورۃ بقرہ کی اِس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب حضرت علی ﷺ کا مذکورہ کردار بتایا ہے۔ جیسے تفسیر قرطبی، جلد 3، صفحہ 21۔ تفسیر روح المعانی، جلد 2، صفحہ 97 اور تفسیر کبیر، جلد 4، صفحہ 233 پر موجود ہے۔ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب چاہے حضرت علی ﷺ کا مذکورہ کردار ہو یا حضرت صہیب ﷺ کا مخصوص واقعہ ہجرت یا کوئی اور واقعہ علی اختلاف الاقوال والروایات بہر تقدیر المستدرک للحاکم کی مذکورہ روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ کا یہ کلام کہ:

"وَشَرَی عَلِیٌّ نَفْسَهٗ فَلَبِسَ ثَوْبَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ نَامَ مَکَانَهٗ"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تاثرات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ کا مظہر سمجھتے تھے ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جزم ویقین کے ساتھ یہ کہنا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اِس فدائیانہ کردار کی بناء پر اپنی جان خدا کے ہاتھ فروخت کردی درست نہ ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فدائیانہ عمل بھی اِس اعتبار سے موجودہ دور کے فدائیانہ حملوں کے اشباہ ونظائر میں شمار ہوتا ہے کہ اِن میں بھی فدا کاروں کے زندہ بچ جانے کا ظاہری امکان نہیں ہوتا۔

فدائی حملوں کی جائز صورتوں کا جائزہ

الغرض مظلوم مسلمانوں کا استحصالی ظالموں، کافروں اور غاصبوں سے خلاصی ونجات پانے کے لیے یا اسلام کے تحفظ کی غرض سے یا اپنے جائز حقوق کی بحالی وحصول کی نیت سے یا شعائر اللہ کے تحفظ کے لیے کسی بھی شکل میں حدود اللہ کے حصار کے اندر رہتے ہوئے فدائی حملوں کو حصولِ مقصد کا ذریعہ بنانے کے اشباہ ونظائر یا اِن سے قریب تر مثالیں عہد نبوت میں بھی اور مابعد عہد نبوت میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ موجودہ دور کے فدائی حملوں کو اُن پر قیاس کرکے جواز ثابت کرنے یا اُنہیں جہاد کی اعلیٰ مثال اور شہادت کا عظیم رتبہ قرار دینے کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ اللہ کی رضا کے مطابق کسی جائز مقصد کے حصول کے لیے خود ہلاکی کی نیت کئے بغیر محض دشمن کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے انجام دینے کا عمل اُن میں اور اِن میں قدر مشترک ہونے کے ساتھ اِس اقدام کے نتیجہ میں اپنی ہلاکت کا یقین یا غالب گمان بھی اِن سب کے درمیان قدرِ مشترک ہے۔

اِس بنیاد پر قرون اُولیٰ میں پائے جانے والی اِس قسم کی جملہ مثالیں مقیس علیہ اور اصل قرار پائیں گی جبکہ موجودہ دور کے فدائی حملوں کی تمام جائز صورتیں اُن پر قیاس اور اُن کے اشباہ و نظائر کے زمرہ میں شمار ہونے کی بنا پر دیگر مسائل اجتہادیہ کی طرح اسلام کا حصہ قرار پائیں گی تاہم فقاہت کے اعلیٰ مقام پر فائز صاحبِ بصیرت علماء کرام کو اِس میں رائے زنی کرنے اور اجتہادی اختلاف کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے اِس لیے کہ اصل مسئلہ غیر منصوصی ہے۔ جس میں اجتہاد و

اختلاف رائے کی گنجائش ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ جیسے تفسیر کبیر میں ہے:

❶ ''اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہُ بَعَثَ جَیشاً فَحَاصَرُوا قصراً فتقدّمَ منھم واحِد فَقَاتَلَ حتّٰی قُتِلَ فقال بعضُ القوم القیٰ بِیَدِہٖ اِلَی التھلُکۃِ فَقَالَ عُمَرُ کَذَبتُم رَحِمَ اللّٰہُ اَبافلانٍ وَقَرَءَ (وَمِنَ النَّاسِ مَن یَشرِی نَفسَہُ ابتِغَاءَ مَرضَاتِ اللّٰہِ)''(۱)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے لیے ایک لشکر بھیجا تو اُس نے کافروں کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اِسی اثنا میں صورت حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مسلم لشکر میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر کفار کے نرغے میں اکیلا جہاد و قتال کر کے شہید ہوا تو مسلم لشکر میں شامل بعض حضرات نے کہا کہ اُس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ یہ بات سُن کر حضرت نے فرمایا کہ تم نے اُس کے متعلق خلافِ حقیقت بات کی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اُس کا نام لے کر اُس کے لیے ترحیم فرمانے کے بعد شہادت کے اعلیٰ مقام پر اُس کے فائز ہونے پر استدلال کرتے ہوئے سورۃ بقرہ کی آیت 207 پڑھی۔

❷ قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اسلامی لشکر کے لیے زمین بہت سخت ہوگئی۔ اگر فدائی حملہ سے کام نہ لیا جاتا تو مسئلہ گھمبیر ہوسکتا تھا جس پر فداکاری سے کام لیتے ہوئے اسلامی لشکر کے ایک سپاہی (ہشام ابن عامر) نے تن تنہا مخصوص انداز میں دشمن کی صف تک پہنچ کر اُن کی ہوا نکال دی اور اُن کے دانت کھٹے کرنے کے بعد شہید کیے گئے جس سے ایک طرف دشمن کی حوصلہ شکنی ہوگئی تو دوسری طرف مسلم لشکر کا حوصلہ بلند ہوا۔ یہاں پر بھی جسم کے ساتھ بم باندھ کر دشمن پر بلاسٹ کرنے والے فداکار کو اپنی موت پر یقین ہونے کی طرح سینکڑوں کی مسلح صف پر تن تنہا حملہ کرنے والے اُس فداکار کو بھی ظاہری حالات کے مطابق اپنی موت کا یقین ہی تھا۔ اِس منظر کو دیکھ کر اُس موقع پر موجود صحابی رسول ﷺ حضرت

۱۔ تفسیر کبیر، ج:4، ص:225۔

ابو ہریرہ ﷺ نے بھی اُس کی شہادت پر سورۃ بقرہ کی اِسی آیت کریمہ سے استدلال کیا۔(۱)

۳ اِسی طرح دشمن پر فدائی حملوں کی مختلف شکلیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

" وکذالِكَ لو عَلِمَ وغَلَبَ عَلَی ظنّه اَن یُقتَلَ ولکن سَیُنکِی نِکَایَةً او سَیُبلِی او یُو ثّر اَثَراً ینتَفِعُ بِه المُسلِمونَ فَجَائز ایضاً"(۲)

یعنی اگر کسی فدا کار کو اپنی موت کا یقین یا غالب گمان ہونے کے ساتھ یہ اُمید ہو کہ میری اس قربانی کے ذریعہ دُشمن کو نقصان پہنچے گا یا اِس کی وجہ سے کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو تقویت پہنچے گی تو اِس صورت میں بھی فدائی حملہ کرنا جائز ہے۔

۴ فقہ حنفی کے مشہور امام ابوبکر السرخسی المتوفی 490ھ نے بھی اصول السرخسی کے صفحہ 118 پر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 207 کے عین مطابق اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی تفصیلات بتاتے ہوئے امام قرطبی المالکی کی مذکورہ تشریح کے مطابق ہی لکھا ہے بالخصوص امام السرخسی کی عبارت "وَالْمَقْصُوْدُ تَفْرِیْقُ جَمْعِهِم" کے مختصر الفاظ میں جو وسعت پائی جاتی ہے یا اِس کے سیاق وسباق سے جو صورتیں متصور ہوتی ہیں میری فہم کے مطابق اُن کی درج ذیل شکلیں ہوسکتی ہیں جن کی طرف اِس مقام پر امام ابوبکر السرخسی نے اشارہ کیا ہے۔

1 جس معاشرہ میں نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں حدود اللہ کی پامالی پر مشتمل کسی معصیت کاری کو منظم طریقے سے اجتماعی طور پر کیا جارہا ہو ایسے میں منصب تبلیغ کے حامل صاحب بصیرت مسلمان یہ جانتے ہوئے کہ میرے منع کرنے سے وہ منع نہیں ہوں گے لیکن اُلٹا مجھے مار ڈالیں گے اُن کے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا یقین کرنے کے باوجود محض اِس نیت سے وہ اُنہیں تبلیغ کرتا ہے کہ میری ہلاکت کے بعد حالات ایسے پیدا ہوں گے کہ اُن کی جمعیت وارتباط ٹوٹ جائے گا جو معصیت کاری کے ختم ہونے کا ذریعہ بنے گا۔ اِس

۱۔ تفسیر قرطبی، ج:3، ص:21۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ج:2، ص:363۔

صورت میں تبلیغ کرتے ہوئے فُساق کے ہاتھوں خود کو ہلاک کرنا اسلام پر فدا کاری اور شہادت کی اعلیٰ مثال ہے۔

2 ایسا ہی معاملہ کوئی صاحب بصیرت اور منصب تبلیغ کے حامل سچا مسلمان کسی دین بیزار صاحب اقتدار ظالم کے ساتھ کرے یعنی تبلیغ کا اُس پر اثر نہ ہونے اور اُس کے ہاتھوں اپنی ہلاکت کے یقین یا غالب گمان ہونے کے باوجود محض اِس اُمید سے وہ اُسے تبلیغ کرتا ہے کہ اُس کے ہاتھوں میری ہلاکت کے بعد حالات ایسے پیدا ہوں گے جن کے نتیجہ میں یہ رہے گا نہ اُس کا ظلم، یہ بھی اسلام پر فدا کاری اور شہادت کی اعلیٰ مثال ہے۔ اللہ کی رضامندی کے لیے اپنے متاع حیات کی قربانی دینے والے ایسی ہی عظیم المرتبت ہستیوں کی عظمت شان بتاتے ہوئے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ہے:

”فَذَالِكَ الَّذِى سَبَقَتْ لَهُ السَّوابِقُ“(۱)

یعنی اسلام پر قربان ہونے والے یہ خوش نصیب رحمتِ الٰہی کے حقدار ہیں۔

نیز آیت کریمہ ”وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ“(۲) کے مصداق ومظہر ہیں اور بعض حدیثوں میں اِن ہستیوں کو افضل ترین مجاہد بھی قرار دیا گیا ہے۔

محسنینِ اسلام کے ان عظیم المراتب شہداء کی مثالوں سے تاریخ کے مختلف ادوار میں یزید و حجاج ابن یوسف اور صدر بش جیسے ظالموں کے مقابلہ میں اسلام پر فدا ہونے والوں کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ اِن میں اہل بیت نبوت کے کتنے حسین پھول ہوں گے جنہوں نے خود کو قربان کر کے اسلام کی بقاء کا سامان بنایا، کتنے صحابہ کرام ﷺ و تابعین اور تبع تابعین ہوں گے جو بیضۃ الاسلام کے تحفظ کی خاطر وقت کے اِن طواغیت کے ہاتھوں اسلام پر فدا ہوئے۔ اِن ہی کاملین فی الاسلام اور صادقین فی الایمان کو شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ احمد سرہندی اور شاہ نعمت اللہ ولی جیسے پیشوایان

۱۔ مشکوۃ شریف، باب الامر بالمعروف، ص:438۔

۲۔ الواقعہ:10-11۔

اسلام نے انسان کامل کا مصداق اور فنافی اللہ کا مظہر قرار دیا ہے۔

دورِ ملوکیت کے ستم بالائے ستم

دُنیا کی کوتاہ بینی کا یہ عالم ہے کہ تحریک آزادی فلسطین کے قابل ستائش فدا کار عرصہ دراز سے سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں جبکہ خلافت راشدہ کے بعد سے لے کر تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے تاراج ہونے تک تقریباً چھ سو سال کے طویل دورانیہ میں بالترتیب اُموی اور عباسی خُلفاء کے ہاتھوں ہونے والی ریاستی دہشت گردی کا تذکرہ نہیں کیا جاتا اور اُن کے مظالم کے خلاف جانوں کی قربانی دینے والے اُن سینکڑوں فدا کاروں کے عظیم کارناموں کو منظر عام پر نہیں لایا جاتا جن کے سروں کی قربانیوں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حوالہ سے فدائی کارناموں کی بدولت راکھ کے ڈھیر میں زندہ رہنے والی چنگاریوں کی روشنی کا سلسلہ جاری رہا، آوازِ حق کا دبتا ہوا تسلسل قائم رہا اور فریضہ تبلیغ زندہ رہا۔ جس کے نتیجہ میں ایک طرف تو خلافت کے نام سے مسلمانوں پر ناجائز مسلط شخصی اقتدار کے عفریت کا حوصلہِ استبداد شکست وریخت کی وادیوں میں قلابازیاں کھانے لگا تو دوسری طرف اِن مظالم کے خلاف مسلمانوں کی بیداری کا سامان تیار ہوتا گیا۔

سلف صالحین کی کتابوں سے جو حوالہ جات ہم پیش کر آئے ہیں اُن کی روشنی میں ظلم کا انسداد یا مسلمانوں کی بیداری میں سے کسی ایک کے حصول کی نیت سے بھی فدائی کارروائی کرنے والے بھی شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ نیز گزشتہ صفحات میں فلسطینی فدا کاروں کے حوالہ سے شرعی دلائل کی روشنی میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ ظلم کو روکنے یا مسلم اُمّت کو بیدار کرنے یا اِن جیسے کسی بھی جائز حق کے حصول کی نیت سے وجود میں آنے والی یہ فدا کاریاں نہ صرف جائز بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ قسم اور شہادت ہیں۔

کسی ایک جہت سے جائز و شہادت قرار پانے والے فلسطینی فدائی حملوں کا پورے عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بن کر قرونِ اولیٰ کے اُن ''وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ'' محسنین اسلام کی بیعتہ

الاسلام کے تحفظ، اہل اسلام کی بیداری، ظلم کے انسداد اور فریضۂ تبلیغ کے احیاء جیسے کثیر المقاصد فدا کاریوں کا طوقِ نسیان ہونا ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ دورِ ملوکیت کے ستم بالائے ستم ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دولت شام و عراق کے تاریک دورِ استعمار کے چھ سو (600) سالہ شخصی اقتدار کے مظالم، ناانصافیوں، خواہش پرستیوں اور بدعتوں کے خلاف آوازِ حق کی تبلیغ کرنے والے اِن خوش نصیبوں نے جان و مال، عزت و ناموس اولاد و خاندان اور جائیداد و حقوق کی قربانیاں دے کر اسلام پر فدا ہونے کی جو مثالیں ثبت کی ہیں وہ نہ صرف کثیر المقاصد بلکہ فلسطین میں ہونے والے فدائی حملوں کے مقابلہ میں زیادہ مشکل بھی تھیں کیوں کہ فلسطینی مجاہدین جسموں کے ساتھ بم باندھ کر حملہ کرنے میں آناً فاناً یکبارگی مرجاتے ہیں جبکہ اُس دور کے فدا کاروں کو بم جیسے ذرائع میسر نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ہاتھ ظالموں تک پہنچنے سے قاصر تھے اور ظالم یکطرفہ کاروائی کے ذریعہ نہ صرف ایک موت بلکہ موت علی الموت کی مدتوں تک بمع عزیز و اقارب اُنہیں اذیتیں دے دے کر مارتا تھا۔ جن کی دلخراش مثالوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

امام سرخسی کی عبارت سے فدائی حملوں کی مزید صورتوں کا ثبوت

امام ابوبکر السرخسی کی مذکورہ عبارت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حوالہ سے فدا کاری کی مذکورہ صورتوں کو شامل ہونے کی طرح ظالم مقتدرہ کے حوالہ سے بھی کچھ صورتوں کو شامل ہے، مثلاً:

1. دُشمن کی موجودہ موثر جمعیت کو منتشر کرنا یا اُسے بے اطمینانی میں مبتلا کرنا مقصد ہو۔
2. دُشمن کی آئندہ بننے والے متوقع ذرائع و جمعیت کو پراگندہ کرنا مقصد ہو۔

اِس کے علاوہ اُصول السرخسی کے اِس مقام کے سیاق و سباق سے اِن چار صورتوں کے علاوہ بھی فدائی حملوں کی مزید دو صورتوں کا پتہ چلتا ہے جن میں سے:

پہلی صورت:۔ اِس اقدام سے اصل مقصد استحصالی دُشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کو بالفعل فائدہ پہنچانا ہو۔

دوسری صورت:۔ اِس اقدام سے مستقبل میں اہل اسلام کو فائدہ پہنچنے کی اُمید ہو۔

الغرض آج سے تقریباً ہزار سال قبل بنو عباسیہ کے دورِ اقتدار میں ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں قید و بند کی صعوبتیں کاٹنے والے اِس مظلوم امام نے اِس مقام پر فدائی حملوں کی چھ جائز صورتوں کو اُس وقت کے حالات و ماحول کے مطابق اجمالاً بیان کیا ہے۔ بنظرِ غائر دیکھنے سے اُن میں سے ہر ایک سورۃ بقرہ، آیت 207 کے مطابق ہونے کے ساتھ شہادت کی اعلیٰ مثال ہے جس کی مزید وضاحت سورۃ مائدہ، آیت نمبر 111 کے آگے بیان ہونے والی تفسیر کے ضمن میں ہوگی۔ (اِنشاءاللہ)

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 207 سے فداکاری کے جواز پر استدلال

اِس قسم کی جان نثاری کے جواز پر بنیادی دلیل سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 207 اور سورۃ توبہ، آیت نمبر 111 ہیں۔

سورۃ بقرہ کی اِس آیت کریمہ سے فدائی حملوں کی مذکورہ جائز صورتوں پر استدلال اِس طرح ہوگا کہ آیت کریمہ "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ" میں "يَشْرِيْ" کا لفظ اہل لغت اور مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق کبھی بیچنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی خریدنے کے معنی میں۔ خود قرآن شریف کے دوسرے مقامات پر ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے لہٰذا یہاں پر ہر دو معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ جب اس کا معنی بیچنے کا لیا جائے تو بیچنے والا مومن ہوگا جبکہ خریدنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اِس صورت میں سورۃ مائدہ، آیت نمبر 111 سے اس کی تفسیر ہوگی۔ جب خریدنے کے معنی میں لیا جائے گا جیسے امام فخر الدین رازی نے اِسے ترجیح دی ہے تب خریدنے والے مومن ہوں گے مومنوں کی ہستی و متاعِ حیات ہوگی اور اللہ کی رضامندی کا حصول مقصدِ خرید ہوگا۔ اِن تینوں کا ذکر اس آیت کریمہ میں صراحۃً آیا ہے جبکہ ایک کا یعنی جس سے مومن نے اپنی ہستی خریدی ہے اُس کا یعنی بیچنے والے کا کوئی ذکر اِس آیت کریمہ میں

صراحتاً نہیں آیا ہے جس وجہ سے یہ مقام تفصیل کا مقتضی ہے جس پر قدیم وجدید مفسرین کرام نے اپنے اپنے انداز میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ امام فخر الدین الرازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

"وَذَالِكَ اَنَّ مَنْ اَقْدَمَ علی الکفر والشرکِ والتوسّعِ فی ملاذ الدنیا والاعراضِ عَنِ الآخرۃ وَقَعَ فی العذابِ الدائمِ فَصَارَ فی التقدیر کَاَنَّ نَفْسَہٗ کانت لَہٗ فَبِسَبَبِ الکُفرِ والفِسقِ خَرَجَت عن مِلکِہ وصارت حقاً لِلنّارِ والعذابِ فاَذا ترک الکفرَ والفِسقَ واَقدم عَلی الایمانِ والطاعۃِ صارَ کَاَنَّہٗ اشتریٰ نفسہ مِنَ العذاب والنارِ"(۱)

امام رازی کی اِس عبارت کا ترجمہ لکھ کر قارئین کو شش وپنج میں ڈالنے کی بجائے مناسب سمجھتا ہوں کہ اُس کے پس منظر وپیش منظر کی روشنی میں مصنف کی اصل مراد کو واضح کروں کیوں کہ کلام کی معنویت جتنی زیادہ ہوتی ہے اُس تناسب سے اُس کا ترجمہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ اِسی نکتہ کی بنیاد پر میں نے بار بار لکھا ہے کہ قرآن شریف کا کسی بھی زبان میں ایسا ترجمہ کرنا ممکن نہیں ہے جو پوری طرح مرادِ الٰہی کی ترجمانی کر سکے۔ امام فخر الدین رازی کا یہ تفسیراتی کلام قرآن شریف کی ناپیدا کنار دریائے معنویت کے مقابلہ میں اگرچہ ہیچ ہے تاہم فلسفیانہ اور منطقی ہونے کی وجہ سے عام اہلِ علم کے لیے کافی سے زیادہ معنویت کا حامل ہے جس کا انکشاف وترجمانی محض ترجمہ کے ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتی۔

امام فخر الدین رازی کے اِس کلام میں مذکورہ آیت کریمہ کی جو تفسیر میں سمجھ سکا ہوں اُس کی تفہیم میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے مندرجہ ذیل شرعی مسلّمات کو بطور تمہید سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ آیت کریمہ سے فدائی حملوں کے جواز پر استدلال کی سمجھ آسان ہو سکے۔

1. معصیت کار اور کافر ومشرک جن وانس کے علاوہ اور کسی بھی مخلوق میں موجود نہیں ہیں یعنی انس وجن کے سوا اور کسی مخلوق میں معصیت ہے نہ کفر وشرک۔

۱۔ تفسیر کبیر، ج:4، ص:224۔

2 انسان قوتِ عقلانی، شہوانی اور غضبانی کا جوہر مرکب ہے یعنی اس کی فطرت میں یہ تینوں قوتیں موجود ہیں۔ جب انسان اپنی قوتِ شہوانی وغضبانی کو عقل کا تابع بناتا ہے تو اُس کی فطرت سلیم ومحفوظ ہوتی ہے جسے قلب سلیم اور نفس مطمئنہ بھی کہتے ہیں۔ یہ تو ہمیشہ امن وسلامتی اور توحید کے صراط مستقیم پر چلنے کی بنا پر منشاء نبوت کے عین مطابق مومن ومسلمان ہی کہلاتا ہے۔

اِس کے برعکس اگر عقل کو قوت شہوانی وغضبانی کا تابع بنا کر اُن کو اس پر حاکم وغالب کر دیتا ہے تو اُس وقت یہی انسان شیطان اِنسی، خنّاس، مغلوب النفس، مغلوب الغضب اور نفس امّارہ جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی صورت کو ایمان وتوحید اور صراط مستقیم لازم ہونے کے برعکس اس انسان کو کفر وشرک لازم نہیں ہے بلکہ کبھی نفس اَمّارہ انسان کو کفر وشرک تک پہنچاتا ہے کبھی اُس کی سرحد تک اور کبھی بغیر کفر وشرک کے صرف معصیت کاریوں میں اُسے آلودہ کر دیتا ہے۔ بہر تقدیر پہلی صورت کا انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ، مقصدِ تخلیق اور منشاء الٰہی کے عین مطابق زندگی گزارنے کی بنا پر ربِ کریم جل جلالہ کی نگاہ میں محبوب وپسندیدہ ہوتا ہے، قابل ستائش ومستحق رحمت اور سزاوار جنت ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت کا انسان آلودگی عصیان کی بنا پر اللہ کی نگاہ میں معتوب وناپسندیدہ اور سزاوار دوزخ ہوتا ہے۔ انسان کی اِن دونوں قسموں کا ذکر سورۃ عصر میں اِن الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے:

”وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“

جس کے اندر مستثنیٰ منہ، یعنی خسران والے سے عقل کو قوتِ شہوانی وغضبانی کے تابع ومحکوم کرنے والے انسان مراد ہیں جبکہ مستثنیٰ سے مراد مذکورہ چاروں اوصاف سے متصف انسان ہیں جن کی یہ دونوں فطری قوتیں عقل کے تابع ومحکوم ہوتی ہیں۔ اِن دونوں متضاد جہتوں کے حوالہ سے منطقی اصطلاح کے مطابق انسان کو بشرط شی کہنا زیادہ مناسب ہوگا یعنی مذکورہ متضاد حیثیتوں میں سے ہر ایک کے لحاظ سے اُسے بشرطِ شیئ کہا جاسکتا ہے جبکہ اِن دونوں کے مقابلہ میں جو انسان ہے

وہ لابشرط شی ہے یعنی اِن دونوں سے خالی و معرّیٰ جسے انسان من حیث الانسان یا الانسان المطلق بھی کہا جا سکتا ہے جس کا وجود صرف اور صرف ذہن میں ہے جس سے قضیہ خارجیہ تشکیل پانے کا امکان ہی نہیں ہے۔

3 قرآن شریف چونکہ کتاب نصیحت و ہدایت ہے اسلئے مناسب حال کبھی انسان کو نفس مطمئنہ کے لحاظ سے یاد کرتا ہے کبھی نفس امارہ کے لحاظ سے اور کبھی اِن دونوں سے مطلق کلی طبعی کے اعتبار سے مخاطب کرتا ہے۔ مثال کے طور پر فرمایا:

"یٰٓاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ" (۱)

یعنی اے انسان تو اپنے فطری تقاضوں کے مطابق فکری و عملی دوڑ میں ہی اپنے پروردگار کی طرف بڑھتے بڑھتے اُس کے حضور جا پہنچے گا۔

یہاں پر خصوصیت افراد یا مذکورہ حیثیتوں سے قطع نظر نفسِ انسان کو خطاب کیا گیا ہے جو ہر دو قسموں کو شامل ہے۔

4 اللہ کی رضامندی کے برعکس نفس امارہ کی خواہشات کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اِس کا سلسلہ انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے جب تک انسان زندہ رہتا ہے اُس وقت تک نفس امارہ بھی کارفرما رہتا ہے چاہے غالب و حاکم بن کر رہے یا مغلوب و محکوم بن کر۔

5 اللہ کی رضامندی کے حصول کی خاطر نفس امارہ کی جس جس خواہش و پسند اور میلان کی مخالفت جب بھی کی جائے گی وہ اللہ کی رضامندی اور حصول جنت کا ذریعہ ہوگی جسے قرآن شریف میں تجارت، اللہ کے ساتھ خرید و فروخت اور اخلاص و للّٰہیت جیسے مختلف مفاہیم و الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِن مسلمات کو سمجھنے کے بعد امام فخر الدین رازی کی اِس عبارت کی روشنی میں آیت کریمہ کا مقصد اس طرح ہوگا کہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضامندی کی خاطر اپنی جان کو نفس امارہ و شیطان سے خریدتے ہیں یعنی اُن کے تصرف سے چھڑا کر اللہ کی

۱۔ الانشقاق:6۔

رضامندی کے مطابق کھپاتے ہیں۔ اِس صورت میں خریدنے والوں سے مراد نفس انسانیت یعنی انسان من حیث الانسان ہوگا اور جس سے خریدی جارہی ہے یعنی جس کے تصرف سے چھڑائی جارہی ہے وہ نفس امارہ اور انسی شیطان ہے یہ کلام چونکہ استعارہ ومجاز پر مبنی ہے لہٰذا مابہ البیع یعنی عوض مبیع کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔

وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جیسے کسی مبیع کو بیچنے سے قبل بیچنے والا اُس پر تصرف کرتا ہے اور بیچنے کے بعد اُس پر تصرف نہیں کرسکتا بلکہ خریدنے والے کا اُس پر مکمل تصرف ہوتا ہے اِسی طرح جس انسان کی قوتِ شہوانی وغضبانی اُس کی عقل پر غالب ہونے کی وجہ سے وہ مغلوب النفس اور شہویات و غضبیات کے ہاتھوں مغلوب العقل ہو چکا ہوتا ہے، نفس امارہ وشیطان کے زیر تصرف ہوتا ہے۔ گویا انجانے میں اپنی جان کو دشمن کے سپرد کر کے اُسے اپنے اُوپر متصرف کردیا ہے اور مغلوب العقل ہونے کی بنا پر اپنے اوپر اُس کے ناجائز تصرفات کو سمجھنے سے ہی قاصر ہے۔ اِس کے برعکس جس انسان کی عقل اُس کی قوت شہوانی وخواہشات اور غضبانی کے بے محل تصرفات پر غالب ہوتی ہے وہ عقل سلیم کی اصل فطرت وصراط مستقیم پر گامزن ہونے کی بدولت جملہ خواہشات وشہوات اور غضب کو اُن کے فطری محل ومصرف میں استعمال کرتا ہے کیوں کہ اُس کی قوت شہوانی وغضبانی عقل کے تابع ہونے کی بنا پر اُن کے جملہ حرکات عقل سلیم کے ہی زیر تصرف ہوتے ہیں۔

آیت کریمہ سے فداکاری کے جواز پر استدلال کی نوعیت

اِس تفسیر کے مطابق آیت کریمہ سے فدائی حملوں کے جواز پر استدلال کی نوعیت اس طرح ہوگی کہ اللہ کے جن مخلص بندوں نے اُس کی رضامندی کی خاطر نفس امارہ کے تقاضوں سے جان چھڑا کر متاع حیات کے جملہ لمحات اُس پر فدا کیے ہیں اُن کی نگاہ میں جان ومال، نفع ونقصان اور موت وحیات صرف اُسی کی رضا کے لیے ہیں۔ خریدی ہوئی چیز پر بیچنے والے کے جملہ تصرفات منقطع ہوکر خریدنے والے کے لیے حق تصرف ثابت ہونے کے مسلمہ اُصول کے مطابق اِن

مخلصین کی زندگی کے کسی بھی گوشہ میں نفس امارہ کو اپنی خواہش و تصرف اِن پر مسلط کرنے کا قطعاً کوئی حق باقی نہیں رہا۔ جبکہ اُس کے تصرف سے آزادی کی بدولت عقل کی روشنی میں زندگی کے جملہ لمحات و تصرفات کو اللہ کی رضا پر فدا کرنے کا تصرف و اختیار انہیں مکمل طور پر حاصل ہے۔ جس میں نفس امارہ و شیطان کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہو سکتا، جیسے اللہ نے فرمایا:

''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ''(۱)

یعنی میرے مخلص بندوں پر تصرف کرنے کی استطاعت تجھے حاصل نہیں ہے

ایسے میں اللہ کی رضامندی کے سبب بننے والے کسی بھی عمل میں جان و مال قربان کرنا، بڑے سے بڑے نقصان کو برداشت کرنا یا موت کو گلے لگانا اُن کی نگاہ میں حیات جاوداں خریدنے سے کم نہیں ہے کیوں کہ وہ اِس آیت کریمہ کے مظہر ہو چکے ہوتے ہیں:

''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''(۲)

یعنی میری جملہ عبادات بدنیہ و مالیہ اور میری زندگی و موت یکساں طور پر اللہ کی رضامندی پر قربان ہیں۔

اور ایسے ہی سعادت مندوں کے لیے فرمایا:

''وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ''(۳)

یعنی اُس سے بہتر دیندار اور کون ہو سکتا ہے جس نے اپنا سب کچھ اللہ کی رضا پر قربان کر کے احسان کے رُتبہ پر پہنچا ہوا ہے۔

علم تصوف میں بھی مقصد بندگی کے اِس رُتبے کو پانا ہوتا ہے جس میں جان و مال اور حیات و ممات سب کچھ اللہ کی رضا کیلئے ہوتے ہیں۔ اسی کو پانے کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ

۱۔ الحجر:42۔

۲۔ الانعام:162۔

۳۔ النساء :125۔

نے فرمایا:

''وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ''(۱)

یعنی اپنی جملہ توجہات اللہ کی رضا پر قربان کیے بغیر کسی بھی حال میں تم پر موت نہ آ جائے۔

اُمتِ اِجابت کو اِس کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ''(۲)

یعنی مجھے اُس وَحدَہٗ لاشریک کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں اُس کی راہ رضا میں بار بار مارے جانے اور زندہ کیے جانے پھر مارے جانے کا آرزومند رہتا ہوں۔

جانِ تصوف، روح شریعت، عطر اسلام اور فنا فی اللہ کے عظیم رُتبہ احسان پر فائز حضرات کے لیے اللہ کی رضامندی کی خاطر نہ صرف فدائی کے واردات کرنے میں شہید ہونا اصل زندگی ہے، حیات جاوداں اور حلاوت ایمان ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی سنت اور نبی آخر الزمان رحمت عالم ﷺ کی شریعت کے عین مطابق شہادت عظمیٰ ہے بلکہ فنا فی اللہ اور نفس مطمئنہ کے رُتبہ احسان پر فائز یہ حضرات اپنی زندگی کے جملہ لمحات اللہ کی رضامندی کے مطابق گزارنے کی خاطر قدم قدم ہر طرح قربانیاں دیتے رہتے ہیں۔ جن کی مشہور معروف مثالوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شب ہجرت میں آنحضرت ﷺ کے بستر پر سونا، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا مال کی قربانی دے کر خود کو اسلام کی خدمت کے لیے بچانا، حضرت عمار اور حضرت سُمیہ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا) کا اسلام پر اپنی جان کو فدا کرنا، مجاہدین اسلام کا اِعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اپنی جانوں کو فدا

۱۔ آل عمران:102۔

۲۔ بخاری شریف۔

کرنا، اہل حق کا جابر سلاطین وقت کے سامنے اپنی جانوں کو اسلام کی خاطر فدا کر کے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینا، استحصالی ظالموں کے خلاف اہل اسلام کی تقویت کے لیے جان یا مال کی قربانی دینا اور فلسطین میں عرصہ دراز سے دشمنِ اسلام کو ناکام کرنے کے ساتھ عالم اسلام کو ظلم کے خلاف بیدار کرنے کی غرض سے جاری فدائی حملے شامل ہیں۔ زمانہ قبل از اسلام بھی اصحاب کہف کا کفر و شرک کے مقابلہ میں نفس اَمارہ کی خواہش کے برخلاف عقل سے کام لے کر موت کو معصیت کی زندگی پر ترجیح دینا بھی حق پر اپنی جانوں کو فدا کرنے کی مثالیں ہیں۔ جس کا ذکر قرآن شریف کی سورۃ کہف میں آیا ہے۔ آلِ فرعون میں سے جس نفس مطمئنہ والے مردمومن نے اپنی جان کو موت کے منہ میں ڈال کر نفس امارہ اور تمام ماحولیاتی و شیطانی تقاضوں کے برخلاف حضرت موسیٰ نبی اللہ علیہ السلام کو بچانے کے لیے تبلیغ کا فریضہ انجام دیا تھا یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے سے بچانے کی طرح اُنہیں بھی معجزاتی طور پر موت کے منہ سے بچا لیا تھا جس کی تفصیل قرآن مجید کے اندر موجود ہے یا سورۃ یٰسین شریف کی آیات 20 تا 29 کے تحت ابن جریر کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حبیب النجار جیسے نفس مطمئنہ کے حامل اللہ کی رضا میں خود کو فنا کرنے والے (فنافی اللہ) اور راہ استقامت پر فائز مسلمان کا اللہ کے رسولوں کو تحفظ دینے اور سچے دین کی حقانیت ظاہر کرنے کی غرض سے مشرکوں کو تبلیغ کرتے ہوئے اپنی متاع حیات کو اللہ کی رضا پر قربان کر دینے جیسی متعدد مثالیں پہلے سے موجود ہیں۔

الغرض کسی بھی شکل میں حق کی خاطر اپنی متاع حیات کو قربان کرنے کی روایت فلسطینیوں کی طرف سے صیہونیوں کے خلاف فدائی حملوں سے صدیوں پہلے سے موجود چلی آ رہی ہے جسے ہمیشہ استحسان کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اگر عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو حق کا تحفظ زیادہ تر صراط مستقیم پر فائز اور نفس امارہ کو زرخرید غلام کی طرح تابع بنا کر نفس مطمئنہ کو اس پر حاکم و متصرف کرنے والے فنافی اللہ فدا کاروں نے ہی کیا ہے۔ آلاتِ حرب کے جدید تقاضوں اور فدا کاری کی اِس ہیئت کذائیہ کی خصوصیت کے علاوہ راہ حق میں فدا کاری کی اِن تمام انواع واقسام اور جزئیات

کی حقیقت میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے نوعی یا شخصی خصوصیات سے قطع نظر نفس حیوانیت میں تمام جاندار برابر ہوتے ہیں یہاں پر بھی عصری تقاضوں اور خصوصیت ماحول یا واردات کے قابل تبدل کیفیات سے قطع نظر نفس فداکاری یعنی شرعی احکام اور منشاء خداوندی کے مطابق کسی جائز مقصد کے حصول کی خاطر اپنی متاع حیات کو اس طرح قربان کرنا کہ جائز مقصد ملتفَت الیه اوّلاً و بالذّات ہو جبکہ اپنی جان کی ہلاکت ملتفت الیه ثانیاً و بالعرض ہو یعنی اس عمل میں اپنی ہلاکت کا یقین یا غالب گمان ہونے کے باوجود اُس کی پرواہ کیے بغیر منشاء خداوندی کے حصول کو پیش نظر رکھ کر اقدام کرنا آل فرعون کے رجل مومن کے فدائیانہ کردار سے لے کر اصحاب کہف کے جرأت مندانہ اقدام تک اور سفاک شخصیتوں کو حدودُ اللہ کو پامال کرنے سے باز رکھنے کی غرض سے امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے سے لے کر فلسطینی نوجوانوں کی فداکاری تک سب کو شامل ہے گویا منشاء خداوندی کے حصول کے لیے اپنی ہستی کی قربانی وفداکاری پر مطمئن ہونا سورۃ بقرہ کی آیت ۲۰۷ کے مطابق اپنے نفس امارہ کو خرید کر نفس مطمئنہ کے تابع بنانے اور منشاء خداوندی پر قربان کرنے کا مصداق ومظہر ہے چاہے اُس کے انواع واقسام یا افراد وجزئیات جس شکل میں یا جس دور میں بھی پائے جاتے ہوں۔

نصوص الحکم کے بصیرت افروز نکات

اِسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم کے اندر فص ششم میں ''فَصُّ حِکْمَةٍ حَقِّیَةٍ فِیْ کَلِمَةٍ اِسْحَاقِیَّةٍ'' کے عنوان کے تحت فرمایا:

فِـداءَ نبـيٍّ ذَبـحُ ذِبـحٍ لِـقُـربَـانِ ۔۔۔ وَاَیـنَ ثُـواجُ الکَـبـشِ مِـن نَوسِ اِنـسـانِ

وَعَـظَّـمَـهُ الـلّـٰهُ الـعَـظیـمُ عِـنَـایَـةً ۔۔۔ بِـهٖ او بـنـا لَـم اَدرِ مِـن اَیِّ مـیـزانِ

وَلا شَکَّ اَنَّ البُـدنَ اَعـظَـمُ قِـیـمَـةً ۔۔۔ وَقَـد نَـزَلَـت عـن ذِبـحِ کَـبـشٍ لِقُربانِ

فَیَـا لَیـتَ شِعرِی کیفَ نـابَ بِـذَاتِـهٖ ۔۔۔ شُـخَـیـصُ کُبَیـشٍ عن خَلیـفَةِ رَحمٰنِ

اَلَم تدرانّ الاَمرَ فِیہ مُرتّب وَفاءٌ لِاَرباحٍ ونقص لِخسرانٍ
فَلا خلقَ اَعلیٰ من جمادٍ وبعدَہٗ نَبَاتٌ علی قدرٍ یکونُ وَاَوزَانٍ
وذوالحِسّ بعد اَلنَبتِ وَالکّلُ عارِفٌ بخّلاقِہ کشفاً وَ ایضاحِ بُرھَانٍ
واَمّا المسّمٰی آدماً فَمُقیّد بعقلٍ وفکرٍ او قِلادَۃِ ایمَانٍ
بِذا قالَ سَھلٌ والمحّقِقُ مِثلُنَا لانّا وایّا ھُم بمنزل اِحسانٍ
فَمَن شَھِدَ الامرَ الّذِی قدشَھِدتُہٗ یَقولُ بِقولی فی خِفاءٍ واِعلانٍ
وَلا تلتَفِت قولاً یُخَالِفُ قولَنَا وَلاتبذر اَلسَمراءَ فی اَرضِ عُمیَانٍ
ھُمُ الصُمّ والبکُم الذّی اَتیٰ بِھِم لِاَسماعِنَا المَعصُومُ فی نَصّ قرآنٍ

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی طائی نَوّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے اِس فص کو حضرت الشیخ پیر سید امام شاہ نَوّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی تشریح کے مطابق بالترتیب علوم و معرفت کے مندرجہ ذیل چار حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

حصہ اول میں، جو مذکورہ اشعار پر مشتمل ہے اور قافیہ نون ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی منشاء کے مطابق اپنی جانوں کو فدا کرنے والے خوش نصیبوں کی عظمت شان بیان کرنے کے ساتھ حضرت اسحاق ذبیح اللہ نے منشاء الٰہی پر اپنی متاع حیات کو جو فدا کیا تھا اُس کی جزاء ایک عاجز و ناتواں مخلوق (دُنبہ) کی شکل میں دینے کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

حصہ دوم میں جو قافیہ ''ر'' پر مشتمل ہے' مسئلہ وحدت الوجود کو بیان فرمایا ہے کہ جملہ کائنات اُسی ایک وجود کے مظاہر ہیں۔

حصہ سوم میں جو قافیہ ''عین'' پر مشتمل ہے، اللہ وحدہ لاشریک لہ فی الوجود کی شان جامعیت اور غیر متناہی شؤنات و اعتبارات و تقییدات کے ظہور کے لیے مبداء آغاز و مابہ القیام اور نکتہ وحدت ہونے کو بیان کیا ہے، جبکہ آخری حصہ جو قافیہ ''ک'' ہے اس میں مخلوق کے اندر موجود دونوں جہتوں یعنی جہت واقعیت و غیر واقعیت اور جہت حقی و جہت خلقی کے جدا جدا آثار و ثمرات بیان فرمائے ہیں

جس سے مسئلہ وحدت الوجود کی سمجھ ہر صاحب بصیرت کے لیے سہل ہو جاتی ہے (فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء)۔ یہاں پر دل بہت چاہتا ہے کہ اِس فص کے جملہ مندرجات کی پوری پوری تشریح قارئین کی نظر کروں لیکن اس کی غیر معمولی طوالت کو مقصود اصلی کی راہ میں مخل سمجھ کر صرف اور صرف اِس کے فدائیانہ عمل کی جھلک پر اکتفا کرتا ہوں۔

اِس فص کے پہلے حصہ یعنی قافیہ نون کے جو اشعار فصوص الحکم شریف سے میں نے ذکر کیے ہیں اُن میں حضرت شیخ محی الدین نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْفُ کے حاصل مطلب کو سمجھنے کے لیے بطور تمہید اِن دو باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

اول:۔ حضرت شیخ اکبر کے کشف و تحقیق کے مطابق ذبیح فی سبیل اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

دوم:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تمام ابتلائی و آزمائشی کاموں میں اللہ کی رضا مندی کی پیش نظر جان کی پروانہ کرنا دراصل اللہ کی رضا جوئی کے لیے اُن کی طرف سے فداکاری کی جھلک تھی چاہے آتش نمرود میں کودنے کا واقعہ ہو یا جملہ آبادی کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کے مصائب کو گلے لگانے جیسے مہلکات ہوں، یہ سب کے سب سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ'' (البقرۃ:124) کے مظاہر و مصداق تھے اِسی طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ ایک بار، بلکہ متعدد بار رضاء الٰہی کے سامنے خود کو فدا کیا تھا جبکہ اُن کے بیٹے (حضرت اسحاق علیہ السلام) نے اُن ہی کے مشورہ کے مطابق صرف ایک بار خود کو منشاء الٰہی کے سامنے فدا کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچانے کی طرح رب کریم نے اُن کے اِس فدائیانہ عمل کو قبول کرتے ہوئے اُنہیں بھی زندہ بچالیا۔

مہر آباد شریف کی حسین یادیں

اِن دونوں تمہیدات کو بیان کرنے کے بعد اصل مقصد یعنی حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الشَّرِیْف کے اِس کلام سے راہِ حق میں انجام دیئے جانے والی فدا کاریوں کا شہادت فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال اور ایمان کے اصل معیار ہونے پر استدلال کرنے سے پہلے مہر آباد شریف قیام کے ایام میں حضرت استاذ یم پیر سید امام شاہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے فیوضات کی ایک جھلک کا اظہار کرنا تحدیثِ نعمت سمجھتا ہوں۔

''واقعہ یہ ہے کہ مہر آباد شریف جانے سے قبل میں نے متعدد مسالک کے اساتذہ کرام مثلاً مولانا عبدالغفور ہزاروی وزیر آباد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا مفتی عبداللطیف، مولانا فضل الرحمٰن، خطیبِ سول کوارٹر پشاور سے قرآن شریف کی تفسیر و ترجمہ پڑھا ہوا تھا، ہر جگہ سے سورۃ بقرۃ آیت نمبر 124 کی یہی تفسیر ہمیں بتائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا تھا وہ حجامت بنوانے، مسواک کرنے اور احکامِ حج بجالانے جیسے دس احکامات تھے۔ شاید اِن حضرات نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اِس سلسلہ میں موجود روایت کو معیارِ تفسیر قرار دے کر یہ انداز اپنایا ہو، لیکن فصوص الحکم شریف کے درس کے ضمن میں حضرت استاذ محترم نے ہمیں سمجھایا کہ قرآن شریف کی سب سے اہم، سب سے مقدم اور سب سے زیادہ واجب الاتباع تفسیر وہ ہے جو خود قرآن سے ہو کیوں کہ ''اَلْقُرْآن یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا'' یعنی قرآن شریف کی بعض آیات بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔

اُس کے بعد دوسرے درجہ میں مرفوع حدیث سے ہوتی ہے۔ اِس مسلمہ اُصول کی روشنی میں حضرت نے ہمیں سمجھایا کہ سورۃ بقرۃ کی اِس آیت کریمہ کی تفسیر قرآن شریف کی اُن آیات سے ہوتی ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے، ہجرت کرنے، فراعنہ سے واسطہ پڑنے اور آبادی کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کو برداشت کرنے جیسے مصائب کو اللہ

تعالیٰ کی رضا جیسے عظیم مقصد کو پانے کے لیے قبول کرنا، مذکور ہیں۔ اِس قطعی اور درجہ اول کی تفسیر کو چھوڑ کر اِس کے مقابلہ میں خبر آحاد کی ظنی روایات کو مشہور کرنے کا کیا جواز ہے؟

حضرت الشیخ پیر سید امام شاہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی یہ بات بظاہر کسی مخفی نکتہ کی حامل نہیں ہے بلکہ اُصولِ تفسیر کا مشہور و معروف حصہ ہے لیکن حضرت کی فیض رساں صحبت و درس اور اندازِ کلام کی برکت کا یہ عالم تھا کہ اِس تھوڑی سی رہنمائی سے میری تقدیر بدل گئی۔ قرآن فہمی کی توفیق نصیب ہوئی اور کتاب اللہ کو کھلے ذہن سے سمجھنے اور اُس پر غور و فکر کرنے کا رجحان مجھ میں پیدا ہوا۔"

میں اپنی زندگی کے اُن حسین لمحات کو کبھی نہیں بھولوں گا کہ 1964ء میں درس نظامی کے مروجہ رسمی درسیات سے فارغ تحصیل ہوا اور حضرت شیخ الحدیث سید احمد سعید کاظمی محدّث امروھی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی سرپرستی میں جاری جامعہ انوار العلوم ملتان سے دستار بندی کی سعادت سے بہرہ ور ہوا اور بعد ازاں فلسفہ اسلامیہ کے امام حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے خداداد علوم و تصانیف سے علمی استفادہ کی طرف مائل ہوا جس کے لیے اُس وقت کے امام تصوّف حضرت شیخ طریقت پیر سید امام شاہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے علمی و روحانی حلقہ درس مہر آباد شریف کے پسماندہ گاؤں میں خود کو کچھ عرصہ کے لیے محبوس کر رکھا، اس دورانیہ میں فصوص الحکم شریف کے درس کے ضمن میں فلسفہ اسلامی اور علوم و حکمت کی وہ راہیں مجھ پر کھل گئیں جن کی ہوا بھی دوران تعلیم مجھے نہ لگی تھی۔ اِس حوالہ سے اگر استاذیم فی التصوف والطریقت پیر سید امام شاہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے کمالاتِ علمیہ، افادہ، افاضہ اور اُن کے فیوض و برکات اور اُن کے قلب و لسان سے میرے سینے میں پہنچنے والے فیوضات کا اجمالی تذکرہ کروں تب بھی سینکڑوں صفحات مرتب ہوسکتے ہیں لیکن ایک انار سو بیمار والی مجبوری ہے کہ افادہ عوام و خواص کے لیے ایک سے ایک اہم تحقیق طلب مسائل کا انبار لگا ہوا ہے اُن سے فارغ ہو جاؤں تو اس قسم حاشیاتی معلومات کو ضبط تحریر میں لاسکوں۔ پھر یہ بھی ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ شیخ معین الدین حسن اجمیری، پیران

پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، شاہ نعمت اللہ ولی، سید علی ہجویری داتا گنج بخش جیسے سینکڑوں بزرگانِ دین کے علمی وعملی کمالات سے بھری ہوئی کتابیں پہلے سے موجود ہیں، اُن پر کوئی عمل نہیں کر رہا تو میرے جیسے ناتواں کی لکھی ہوئی کتاب سے کون کیا فائدہ اُٹھائے گا؟ آج کل مسلمانوں کی بے عملی کا یہ حال ہے کہ محض خواندن وشنیدن کو ہی مذہبی تعلیم سمجھا جاتا ہے۔

اِس پر مستزاد یہ کہ بے عمل، کسبی واُجرتی مقررین اور نمبر دو پیروں کے ہاتھوں سنت کی جگہ بدعات، بزرگانِ دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے اُن کے نام پر کمائی کرنے، شعبدہ بازی، اداکاری، مکروفریب، تصنع وبناوٹ اور جھوٹ ومبالغہ آمیزی کا دور دورہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِی نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔

استفادۂ علمی کے قیمتی ایام میں حضرت شیخ طریقت پیر سید امام شاہ نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ کے زیر سایہ تربیت مہرآباد شریف میں قیام سے متعلقہ اپنے ماضی کی حسین یادوں کی گزشتہ خوشبوؤں کو فصوص الحکم شریف کے درس کے حوالہ سے ذکر کرنے کے ضمن میں پیری ومریدی کی موجودہ کساد بازاری کی کڑواہٹوں کی جھلک ,گنواتے ,گنواتے کافی دور نکل گیا۔ دراصل مجھے کسی بھی حوالہ سے اللہ کی رضا کی خاطر ظالموں کے خلاف فدائی حملہ کاروں کے اِس عمل کو اللہ کی راہ میں قربانی اور فداکاری کے وسیع اور کلی معنی یعنی اللہ کی رضامندی کے موجب کسی بھی جائز مقصد کے حصول کی خاطر کوئی ایسا اقدام کرنا جس میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا بھی یقین یا غالب گمان ہو، کے تحت مندرج اور اس کے افراد وانواع میں سے ایک خاص قسم ثابت کرنے کے لیے بطور سند حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ کی شہرہ آفاق کتاب (فصوص الحکم شریف) کے ''فَصُّ حِكْمَةٍ حَقِيَّةٍ فِی كَلِمَةٍ اِسْحَاقِيَةٍ'' کے مذکورہ اشعار کو بطور سند پیش کرنا تھا۔ جس کی وضاحت یہ ہے کہ مذکورہ اشعار میں حضرت شیخ اکبر عرف عام کی نگاہ میں عام انسانوں کی فہم کے مطابق تعجب کا اظہار کر رہے ہیں کہ حیوانوں کی متباین اقسام ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوسکتیں، اِس پر مستزاد یہ کہ حضرت ذبیح (اسحاق) علیہ السلام اور اُن کی ذات پر فدا کیے جانے والا ذُنبہ نہ

صرف آپس میں انواعِ متبائنہ ہیں بلکہ اِس تبائن نوعی کے علاوہ بھی اُن میں متعدد وجوہ سے تضاد ہے مثلاً حضرت اسحاق علیہ السلام، رحمٰن جل جلالہ کا خلیفہ ہے اور اولوالعزم پیغمبر ہے جبکہ اِن پر فدا کیے جانے والا دُنبہ اللہ کی خلافت سے بعید تر بلکہ حیوانات کے زمرہ میں بھی عاجز تر ہے۔ تباین ذاتی کے ساتھ تباین لوازم کے اِس کامل تضاد کے باوجود اِس کمترین کا اعلیٰ ترین کے قائم مقام ہونا بظاہر سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُس نے حسن بندگی و اطاعت گزاری کا بدل ہمیشہ بہتر دینا ہے، کمتر کبھی نہیں دینا۔ جیسا کہ فرمایا:

”ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى“ (۱)

نیز فرمایا: ”مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا“ (۲)

نیز فرمایا: ”اعددتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَت وَلَا اُذُنٌ سَمِعَت وَلَم یَخطُر عَلٰی قَلبِ بَشَر“

لیکن یہاں پر ایسا نہیں ہوا کیوں کہ ذبیح (اسحاق) علیہ السلام نے حسنِ بندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکمل اطاعت گزاری کے ساتھ اپنی متاع حیات کو مولیٰ کی رضا پر قربان کیا، اپنی طرف سے خود کو فدا کیا اور حکم مولیٰ کے مطابق خود کو ختم و فنا کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اِس عظیم فداکار پر اس کے رُتبہ سے کمتر مخلوق (دُنبہ) فدا کیا۔ اس خلیفۃ الرحمٰن کی عظیم المرتبت ذات کے عوض کمتر نوعِ حیوان کو اُن کا بدل ٹھہرایا اور خلافتِ رحمانی سے بعید تر کو اِس کی جزاء و قائم مقام کر کے اپنی رضا و منشاء کی خاطر جانوں کی قربانی دینے والے فداکاروں کو فکری امتحان میں ڈال دیا۔ اس راز کو حقیقت سے ناآشنا جمہور کیا جانیں؟

عُرفِ عام یا عامۃ الناس کی فہم کے مطابق تعجب کی زبان میں اِس فطری سوال کو پانچ مختلف طریقوں میں بیان کرنے کے بعد دوسرے پانچ اشعار میں یعنی:

۱۔ النجم:40۔

۲۔ الانعام:160۔

فَلاَ خلقَ اعلٰی من جمادٍ و بعده نَبَات عَلیٰ قدر یَکونُ وَ اَوزانٖ

سے لے کر۔

فَمن شَھِدَ الامرَ الذی قد شَھِدته یَقولُ بقولی فِی خِفاءٍ واعلانٖ

تک کے اشعار میں اس کا جواب دیا ہے جو سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ جس کو سمجھنے کے لیے تمہیدی طور پر مندرجہ ذیل باتوں کو پہلے سمجھنے کی ضرورت ہے:

پہلی تمہید:۔ حضرت شیخ اکبر اور شیخ سہل ابن عبداللہ التستری اور اُن کے ہم خیال کچھ اہل تحقیق کے کشف کے مطابق ہر وہ مخلوق اپنی خلقت میں اعلیٰ و افضل ہوگی جس کے اندر قیودات، خود اختیاری یا خود عملی کم سے کم ہوگی یا قطعاً موجود ہی نہیں ہوگی۔ اِن حضرات کے اِس کشفی اُصول کے مطابق جمادات جو وصفِ نمو اور حس و حرکت اور عقل و تدبر کے قیودات سے آزاد و خالی ہیں خالق کائنات وحدہ لاشریک کے زیادہ قریب ہیں جس وجہ سے جہتِ عبدیت میں بھی اعلیٰ ہوں گے۔

اِس کے بعد اجسام نامیہ فقط ہیں یعنی نباتات کا درجہ ہے اُن کے بعد بے عقل و بے تدبر حیوانات و اصحاب حواس کا رُتبہ ہے۔ اُس کے بعد آخری درجہ میں انسان کا رتبہ ہے کیوں کہ سب سے زیادہ قیودات اور خود فکری و خود عملی جیسے اضافی اوصاف کے حامل ہونے کی وجہ سے اطلاق سے دور ہے۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ انسان سے اوپر جانب اطلاق کی طرف جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب اپنے خالق و مالک اور اس کے تصرفات و رضا اور اس کے جلال و جمال کو فطری طور پر جانتے ہیں کسی اور سے سمجھنے، غور و فکر کرنے یا تقلید کرنے کے محتاج نہیں ہیں اور خالق کی اِس معرفت میں غلطی، کج فہمی یا غفلت سے بھی محفوظ و معصوم ہیں جس پر کشف کے ساتھ قرآنی دلائل و براہین کی بھی بہتات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ''(۱)

نیز فرمایا: ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ''(۲)

یہی وجہ ہے کہ جملہ کائنات میں ثقلین یعنی جن وانس کے ماسوا کسی اور جنس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے غافل، کج فہم اور کافر ومشرک ومعصیت کار کوئی اور نہیں ہے جبکہ انسان خارجی ذرائع تعلیم کا محتاج ہے پھر بھی غلطی وغفلت کا احتمال باقی ہی رہتا ہے جو اس کی کمزوری کی دلیل ہے۔

دوسری تمہید:۔ انسان اپنی ذات میں زیادہ محتاج ومقید اور کمزور ہونے کے باوجود اپنی ہستی میں موجود اِن اضافی قیودات واجزاء یعنی عقل، حواس، قوت شہوانی وغضبانی اور قوت تفکر وخود عملی کے کمالات کو اپنے خالق ومالک کی رضا ومنشاء کے تابع بنانے کا اختیار رکھتا ہے جس کی بدولت صراط مستقیم پر چلنے کو عملی زندگی کی ترجیح وپیش نظر بنا کر اِن سب پر فوقیت وبرتری حاصل کرسکتا ہے۔ گویا اِن حضرات کے بیان کردہ اسلامی فلسفہ کے مطابق انسان سے مافوق خلائق کا جانب اطلاق میں الافضل فالافضل ہونا من حیث المعرفۃ ہے کہ وہ سب حسب مراتب اپنے خالق کی معرفت اور اپنی فطری عبودیت وبندگی کی انجام دہی میں کوتاہی وکج روی سے معصوم ومحفوظ ہیں جبکہ انسان کی اِن سب پر برتری وافضلیت من حیث الاطاعۃ ہے یعنی جب تک اپنی اِن اضافی اجزاء وکمالات کو منشاء خداوندی کے تابع بنا کر علم وعمل کی راہ استقامت پر چل رہا ہوتا ہے اُس وقت تک ان سب سے اعلیٰ وافضل ہوتا ہے جیسے منطق کی زبان میں ''مشروطہ عامہ'' یا ''عرفیہ عامہ'' کہا جاسکتا ہے جس کا انعقاد دوام وصف کے بغیر ناممکن ہوتا ہے لیکن یہ وصف اطاعت ومعرفت ماہیت انسانی کا لازمہ نہیں ہے کہ انفکاک نہ ہوسکے، ورنہ ''وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

۱۔ الاسراء:44۔

۲۔ النور:41۔

لَا يَعْلَمُوْنَ"(۱)اور" وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ"(۲) جیسے نصوص کا ورود نہ ہوتا۔ نیز دنیائے انسانیت میں کوئی شخص کج فہم و معصیت کار نہ ہوتا جبکہ معروضی حالات اِس کے برعکس ہیں۔ بخلاف جانب اطلاق خلائق کے یعنی عقل و تدبر کی قوت سے خالی جملہ حیوانات واصحاب حواس سے لے کر اجسام نامیہ واجسام مطلقہ اور جمادات تک خلائق کے، کہ اُن کی ماہیات کو یہ وصف لازم ہے کہ انفکاک نہیں ہوتا جس پر ان حضرات کے کشف کے علاوہ "وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ"(۳)، جیسے درجنوں نصوص قاطعہ بھی شاہد ہیں۔

اِن تمہیدات کو سمجھنے کے بعد فصوص الحکم شریف کے مذکورہ اشعار میں حصہ جواب کا مفصّل مطلب واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم واسحاق عَلَيْهِمَا السَّلَام مشروطہ عامہ کے اس کمال پر فائز تھے جس کے مطابق سخت سے سخت ابتلاء وآزمائش میں بھی رضاء الٰہی پیش نظر ہوتی ہے۔ جس کی خاطر موت و حیات کی کوئی تفریق نہیں ہوتی اور نفس امّارہ کو اس کے جملہ تقاضوں سمیت نفس مطمئنہ کے تابع فرمان بنا کر متاع حیات کو منشاء الٰہی پر فدا کیا جاتا ہے۔ جس سے بڑھ کر خالق کی عبادت واطاعت گزاری متصور نہیں ہو سکتی۔ منشاء خداوندی پر فدا کاری کی یہ شکل عبادت واطاعت کی اعلیٰ مثال ہے جس پر جملہ عبادات کے تسلسل کی انتہاء ہے اور حق عبدیت کی ادائیگی کے اِس فرد کامل کی مثال انسانی شکل میں موجود کاملین فی الانسانیت کے علاوہ کسی اور جنس کے افراد میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے جب رضاء الٰہی پر خود کو قربان کیا، اپنی متاعِ حیات کو حکم ربی پر فدا کیا اور حسب استطاعت اپنی رضا واختیار کے ساتھ منشاء خالق کے سامنے بطیب خاطر خود کو ختم کیا تو اللہ جل جلالہ نے بھی اپنی طرف سے مقررہ مجازات اعمال کے معروف طریقہ کار کے عین مطابق دنبہ کی شکل میں ایک ایسی مخلوق کو اُن کا بدل قرار دیا ہے جو محضِ عبد ہونے کی حیثیت سے مطلق انسان سے افضل ہے۔

۱۔ الانعام:37۔

۲۔ آلِ عمران:110۔

۳۔ الاسراء:44۔

خلاصہ جواب:۔ کہ علی الاطلاق ماہیت دُنبہ کو ماہیت انسان سے کم تر سمجھ کر اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے قائم مقام اور اُن کے اِس عظیم فدائیانہ کردار کے عرض قرار دینے کو تعجب کی نگاہ سے دیکھنے کا پسِ منظر عبدیت کے حوالہ سے خلائق کے مابین فرقِ مراتب سے بے توجہی ہے کہ وہ روزِ اول سے مطلق انسان کو اشرف المخلوقات کہہ کر اُس کے سوا ان سب کو کم تر سمجھتے آئے ہیں جو فی الجملہ درست ہونے کے باوجود حرفِ آخر نہیں ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ"

اِسی بے توجہی کی بنا پر ان حضرات نے اِن خلائق کی ماہیت من حیث معرفت الخالق اور ماہیت انسان من حیث الخالق کے مابین عدم تمیز کو متفرع کیا ورنہ وہ بھی یہی کہتے جو ہم کہہ رہے ہیں۔ یعنی معرفت الخالق اور اِس کی رضا و منشاء کے مطابق زندگی گزارنے کے حوالہ سے دنبہ انسان سے اعلیٰ و افضل ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی قوت فکری و عملی کے جملہ تقاضوں کو منشاء الٰہی کے تابع بنا کر خود کو اُس کی رضا کے سامنے قربان کرتا ہے تب اُس کا رتبہ اُن سب سے اعلیٰ و افضل قرار پا کر ایک طرف تو خلافت الٰہی کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنی شان کریمی کے مطابق مجازات الحسنات کے سلسلہ میں مقررہ طریقہ کار و شان فیاضی سے معرفت الخالق میں اُس سے اعلیٰ و افضل خلائق کو بھی اُس پر قربان کرتا ہے۔ جوابی حصہ کے مذکورہ پانچ اشعار کے آخری شعر

فَمَنْ شَهِدَ الْاَمْرَ الَّذِی قَدْ شَهِدْتُهٗ   يَقُوْلُ بِقَوْلِی فِی خِفَآءٍ وَّ اِعْلَانٖ

میں حضرت شیخ اکبر نے اپنے اِس کشفی جواب کو آیت کریمہ کے مطابق سمجھا ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر اپنے اِس مشاہدہ کو بیان کیا ہے جیسا اُن کے مذکورہ اشعار "فَمَنْ شَهِدَ الْاَمْرَ الَّذِی قَدْ شَهِدْتُهٗ......يَقُوْلُ بِقَوْلِی فِی خِفَآءٍ وَّ اِعْلَانٖ" سے معلوم ہو رہا ہے۔

وَلَا تَلْتَفِتْ قَوْلاً يُخَالِفُ قَوْلَنَا   وَلَا تَبْذُرِ السَّمْرَاءَ فِی اَرْضِ عُمْيَانٖ

هُمُ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ اَتٰى بِهِمْ   لِاِسْمَاعِنَا الْمَعْصُوْمُ فِی نَصِّ قُرْآنٖ

کے دوشعروں میں چند افادات و اضافات کیے ہیں:

❶ جمہور کے علم کو استدلال اور اپنے علم کو مشاہدہ پر محمول کیا ہے۔ یہ اِس لیے کہ حِس اور عقل سے ماوراء باتوں کو سمجھنے کے تین ذرائع ہوتے ہیں:

(i) تقلید:۔ جس میں انسان دوسرے کو حق بجانب سمجھ کر اُس کی تقلید کرتا ہے جس سے حاصل ہونے والے علم کو علمِ تقلیدی کہا جاتا ہے۔ جیسا عام انسانوں میں ہوتا ہے۔

(ii) استدلال:۔ جس میں پہلے سے حاصل معلومات میں غور و فکر کی جاتی ہے۔ جس سے حاصل ہونے والا علم استدلالی کہلاتا ہے جیسے عام اہل نظر کو نظر و فکر کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم میں ہوتا ہے۔

(iii) کشف:۔ جس میں ماوراء العقل والحواس یا کسی بھی نامعلوم چیز کو نورِ بصیرت یا ظاہری حواس سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جسے شریعت کی زبان میں کشف یا کرامت بھی کہا جاتا ہے۔

❷ جمہور کے تقلیدی اور استدلالی علم کے مقابلہ میں اپنے مشاہدہ کو قابلِ عمل بتایا ہے کہ اِس کا اظہار ہر حال میں کیا جاسکتا ہے جیسے اُن کے مذکورہ الفاظ (یَقُوْلُ بِقَوْلِی فِی خِفَآءٍ وَ اِعْلَانٍ) سے معلوم ہو رہا ہے۔

❸ الٰہیات کے طلباء کو خاص کر راہِ عرفان کے سالکین کو تقلید کے جمود سے اور استدلال کی کُلفت سے نکل کر مشاہدہ کی عظمت پانے کی ترغیت دی ہے جو راہِ حق کے مسافر ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ اُن کے مذکورہ الفاظ (هم الصم البكم الذين اتى بهم...... لاِسماعنا المعصوم فى نص قرآن) سے معلوم ہو رہا ہے۔

❹ مخاطب کی استعداد اور اُس کے ماحول کے خلاف باتوں کی تعلیم دینے اور تبلیغ کرنے سے منع فرمایا ہے جس کے مطابق اہل تقلید کو تقلید کی زبان میں اور اہلِ نظر کو استدلال کی زبان میں اور اہل مشاہدہ کو اُن کے حسبِ حال اعیان کی زبان میں تبلیغ کرنا ضروری ہے ورنہ اہلِ تقلید کو استدلال کی زبان میں تبلیغ کرنا یا اہلِ تقلید یا اہلِ نظر کو اہلِ مشاہدہ کی زبان میں تبلیغ کرنا ایسا

نامعقول ہوگا جیسا بنجر زمین میں گندم کاشت کرنا۔ یہ افادہ حضرت شیخ کے مذکورہ الفاظ (ولا تبذر السمراء فی ارض عیان) سے معلوم ہورہا ہے۔ جودراصل حضرت علی المرتضٰی نوراللہ وجہہ الانوار کے فرمان سے مستفاد ہے، اُنہوں نے فرمایا:

''حدثوا الناس بما یعرفون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ''(۱)

یہاں پر حضرت شیخ اکبر کے کلام کو نقل کرنے سے واحد مقصد میرا یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں فداکاری کو عظیم شہادت ثابت کرنے کے لیے سلف صالحین سے سند پیش کروں، جس میں اقدام کرنے والے کی نیت میں مقصوداً صلی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہونے کے ساتھ ثانیاً و بالعرض اپنی ہلاکت پر بھی یقین یا غالب گمان ہو۔ جس کے لیے حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے بھی اپنے اِن اشعار میں منشاءِ الٰہی کو پانے کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے موجب کسی بھی پاکیزہ مقصد کی برآوری کے لیے خود فدائی عمل کو انسانیت کی معراج قرار دیا ہے۔ زمین پر خلیفۃ الرحمٰن ہونے کا معیار و موجب بتایا ہے اور جملہ عبادات واطاعت گزاریوں کی کسوٹی وروح رواں ٹھہرایا ہے، چاہے فداکاری کا یہ مفہوم اپنے کسی ادنیٰ فرد کی شکل میں پایا جائے یا حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق عَلَیْہِمَا السَّلَام کی اِس اعلیٰ اور بے مثال قربانی کی صورت میں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے سب کو اُن کے مراتب کے مطابق اضعافاً مضاعفۃ اجر سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے جو کسی مناسب مخلوق کو اُن کا عوض وبدل بنا کر انہیں بطور کرامت ومعجزہ زندہ بچانے کی شکل میں ہوتا ہے یا اُن کی نیت میں موجود اُس عظیم مقصد کے حصول کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم سے عظیم تر بدل کا ملنا یقینی امر ہے، بذودی یا بدیر کیوں کہ اصل کامیابی نظریہ ومشن کی کامیابی ہے چاہے جس شکل میں بھی ہو جس کی راہ میں شرعی احکام کے مطابق خود فدائی کو عظیم اہمیت حاصل ہے۔

۱۔ جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج 3:، ص: 377، حدیث نمبر: 3693، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت۔

حضرت شیخ اکبر کے اِس نظریہ کے مطابق غاصب کے ظلم و استبداد کے پنجہ سے آزادی حاصل کرنے کی غرض سے یا ظالموں کے ساتھ فریضہ جہاد کو زندہ و جاری رکھنے کی غرض سے یا مسلم اُمت کو سازشوں اور اسلام کے خلاف زیرِ زمین ترتیب دی جانے والی ناپاک پالیسیوں کے خلاف بیدار کرنے کے لیے یا اُن ظالموں کی حوصلہ شکنی کے لیے یا کسی اور جائز مقصد کی بر آوری کے لیے اِن فداکاروں کی موت شہادت سے خالی نہیں ہے۔ ان کی نیت میں جس قدر اخلاص اور منشاء الٰہی کی دست آوری کا دخل عمل جتنا زیادہ ہوگا اُسی تناسب سے اِس جہاد و شہادت کا رتبہ بھی اعلیٰ ہوگا۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے ''فص حكمةٍ حقيّةٍ في كلمةٍ اسحاقيةٍ'' کے عنوان کے تحت اسی فلسفہ کو اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے، گویا اِس فص کے انعقاد کا ماسیق لہ الکلام اور عبارت النص بھی منشاء الٰہی کو پانے کی خاطر خود فدائی کردار اپنانے کو جملہ خلائق پر انسان کی فضیلت وعظمت کی بنیاد بتاتا ہے، اُس کے خلیفۃ الرحمٰن ہونے کا مدار ظاہر کرتا ہے اور خلاصۂ کائنات ہوتے ہوئے بھی اُن سے مافوق، سب سے ممتاز اور سب سے زیادہ مقرب الی اللہ ہونے کے فلسفہ کا اظہار کرتا ہے۔ بزرگانِ دین کے اِس قسم حوالہ جات کو ذکر کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کسی جائز مقصد کے حصول کے لیے یا اُس کی راہ میں حائل ناجائز رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے منشاء الٰہی کو مقصودِ اصلی بنا کر فداکاری کا عمل انجام دینے والوں کو بزرگانِ دین نے بھی استحسان کی نگاہ سے دیکھا ہے ورنہ اِس کے جواز و استحسان، وجہ کمال انسانیت اور جملہ احکام اسلام کی روح رواں ہونے پر سورۃ توبہ کی آیت نمبر 111 حجت تام ہے۔

فداکاری کے جواز پر دوسری آیت سے استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ''(۱)

قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت کی خوشبو سے واقف حال حضرات جانتے ہیں کہ اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے محتاج ذات کو اہل ایمان کی جانوں اور مالوں کا خریدار بتا کر اِس مَبیع کی خرید کا اصل مقصد اِن ہی خریدی ہوئی جانوں کو نفس پرست ظالموں سے دنیا کو پاک کرنے کے لیے اُن کے خلاف اِس طرح کھپانا بتایا ہے جس میں اُنہیں ہلاک کرنے اور اُن کے ہاتھوں خود ہلاک ہونے کو یکساں مفید مقصد قرار دیا ہے۔ ذوات قدسیہ انبیاء علیہم السلام اور اُن پر نازل شدہ کتابوں کے ذریعہ کی جانے والی اِس خریداری کا عوض مندرجہ ذیل چیزیں بتائی ہیں:

1. بیع کا ثمن جنتی زندگی ہے۔ جس کے مطابق فدا کاروں کو جنت ملنا ضروری ہے۔
2. اہل ایمان فریق ہیں یعنی بیچنے والے، جس کے بعد وہ اپنے جان و مال کے مالک ہی نہیں رہے۔
3. فریق دوم یعنی خریدنے والا، جو ذاتِ الٰہی ہے ثمن ادا کرنے میں وفادار اور سچا ہے۔
4. مبیع کے عوض یعنی ثمن یہاں پر اُس سے افضل ہے یعنی دُنیاوی زندگی کی جان و مال اُخروی زندگی کی جان و مال کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

۱۔ التوبۃ:111۔

اِن معلومات کو آسانی سے سمجھنے کے ساتھ بلاغت قرآنی والٰہیات سے آشنا ذہن اس بات کو بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک جملہ کائنات کا خالق و مالک ہونے اور سب سے بے نیاز و بے احتیاج بادشاہ ہونے کی بنا پر کسی سے کچھ خریدنے کا محتاج نہیں ہے جس وجہ سے جمہور مفسرین نے اِس آیت کریمہ کو مجاز بالاستعارۃ پر محمول سمجھا ہے۔ جس کی روشنی میں مذکورہ معلومات کے محامل اور اُن کے مصداق و مظاہر میں سے ہر ایک کی حسب مناسب جو تفسیر ہو سکتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ:

❶ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں اپنی بے مثل ذات کو اُس صاحب اقتدار خریدار کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کسی سے کوئی چیز خرید کر اُسی کے پاس اُسے بطور ودیعت چھوڑ دے اور خود اُسی شخص کو اپنی طرف سے وکیل مقرر کر کے اُس پر جائز تصرف کرنے کی اجازت بھی اُسے دے دے۔ نیز اپنی منشاء کے مطابق اُس پر تصرف کرنے کی جملہ راہیں اُسے بتائے۔

❷ اہل ایمان کو اُس فروخت کنندہ شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اپنی قیمتی چیز فروخت کرنے کے بعد خریدار کی طرف سے اُس میں تصرف کرنے کے لیے وکیل اور مختیار ہوتا ہے اور مالک و مؤکّل کی طرف سے مقررہ حدود و خطوط کے اندر رہتے ہوئے ہر قسم تصرف کرنے کا کلّی اختیار رکھنے کے ساتھ مالک تصرف بھی ہے۔

نیز اپنی سعادت مندی و بصیرت افروزی کی بدولت مؤکل و مالک کی طرف سے مقررہ ہدایات کی پیروی کرتا ہے۔ بخلاف اُس بے بصیرت خیانت گر کے، جو مؤکل و مالک کی طرف سے مقررہ خطوط و حدود کو خاطر میں لائے بغیر پرائے مِلک میں ناجائز تصرف کر رہا ہوتا ہے اور اُس کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل، استغناء، حلم اور اُس کی اعلیٰ ظرفی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس کی اِن مہربانیوں کو پامال کر رہا ہوتا ہے۔

❸ اِس کے عوض ملنے والی جنتی زندگی کو ہمہ جہت مسرتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ اُس احسان شناس وفا شعار وکیل کی زندگی کے جملہ مراحل قابل ستائش و پُر سکون ہیں جو مالک و

مؤکل کی اِس امانت میں اُس کے منشاء کے مطابق تصرف کر رہا ہوتا ہے۔ متعلقہ امانت میں اُس کے جملہ تصرفات وفا شعاری پر مبنی ہونے کی بنا پر جملہ ظروفِ حیات میں اُس کی زندگی پُر مسرت ہونے کے ساتھ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (۱) کا مظہر ہوتی ہے۔

❹ اہل ایمان سے خریدی ہوئی چیز یعنی اُن کی جان و مال کو ظلم کے خلاف استعمال کرانے کو مقصدِ خرید بتانے سے مراد مالک و مؤکل جل جلالہ کی طرف سے مقررہ حدود پر اُس کی منشاء کے مطابق عمل کرنے کو مقصدِ حیات بنا کر تصرف کرنا ہے جو شریعت مقدسہ کے جملہ اَوامر و نواہی کو شامل ہے ورنہ تخصیص کی صورت میں اِس آیت کریمہ کے متصلاً بعد آیت 112، میں اِن ہی وکلاء الرحمٰن خوش قسمتوں کی جن نو عدد صفات کو "اَلتَّائِبُوْنَ" سے لے کر "وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" تک بیان کیا ہے یا سورۃ المؤمنون کی ابتدائی نو آیتوں میں جن آٹھ عدد احکام کو بیان کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک ہزاروں احکام شرعیہ کو متضمن ہے، اِن کی کوئی اہمیت نہیں رہتی حالانکہ یہ سب کے سب جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کی طرح ہی فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حدود ہیں اور سب کی اہمیت اپنے اپنے مراتب و مقام پر ضروری ہے لیکن اِس کے باوجود اصل مالک جل جلالہ کی طرف سے مقصدِ خرید کے طور پر "فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ" کے الفاظ میں، اور سورۃ صف، کی آیت نمبر 11 میں "وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ" کے الفاظ میں حکم جہاد کو خاص طور پر یاد کرنا، جملہ احکام اسلامیہ میں اِس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، گویا تنہا اِسی کے ذکر میں باقی تمام احکام کا ضمناً ذکر آ جاتا ہے کیوں کہ یہ خاص الخاص ہے جبکہ اِس کے مقابلہ میں باقی جملہ احکام اسلام اپنی تمام تر اہمیتوں کے باوصف عام ہیں اور اپنے تحفظ و بقاء میں اِس کے محتاج ہیں، جیسا کہ مرفوع حدیث (وذِرْوَۃُ سَنَامِهَا الْجِهَاد) یعنی جملہ احکام اسلام کے کوہان "تحفظ کی چوٹی"، حکم جہاد پر عمل کرنا ہے، سے معلوم ہو رہا ہے۔ جس وجہ سے اِسی ایک کے ذکر کرنے میں باقی تمام اوامر و نواہی کا خود بخود ذکر

۱۔ البقرۃ:62۔

آجاتا ہے۔اِس لیے کہ ہر خاص کے صراحتاً ذکر کرنے میں اُس کے متعلقہ جملہ عمومات کا ضمناً ذکر ہونا عین تقاضاءِ فطرت ہے، جیسے انسان کو کسی بھی حوالہ سے یاد کرنے میں حیوان، جسم نامی ،جسم مطلق اور جوہر اپنے آپ مذکور ہوجاتے ہیں، فرق صرف صراحت اور ضمنی کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسانوں کی ملکیت میں فرق

سورۃ توبہ کی اِس آیت کریمہ سے استدلال قائم کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ انسانوں کی جان و مال پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور خود انسانوں کی ملکیت کا بنیادی فرق بھی واضح کروں کیوں کہ اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وحدہ لاشریک کو مومنوں کی جان و مال کا خریدار بتا کر سب کو باور کرایا کہ مومنوں نے انہیں اللہ پر فروخت کر کے اپنی ملکیت زائل کر دی ہے جبکہ خریدنے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اِن کا مالک ہوا ہے، ویسے بھی ''لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ '' جیسی آیات و نصوص اور دلالت عقل کی روشنی میں کل اہل اسلام کو ہر شی پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا عقیدہ ہے، نہ صرف مسلمان بلکہ اِس عقیدہ میں مومنوں کے ساتھ غیر مسلم و مشرکین بھی شریک ہیں جبکہ دوسری طرف ہر انسان کا اپنی جائیداد اور مال و متاع کے مالک ہونے کا مسئلہ بھی اٹل حقیقت ہے۔جس کی بنیاد پر پوری دنیا کا کاروباری عمل جاری ہے جس میں مومن و غیر مومن اور اہل اسلام و غیر اہل اسلام کی کوئی تمیز نہیں ہے۔کوئی بھی ذی ہوش شخص کسی مومن مسلمان کو یہ کہہ کر اُس کی جائیداد اور مال و متاع سے محروم کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ تو نے اِسے اللہ کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی ملکیت زائل کی ہوئی ہے اور آخرت میں حصول جنت، دُنیا میں جہاد کی شکل میں اللہ تعالیٰ سے اِس کی قیمت وصول کرنے کے علاوہ اِس فروخت شدہ مال و متاع میں تیرا حق اُس ذرہ سے زیادہ نہیں ہے جتنا انفرادی طور پر دوسرے انسانوں بلکہ جملہ خلائق کا بنتا ہے کیوں کہ جو چیز انسانوں کی ملکیت سے منقطع ہو کر خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے اُس میں جملہ خلائق کو دخل ہوتا ہے، سب کا حق یکساں ہوتا ہے اور سب اُس میں شریک ہوتے ہیں جس کی مثالیں غیر

مملوکہ زمینوں، جنگلوں، بیابانوں، جانوروں، چرندوں، پرندوں سے لے کر حشرات الارض تک، کی شکل میں سب کو معلوم ہیں۔

چوراہے کے اِس حیران کن موڑ پر کھڑے ہر انسان کو، بالخصوص صاحب بصیرت مسلمان کو اِس آیت کریمہ کی روشنی میں اِن دونوں متضاد حقیقتوں کے مابین بنیادی فرق کو سمجھنے کی ضرورت نہ صرف محسوس بلکہ شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنون کی جان و مال کو خریدنے کا جو ذکر آیا ہے یہ محض تشبیہ کے لیے ہے۔ جس کی تفصیل ابھی چند سطور قبل اس آیت کریمہ کی بلاغی تفسیر کی شکل میں ہم کر چکے ہیں ورنہ رب کریم جل جلالہ خرید و فروخت جیسے انسانی کردار سے پاک ہے، قدوس و سبحان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جملہ افعال انسانی عقل وحواس کے احاطۂ ادراک سے ماوراء ہیں۔ اُس کی مالکیت یعنی کسی چیز کا مالک ہونا انسان کے انداز مالکیت کی طرح محنت کی کمائی، خرید، ھبہ، صدقہ، عطیہ اور میراث جیسے اسباب کا محتاج نہیں ہے بلکہ اُس کی ذات وحدہ لاشریک بے مثل ہونے کی طرح ہی اُس کی صفت مالکیت بھی بے مثل ہے۔ ایسے میں اِس تصور کی کوئی حقیقت نہیں رہتی کہ اہل ایمان کی جان و مال کو خریدنے سے انسانوں کے مابین خرید و فروخت کے نتائج کی طرح اہل ایمان کا اپنی جان و مال سے مِلک زائل ہو کر اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو بلکہ آیت کریمہ میں اِس تشبیہ کے محاوراتی استعمال سے اصل مقصد اہل ایمان کو اُن کی جان و مال سے متعلق شرعی ذمہ داریوں کی تعلیم دینا ہے جس کے لیے اُن کی فہم کے مطابق الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ تو اہل فہم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک انسانوں کو اُن کے عقل وحواس کے ذریعہ نہیں ہو سکتا اسی طرح مالکیت کی حقیقت تک بھی اُن کی رسائی ناممکن ہے جس وجہ سے اُن کے تحت الشعور، معروف و معتاد طریقۂ ملکیت کے مطابق تشبیہ کے اِس محاوراتی استعمال میں اُنہیں سمجھایا گیا ہے کہ تمہاری جانوں اور مالوں پر اللہ تعالیٰ کی مالکیت کو ایسے سمجھو، جیسے کسی چیز کو خریدنے سے خریدار کی اُس پر ملکیت ثابت ہوتی ہے اور خرید کے ذریعہ اُس کے مالک ہو جانے کے بعد اپنی شان استغناء اور بیچنے والے کی محتاجی کے تناظر میں اُسے اُسی

کے پاس چھوڑ کر اپنے منشاء کے مطابق اُس پر تصرف کرنے کا اُسے اختیار دے دیتا ہے، گویا انسانوں کی جان و مال پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت علی الاطلاق ہے، کامل ہے، ماوراء الاسباب ہے اور اُس پر انسانوں کو حاصل ہونے والا علم اجلیٰ بدیہیات کے قبیلہ سے ہے جس وجہ سے اُس کے حصول میں مؤحد و مشرک اور مسلم و غیر مسلم کا تصور بھی یکساں ہے لیکن اس کے باوجود بسا اوقات انتہائی خوشی کے مواقع میں بصارت پر خوشی کے آنسوؤں کا پردہ لاحق ہونے کی طرح اللہ تعالیٰ کی مالکیت کے کمال وضوح، اعلیٰ و اَجلاء بداہت کے بے مثل تجلیات اور بلا کیف و بے نظیر انوار سے جملہ کائنات کا جگمگانا، اِس کی تہہ تک پہنچنے سے مانع ہوتا ہے۔ اِس کی مثال عالم محسوسات میں یوں سمجھئے جیسے سورج کے عین ٹکیہ پر نظر جما کر اُس کے حدود اربعہ و کیفیت کا احاطہ کرنا، ناممکن ہے کیوں کہ اُس کے کمال وضوح و جگمگاہٹ اور اعلیٰ بداہت و عیاں، اُس کے احاطہ کی راہ میں مانع و پردہ اور باعث خفا بن چکا ہے۔ بشمول جملہ خلائق انسانوں کی جان و مال پر اللہ تعالیٰ کی مالکیت کا بھی یہی حال ہے کہ انسانوں کے اندر موجود اسباب معرفت (عقل و حواس) چونکہ ہر طرف سے ہر حال میں اور ہر لحظہ رب الناس جل جلالہ کے انوار و تجلیات کے گھیرے میں ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

''حجابُه النور''

یعنی اللہ تعالیٰ کا انسانوں کی عقل و حواس اور فہم و ادراک کے احاطہ میں آنے سے اُس کے انوار و تجلیات کا پردہ مانع ہے۔

لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ کیفیت مالکیت انسانوں کی عقل و حواس سے ماوراء اور نامعلوم ہونے سے نفس مالکیت کا علم بھی لاحاصل ہو۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اللہ جل مجدہ الکریم کا بشمول جملہ کائنات انسانوں کی جان و مال کے مالک ہونے کا علم سب کو بداہۃً حاصل ہے اور سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سب پر مالکیت اُس کی شان کے لائق ہے، ازلی و ابدی ہے، قدیم ہے، جس کی ابتدا و انتہا نہیں ہے، انسانوں کی ملکیت کی طرح اسباب عادیہ کے تحت نہیں ہے بلکہ مافوق الاسباب اور ماوریٰ العادات ہے جبکہ انسان اپنی جان کا اور سر سے لے کر پاؤں تک

اپنے جسم کے کسی بھی حصہ کا خود مالک نہیں ہے بلکہ اصل مالک جل جلالہ کی طرف سے مقررہ ہدایات کے مطابق اُسے استعمال کرنے پر بمنزلہ وکیل ومختار کے ہے۔ اِس مسئلہ میں اہل ایمان اور غیر اہل ایمان، مؤحد ومشرک کی کوئی تمیز نہیں ہے بلکہ اپنی جان و مال پر تصرف کرنے میں اصل مالک جل جلالہ کی طرف سے بمنزلۂ وکیل ومختار ہوکر اُس کے منشاء کے مطابق اُنہیں تصرف میں لانے کا حکم سب پر یکساں لاگو ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ''(۱)

نیز فرمایا: ''وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ''(۲)

نیز فرمایا: ''قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَ خَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ''(۳)

اِس کے باوجود سورۃ توبہ کی اِس آیت کریمہ میں اہل ایمان کی جان و مال پر اپنی ملکیت کو خاص طور پر ذکر کرنے سے مقصد بھی اُنہیں تعلیم دینا ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے اور ایمان کے دعویدار ہونے والوں پر اپنے اِس دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لیے اپنی جان و مال کو اُس طریقے سے استعمال کرنا ضروری ہے جس طرح اُن کے اصل مالک جل جلالہ نے بتایا ہے ورنہ غیر مسلم نفس پرستوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اِس امانت کو اُس کی مرضی کے خلاف استعمال کرکے پرائے مِلک میں ناجائز تصرف کرنے والے خیانت گر قرار پائیں گے۔ اللہ جل جلالہ صرف رب المومنین ہی نہیں ہے بلکہ رب الناس ہے جس کا تقاضا ہے کہ سب کی رہنمائی فرمائے اور سب کو اپنی ذات کے ساتھ ارتباط پیدا کرنے، اپنی ملکیت میں تصرف کرنے اور اپنے منشاء کے مطابق جان و مال کو استعمال میں لانے کی تعلیم دے۔ اِسی بنیاد پر قرآن شریف کی تعلیمات دو قسم پر ہیں:

۱۔ فاطر:15۔

۲۔ الحدید:7۔

۳۔ الانعام:46۔

پہلی قسم:۔ وہ تعلیمات الٰہیہ ہیں جن کا تعلق خصوصیت عقیدہ وعمل سے قطع نظر عام انسانوں کی رہنمائی کے ساتھ ہے۔ جیسے فرمایا:

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ ''(۱)

دوسری جگہ فرمایا: ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ''(۲)

دوسری قسم:۔ وہ تعلیمات ہیں جو کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کرنے والے اہل ایمان کی اسلامی تربیت سے متعلق ہیں جس میں اُنہیں خالص اسلامی آداب، مقتضیاتِ ایمان، تحفظ وتوسیع اسلام اور اسلامی اقدار کی پاسبانی جیسے خصوصی احکام کی تعلیم دے کر اسلام کے پیغام عدل وامن اور صراط مستقیم کے تقاضوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کی ہدایات دی جاتی ہیں۔ جیسے فرمایا:

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ ''(۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ اہل ایمان کو جملہ مضرات سے بچنے کے راستوں کی تعلیم دیئے بغیر چھوڑے۔

نیز فرمایا: ''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ''(۴)

سورۃ توبہ کی اِس آیت کریمہ کا تعلق بھی خالص اہل اسلام کی تعلیم کی بابت ہے جس میں اُنہیں سمجھایا گیا ہے کہ جب تمہاری جان ومال کا مالک علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اُسی سے ابتدا اور اُسی پر انتہا ہے، اُس کے بغیر نہ کسی کی جان کا وجود ہے نہ مال کا، وہی ہے جس کی ملکیت تمہاری جان ومال پر ہمہ جہت کامل ہے، غیر متناہی اور لافانی ہے۔ تم سب اُس کی طرف سے بمنزلہ

۱۔ البقرۃ:21۔

۲۔ الاعراف:158۔

۳۔ التوبہ:115۔

٤۔ الحجرات:7۔

وکیل ومختار کے ہو،اُس کی منشاء کے مطابق اِن میں تصرف کر کے اور اپنی من پسند کواُس کی رضا پر قربان کر کے مر کے بھی زندہ وکامیاب ہو جاؤ گے اور اُس کی منشاء کے خلاف تصرف کر کے جیتے جاگتے ہوئے بھی بمنزلہ اموات ہو جاؤ گے،انجام کار بے مراد ونا کام ہو جاؤ گے۔جیسے ارشاد فرمایا:

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ''(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے جان دینے والوں کومردہ مت کہو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:''وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا''(۲)

یعنی اللہ کی رضامندی کے مطابق زندگی گزار کر ظالموں کے ہاتھوں مارے جانے والے خوش نصیبوں کومردہ گمان مت کرو۔

نیز ارشاد فرمایا:''قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ ومَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''(۳)

قرآن شریف کی اِن ہی تعلیمات کے مطابق کسی بھی جائز مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے موجب ایسا کوئی بھی اقدام کرنا جس میں جان ومال کی ہلاکت کا یقین ہو،متاعِ حیات کی بقاء ناممکن ہو،چاہے کسی ظالم وجابر کے سامنے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی شکل میں ہو،جیسے بنواُمیہ وبنوعباسیہ کے تاریک شخصی دورِاقتدار میں سینکڑوں فدائیانِ اسلام ومحافظین بیضۃ الاسلام فداکاروں نے کیا ہے یا مجاہدین تحریک آزادیٔ فلسطین کی طرف سے صہیونیوں کے خلاف فدائی حملوں کی صورت میں ہو،بہرحال اصل مالک جل جلالہ کی اِس امانت کواُس کی منشاء کے مطابق استعمال کرنے کی سعادت سے خالی نہیں ہے،حق شناسی سے تجاوز نہیں ہے اور مالک وخالق جل جلالہ کی ہدایات کے مطابق طرزِ زندگی اختیار کر کے موت وحیات کو یکساں حیات جاوداں بنانے کے سوااور کچھ نہیں ہے جس کے عظیم انجام وقابلِ رشک رُتبہ ومقام کو پانے کے لیے اہل ایمان کو ترغیب دیتے

۱۔ البقرۃ:154۔

۲۔ آلِ عمران:169۔

۳۔ الانعام:162۔

ہوئے رب کریم جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

"وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ"(۱)

یعنی اگر کوئی کسی عظیم رُتبے کو پانے کی رغبت کرتا ہے تو اِس سے بڑا رُتبہ مخلوق کے لیے کوئی اور نہیں ہے لہٰذا اِسی کو پانے کی رغبت کرے۔

عملی مومن کو منہ بولے مومن سے اور حقیقی مسلمان کو منافق و غیر مسلم سے ممتاز کرنے کے لیے اصل کسوٹی بھی یہی ہے کہ حقیقی مسلمان اپنی جان و مال کو اُس کے اصل مالک جل جلالہ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرتا ہے جبکہ منافق و غیر مسلم اُنہیں اپنی من پسند اور خواہشات نفس کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ صحیح مسلمان اِن کے حوالہ سے خود کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانتدار اور وکیل و مختار تصور کر کے اُس کی رضا کے موجب صَرف کرتا ہے جبکہ نفس امارہ کے یہ اسیر اصل مالک جل جلالہ کو بھول کر اُس کی ملکیت میں بیجا تصرف کرتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ"(۲)

یعنی منہ بولے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُنہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا بیشک منہ بولے مسلمان ہی نافرمان ہیں۔

انسانوں کی جانوں پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت علی الاطلاق اور خود انسانوں کا اپنی جانوں کے مالک نہ ہونا بلکہ اصل مالک جل جلالہ کی طرف سے بمنزلۃ وکیل و مختار ہونے کے اِس بیان کے بعد انسانوں کے مقبوضہ و مملوکہ مال و متاع، جائیداد، و ذرائع معاش پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسانوں کی ملکیت کے مابین فرق کو واضح کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

وہ یہ ہے کہ انسان خرید، ھبہ، صدقہ، میراث اور محنت و کمائی جیسے کسی بھی سبب کے تحت جب کسی چیز پر قبضہ کر لیتا ہے یا ماحول و معاشرہ اور ملکی قانون کے مطابق اُس کا مالک بن جاتا ہے تو

۱۔ المطففین:26۔

۲۔ التوبۃ:67۔

ازروئے شریعت بھی اُسے اُس کا مالک سمجھا جاتا ہے لیکن انسان کی یہ ملکیت مذکورہ اسباب کے تابع ہے جن کے بغیر انسان اُس کا مالک بن سکتا ہے نہ وہ چیز اس کی مِلک ہوسکتی ہے۔

نیز انسان کی یہ ملکیت اُس کی زندگی تک محدود ہے۔ نیز یہ کہ شریعت مقدسہ کی نگاہ میں انسان اُس پر علی الاطلاق تصرف کرنے اور جائز و ناجائز ہر جگہ اُسے استعمال کرنے کا مُجاز نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف جائز راہوں میں صرف کرنے پر پابند ہے۔ اِس کے باوجود اِس پر انسان کی ملکیت حقیقت ہے یعنی انسان حقیقتاً اُس کا مالک ہے جس وجہ سے اِس کی بابت اُس کے جملہ تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور کسی اور کو اِس کی اجازت کے بغیر اس میں دخل انداز ہونے کی شرعاً، عقلاً و عرفاً کسی طرح بھی اجازت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی ملکیت بھی اِن پر حقیقت ہے یعنی اللہ تعالیٰ بھی انسان کے جملہ اموال کا حقیقتاً مالک ہے گویا بیک وقت انسان کے مملوکہ مال و متاع کے ساتھ حقیقتاً دو ملکیتیں وابستہ ہوتی ہیں کہ جس وقت انسان اُس کا حقیقتاً مالک ہے عین اُس وقت اللہ جل جلالہ بھی اُس کا حقیقی مالک ہے لیکن ہر دو طرف سے حقیقی ملکیت ہونے کے باوجود جہت ملکیت مختلف ہے جس وجہ سے تقابل تضاد بھی نہیں ہے اِسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت اسباب عادیہ سے ماوراء ہے، علی الاطلاق ہے اور اُس کی شان اقدس کے لائق ہمہ جہت کامل، ولامحدود اور لامتناہی ہے جبکہ انسان کی ملکیت ایسی نہیں ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اِس مقام پر قارئین کے ذہنوں میں یہ خلجان پیدا ہوسکتا ہے کہ جب انسان کا اپنی جان کے مالک نہ ہونے اور اپنے جملہ اموال کے مالک ہونے کی یہ صفت (مابہ الامتیاز) موجود ہے تو ایسے میں جملہ کائنات کے مالک علی الاطلاق جَلَّ جَلالُہٗ کا اس آیت کریمہ میں مومنوں کی جان و مال دونوں کی ملکیت اُن سے لیکر اُنہیں اِن دونوں کے استعمال کرنے میں بمنزلہ وکیل ومختار قرار دینے کا کیا فلسفہ ہوسکتا ہے؟ جبکہ ملکیت کے حوالہ سے جان و مال کا یہ فرق ایک اٹل حقیقت ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ بشمول مومنوں کے اپنے اپنے اموال پر جملہ انسانوں کی ملکیت کا ثبوت اگرچہ نا قابل انکار حقیقت ہے جس پر دنیا بھر کا کاروباری نظام حیات استوار ہے لیکن یہ ملکیت چونکہ اللہ تعالیٰ کی اِن پر ملکیت کے مقابلہ میں ناقص ہے، محدود ہے اور متغیر، زائل و فانی ہے اور کسی چیز پر انسان کی ملکیت ثابت ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اسباب کے تابع و مقید ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت علی الاطلاق، ازلی، ابدی، ماوراء الاسباب و لا محدود کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ جس وجہ سے اس آیت کریمہ میں اُس کی نفی کرنا عدم مطلق نہیں ہے یعنی اپنے مال و متاع پر اہل ایمان کی ملکیت کی مطلق نفی کرنا مقصود نہیں تا کہ دُنیا کے معروضی حالات کے منافی ہو کر باعث خلجان ہو ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہاں پر اللہ کی ملکیت کے مقابلہ میں اہل ایمان کی ملکیتِ اموال کی نفی کی گئی ہے۔

اِس کی ایسی مثال ہے جیسے سورۃ مائدہ، آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جملہ انبیاء (عَلَیْہِمُ السَّلَام) سے اُن کے اُمتیوں کے ردِعمل سے متعلق پوچھنے کے جواب میں وہ اپنے علم کی نفی کرتے ہوئے ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کہیں گے حالانکہ قوموں کی طرف سے ''لا نُسَلِّمُ'' کا جواب ملنے کا اُنہیں علم ہے اِس کے باوجود اپنی طرف سے لاعلمی کا اظہار کرنا محض اِس بنیاد پر درست ہے کہ قوموں کی طرف سے ملنے والے جواب سے متعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم علی الاطلاق، محیط و غیر متناہی اور لا محدود ہے جس کے مقابلہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا علم محدود، مقید اور نہ ہونے کے برابر ہے جس وجہ سے مقابلۃً اُس کی نفی کرنا جائز ہے۔

آیت کریمہ سے استدلال کا خلاصہ

سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت کریمہ سے فدائی حملوں کی بعض جائز صورتوں کا جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال اور شہادت کے اعلیٰ رُتبہ ہونے پر استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے مطابق جب اہل ایمان کی جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے جنتی زندگی کے عوض اُن سے خرید کر اپنے منشاء

کے مطابق کاموں میں موت وحیات کی پروا کیے بغیر صرف کرنے کے لیے اُن ہی کے اختیار میں دے کر اُنہیں بمنزلہ وکیل ومختار بنایا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی بجا آوری کی خاطر ہر وہ اقدام جس میں اپنی ہلاکت کا بھی یقین ہو "مانعۃ الخُلو" کے مندرجہ ذیل احکام سے خالی نہیں ہوگا کہ ایفاء عہد ہوگا یا امانتداری کا تقاضا "اِمَّا اَن یَکُونَ اِیْفَاءَ عھدِاللّٰہ وَاِمَّا اَن یَکُونَ اَدَاءَ اَمَانتِ اللّٰہ" ایفاء عہد کا مطلب یہ ہے کہ مومن مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھ کر "بِجَمِیْعِ مَاجَآءَ بِہِ النَّبِیّ ﷺ" کے ساتھ اظہار یقین کر رہا ہوتا ہے تو عین اُس وقت مقصد کلمہ کے طور پر اللہ کے جملہ احکام پر حسب استطاعت عمل کرنے کا بھی عہد کر رہا ہوتا ہے جس کے بعد اللہ کی رضامندی کے موجب جو عمل بھی کرتا ہے وہ ایفاء عہد کہلاتا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ انسان کی جان ومال سے متعلق اللہ کے احکام یکساں نہیں ہیں بلکہ بعض آسان اور بعض مشکل ہیں آسان کا مطلب یہ ہے کہ اُن پر ایفاء عہد وعمل کرنا آسان ہے اور مشکل کا مطلب یہ ہے کہ اُن پر ایفاء عہد وعمل کرنا مشکل ہے کہ نفس اَمّارہ اور خواہشات نفس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے پھر اس میں بھی تفاوت ہے کہ بعض میں ایفاء عہد کی خاطر نفس مطمئنہ کا مقابلہ نفس اَمّارہ وخواہشات کے ساتھ معمولی نوعیت کا ہوتا ہے بعض میں شدید قسم کا جس کا مظاہرہ ایفاء عہد کی اُن صورتوں میں ہوتا ہے جن میں جان ومال کی ہلاکت کا غالب گمان یا یقین ہو۔ قرآن وسُنت کی روشنی میں ایفاء عہد پر عظمت اجر، کمیت ثواب، تقرب اِلی اللہ، وجاہت عنداللہ اور حصول محبت اللہ کا دارومدار اس تقابل کی نوعیت پر ہے یعنی اپنی جان ومال کے اصل مالک جَلَّ جلالہٗ کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیان کی پاس داری وایفاء عہد کی خاطر جو شخص نفس اَمّارہ وخواہشات نفس کا جس قدر زیادہ مقابلہ کرے گا یا جس کی تقابلی کلفت جتنی شدید وزیادہ ہوگی اُسی تناسب سے عنداللہ اُس کی وجاہت وتقرب اور ثمرات بھی زیادہ ہونگے کیوں کہ تقاضاً فطرت ہے کہ:

"اَلْعَطَایَا عَلٰی مَتْنِ الْبَلَایَا" یعنی آزمائشوں کے مطابق ہی ثمرات ملا کرتے ہیں۔

جیسے مرفوع حدیث میں اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ "(۱)

فطرت کے اس منطقی تقاضاء اور سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت کریمہ کے اس مفہوم کے عین مطابق احکام الٰہی کی بجا آوری اور ایفاء عہد کی خاطر اہل ایمان کا ہر وہ اقدام وعمل جس میں اپنی متاع حیات کی ہلاکت کا اُنہیں یقین ہوتا ہے لیکن اُس کی پروا کیے بغیر محض ایفاء عہد کے فریضہ پر نظر رکھتے ہوئے جان کی قربانی دیتے ہیں۔ نفس اَمّارہ وخواہشات نفس کے شدید مقابلہ وآزمائش میں کامیابی، ایثار وقربانی اور فداکاری کی اعلیٰ مثال ہونے کی بنیاد پر جنتی زندگی کے اعلیٰ جزا وثواب کا استحقاق پاتے ہیں، عام اس سے کہ ایفاء عہد پر فداکاری کا یہ عمل ظالم کے چنگل میں ذِلت کی زندگی سے آزادی پانے کی خاطر ہو جیسے فلسطینی فداکاروں میں عرصہ دراز سے جاری ہے یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ پر عمل کرنے کے لیے ہو جیسے حق تبلیغ ادا کرنیوالے خوش قسمتوں میں روز اول سے ہوتا آیا ہے۔ اہلِ اسلام میں جذبہ جہاد بڑھانے کی غرض سے ہو یا ظالموں پر فتح حاصل کرنے کی نیت سے، مسلم سرحدات کے تحفظ کے لیے ہو یا ظالم دشمن کو اُس کے ناپاک جارحانہ عزائم میں شکست دینے کی غرض سے، اہل اسلام کے کسی ناگزیر وقتی مفاد کے حصول کی خاطر ہو یا مستقبل کے کسی ناگزیر اجتماعی مفاد کے لیے جیسے ستمبر 1965ء میں سیالکوٹ محاذ پر بھارت کی طرف سے پاکستان کے خلاف دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹینکوں کے سب سے بڑے حملہ کو ناکام کرنے کے لیے پاک آرمی کے جوانوں نے انجام دیا تھا۔ (فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء) جو میری معلومات کے مطابق پاکستان کی تاریخ میں خودکش فداکاری کی اولین مثال تھی۔

خود فدائی کی یہ تمام جائز صورتیں امراللہ، ایفاء عہد اور ماجاء بہ النبی ﷺ جیسے مفہومات کلیہ کے تحت مندرج انواع وافراد اور جزئیات ہونے کی بنا پر رضاء الٰہی کے موجب ومطلوبِ شرع ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں ایفاء عہد ہی کہا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:

" وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا "(۲) یعنی اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرو۔

۱۔ جامع الصغیر مع فیض القدیر، ص:518، مطبوعہ بیروت۔

۲۔ الانعام:152۔

فدا کاری کی جائز صورتوں کا امانتداری کے تقاضے ہونیکا مطلب

سورۃ توبہ کی اس آیت کریمہ کے مطابق جب اہل ایمان اپنی جان و مال پر تصرف کرنے میں اُن کے اصل مالک جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے اِس امانت پر مامور بمنزلہ وکیل ومختار ہیں اور کلمہ طیّبہ پڑھنے کی شکل میں روزانہ اِس امانت میں امانتداری برتنے کے عہد و پیمان کی تجدید کرتے رہتے ہیں۔تو اس کا فطری تقاضا و منطقی نتیجہ اِس کے سوا اور کیا ہوگا کہ اُنہیں اللہ کی رضامندی کے موجب کاموں میں استعمال کریں عام اس سے کہ اِس میں وہ محفوظ ہوں یا ہلاک، اُن کا فائدہ ہو یا نقصان، ایسے میں فلسطین پر ناجائز قبضہ جما کر قلبِ عرب کو مسلم اُمت کے سیاسی مستقبل کیخلاف سرگرمیوں کے لیے مرکز بنانے والے ظالم صہیونیوں کے پنجۂ استبداد سے خلاصی پانے، مسلم اُمت کو اس یرغمال سے نکالنے اور اسلام کے سیاسی مستقبل کو اِن خطرات سے بچانے کی خاطر یا اس طرح کے کسی اور جائز و شرعی مقصد کے پیش نظر اُن ظالموں پر فدا کارانہ حملہ کر کے اپنی متاع حیات کو اُس کے اصل مالک جَلَّ جَلَالُہٗ کے سپرد کرنا امانتداری کے تقاضوں کو پورے کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

الغرض حسب ضرورت اللہ کی اِس امانت کو اُس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اور اُس کی رضامندی کے موجب مقاصد کے حصول کی خاطر اس طرح سے کھپانا اور ہلاک کرنا کہ جس میں فدا کار کی نیت و ارادہ میں فقط اسی مقصد کا حصول پیش نظر ہو اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ غیر ارادی طور پر ملتفت الیہ ثانیاً و بالعرض کے درجہ میں اپنی متاع حیات سے ہاتھ دھو بیٹھنا اور زندہ نہ بچنے کا بھی غالب گمان یا یقین ہوتا ہے اس کی جملہ صورتیں امانتداری کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اعلیٰ مثال ہونے کی بناء پر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے گئے وعدہ جنت کے استحقاق قرار پاتی ہیں، جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال، شہادت فی سبیل اللہ کے فرد کامل و مقام اعلیٰ کہلاتی ہیں اور ادائے امانت سے متعلق احکام اللہ پر عمل کہلاتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا"(۱)
یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اَمانتوں کو اُن کے اصل مالکوں کے سپرد کرنے کا حکم دیتا ہے۔

نیز فرمایا: "لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِکُمْ"(۲)
یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی امانتوں اور اپنے آپس کی امانتوں میں خیانت مت کرو یعنی ایسا نہ ہو کہ اصل مالک کو سپرد کرنے کا جب وقت آ جائے تو سپردگی کرنے سے ہچکچاؤ گے، پیچھے ہٹو گے یا نفس امارہ وخواہشات نفس کی طرف مائل ہو کر اصل مالک کے حق کو بھول جاؤ گے۔

سورۃ بقرہ، آیت 207، سورۃ توبہ آیت نمبر 111 کے ان دلائل کے علاوہ قرآن شریف کے دیگر متعدد مقامات سے بھی فدائی حملوں کی جوازی صورتوں پر استدلال کیا جا سکتا ہے ۔من جملہ اُن میں سے سورۃ احزاب کی آخری آیتیں بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَات "(۳) میں مذکورہ امانت سے مراد تفسیر ابن جریر، روح المعانی اور تفسیر المیز ان کی نقل کردہ تفاسیر از ابن عباس، ابن زید اور قتادہ کے مطابق اللہ کے مملوک ومخلوق ہونے کی حیثیت سے اپنے اوپر عائد فرائض کو اختیاری طور پر ادا کرنا ہے۔

امانتِ الٰھی کی تشریح:۔ اِس اجمال کی تفصیل کو سمجھنے کے لیے فلسفہ اسلامی کے مندرجہ ذیل مسائل کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

اوّل:۔ بشمول انسان جملہ کائنات بمنزلہ کرایہ کے مکان ہیں جس کا اصل مالک صرف اور صرف ایک غیبی طاقت ہے جو (اللہ وحدہٗ لاشریک ہے) جس نے اس کے جملہ اجزاء وتنصیبات سے اپنے منشاء اور اُن کے فطری تقاضوں کے مطابق تعمیری استفادہ کرنے کی کھلی اجازت دی ہوئی

۱۔ النسآء،58۔

۲۔ الانفال:27۔

۳۔ الاحزاب،72۔

ہے اور تخریبی حرکات وغیر فطری استفادہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔

دوم:۔ بشمول انسان کرایہ کے اس مکان کا کوئی جز و یعنی تنصیبات عالم کا کوئی حصہ، کوئی فرد یا کوئی بھی پرزہ بے کار و بے مقصد نہیں ہے۔

سوم:۔ کارہائے جہاں اور اس عظیم کارخانہ قدرت کے جملہ پرزوں سے وابستہ مقاصد کی برآوری وحصول یکساں نہیں ہے بلکہ حیوان ناطق ومتفکر یعنی نوع انسان کے ماسوا حیوانات کے لاکھوں انواع واقسام، اجسام نامیہ (اشجار ونباتات) کے کروڑوں اقسام اصناف، اجسام مطلقہ، اجرام ارضیہ وسماویہ اور جمادات کے اربوں اقسام واصناف اور نفس جوہر کے ماتحت کھربوں کے انواع واقسام کے جملہ افراد و جزئیات سے وابستہ مقاصد کے حصول میں اُن کے اپنے ارادہ واختیار کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے، مثال کے طور پر بار برداری کے جانوروں کا انسان کے کام میں آنا، پھل دار درخت کا اپنے موسم میں پھل دینا، پانی کا زمین کو سراب کرنا یا انسانوں اور جانوروں کی پیاس کو بجھانا، زمین کا قابل کاشت ہو کر اپنی پیداوار سے خلق خدا کو متعلقہ ضروریات مہیا کرنا، ہوا کا اپنے مدار پر مصروف کار رہنا علیٰ ہٰذا القیاس حرکت کائنات کے اس لامحدود سلسلہ کار میں کسی ایک کے ارادہ واختیار کو بھی اِن مقاصد کو وجود بخشنے میں دخل نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ان مقاصد کی بجا آوری کرنے یا نہ کرنے کے دونوں پہلوؤں کا اُنہیں اختیار ہو کہ وہ اگر چاہیں تو اپنے اختیار وارادہ کے ساتھ اِن پر عمل کریں اور اگر چاہیں تو اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ ترک عمل کریں یا اِن کے برعکس کوئی حرکت کریں لیکن انسان کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ انسان اپنے اصل مالک وخالق وحدہٗ لاشریک کی طرف سے اپنے اوپر عائد فرائض اور اپنے جملہ اعضاء اور قوت فکری وعملی سے متعلقہ جملہ اجزاء بدن کے حوالہ سے مطلوبہ مقاصد واوامر کی بجا آوری کرنے یا نہ کرنے میں مختار کل ہے کہ اگر چاہے اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ اِن کی بجا آوری کرے جس پر اُس کے اپنے مستقبل بہتر ہونے کے ساتھ اصل مالک جل جلالہ کی بھی رضامندی ہے اور اگر چاہے تو اپنے ارادہ واختیار کے تحت اُنہیں

ترک کریں یا اُن کے برعکس عمل کریں جس میں اُس کے اپنے مستقبل کا نقصان ہونے کے ساتھ اصل مالک وحدہٗ لاشریک کی بھی ناراضگی ہے۔

چہارم:۔ خالق کائنات جل جلالہٗ کو جملہ کائنات سے متعلق علم ہمارے علم کی طرح نہیں ہے جو کسی معلوم کی صورت ذہن میں حاصل ہونے سے ہوتا ہے بلکہ جملہ کائنات کا اللہ کے مملوک ومخلوق اور معلول ہونے کی بناء پر اِن سے متعلق اُس کو علم حضوری ہے اور بشمول انسان جملہ کائنات سے متعلق اُس کا یہ علم حضوری، ازلی وابدی اور ناقابل تبدیل ہے یعنی جس طرح خلائق کے ظہور و پیدائش کے بعد اُن سب پر محیط ہے اِسی طرح اُن کے ظہور و پیدائش سے قبل مرتبہ ازل میں بھی سب کو محیط تھا۔ پیدائش وظہور سے پہلے ایک ایک کے تمام حالات وصلاحیتوں کو بالحضور جانتا تھا اور اپنے اِسی علم حضوری، ازلی وابدی کے مطابق جس میں جو دیکھا اُسی کے مطابق اُس کی تقدیر بنائی، ہر چیز کی فطری تقاضوں کے مطابق اُن کی ذمہ داریاں لگائی اور ہر ایک کی تخلیق میں جو مقاصد وحکمتیں کارفرما تھیں یا عالم ظہور میں آنے کے بعد جس سے جو کچھ بھی جس انداز سے بھی طبعی طور پر ہونا تھا اُن کی طرف اُن سب کے طبعی میلان ورہنمائی کے ساتھ اُنہیں پیدا فرمایا یا پیدا فرما رہا ہے۔ نیز علم ہمیشہ معلوم کا تابع ہوتا ہے جس کی رو سے مرتبہ ازل میں اِن مملوکات ومعلومات میں سے جس کے اندر جو صلاحیت دیکھی اُسی کے مطابق اُن پر فرائض عائد کیے۔

یہ چاروں تمہیداتی مسائل بطور فلسفۂ اسلامی بالترتیب اللہ کے فرامین:

"لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ"(۱)، "وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ"(۲)، "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"(۳)،

۱۔ البقرۃ:284۔

۲۔ الرعد:15۔

۳۔ الکھف:29۔

''وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدٰی''(۱) یا ان کے ہم معنی وہم مضمون درجنوں آیات میں موجود ہیں۔ فلسفہ اسلامی کے ان مسلمات کو سمجھنے کے بعد سورۃ احزاب کی مذکورہ آیات کو، اُن میں مذکور امانت الٰہی کو، اصل خالق و مالک جل جلالہٗ کی طرف سے اِس امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کرنے کے مطلب کو، اُن کی طرف سے وجہ انکار، انسان کی طرف سے اِس بار امانت کو اُٹھانے کے فلسفہ کو اور اِس سے فدائی حملوں کی جائز صورتوں کے افضل الجہاد و اعلیٰ شہادت ہونے پر استدلال کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کیوں کہ مرتبہ ازل میں جملہ کائنات کے خالق و مالک جل جلالہٗ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر اُن کے ذمہ متعلقہ کاموں کو عرض علمی کے طور پر پیش کر کے اپنے علم حضوری ازلی کے مطابق دیکھا کہ اُن میں اِن فرائض کو اختیاری طور پر نبھا کر اپنے مستقبل کی ترقی اور اصل مالک وخالق کی طرف سے انعامات پا کر ابدالآباد تک کی غیر متناہی نعمتوں کے مستحق ہونے کی صلاحیت نہیں تھی۔ نیز اُن میں اِن فرائض کو اپنے ارادہ واختیار سے ترک کر کے یا اُن کے برعکس کاموں کے ارتکاب کر کے مستقبل کے نقصان اور لامحدود عذاب وآلام کے مستحق ہونے کی صلاحیت بھی نہیں تھی جو ظلم وجہل پر مبنی ہوتی۔ نیز وہ فطری ادراک وشعور جو انسان کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ وقوی ہے کی بدولت فرائض کی ادائیگی میں مختار کل ہونے کے وزن، انجام اور خطرات کو سمجھ رہے تھے اور اُن کی فطرت میں اختیار داری کی یہ حقیقت موجود نہ ہونے کے باوجود اپنے اندر فطری طور پر موجود تیز وقوی قوت شعور وادراک کی بدولت اختیار داروں کے ہاتھوں اس کے منفی استعمال کے مہلک اثرات ونتائج کا احساس کر کے خوف کھا رہے تھے جبکہ اُسی مرتبہ ازل میں انسان کے اندر اپنی تخلیق سے وابستہ ذمہ داریوں اور فرائض کو اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ بجالا کر اپنے مستقبل کی ترقی اور اصل مالک وخالق کی طرف سے غیر متناہی انعامات کے مستحق ہونے کی صلاحیت کے ساتھ اپنے ارادہ واختیار سے اُنہیں ترک کر کے یا اُن کے برعکس حرکات کے مرتکب ہو کر اپنے مستقبل کو خراب کرنے کے ساتھ اصل مالک کی ناراضگی کے نتیجہ میں ابدالآباد کی سزاؤں کے مستحق ہونے کی

۱۔ الاعلیٰ:3۔

بھی صلاحیت موجود تھی یعنی جہل وظلم جس کے فطری تقاضا کی بدولت اللہ تعالیٰ کے علم حضوری ازلی کے مطابق انسان زبان حال سے اس بار امانت کو اُٹھانے کا اصل مالک وخالق جل جلالہٗ سے سوال کررہا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کیا۔ جیسے فرمایا:

''سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ''(۱)

یعنی مرتبہ ازل میں جملہ خلائق کے طبائع اپنے مالک وخالق سے جو مانگ رہے تھے اُنہیں اپنے علم حضوری ازلی کے مطابق سمجھ کر پورا کرنے میں سب کے لیے برابر ہے کہ کسی ایک کو بھی اُس کے مقتضاء طبع سے محروم نہیں کیا اور کسی پر اُس کے تقاضا طبع کے خلاف بھی فرائض عائد نہیں کیے اور کسی کے ذمہ اُس کی طبعی استطاعت سے بڑھ کر کوئی کام نہیں لگایا۔

اِن حالات میں آیت کریمہ میں مذکور امانت الٰہی کی تعبیر مفسرین کرام نے جن فرائض سے کی ہے یعنی اپنی ہستی سے متعلقہ فرائض وذمہ داریوں کو اختیاری طور پر انجام دینا یہ نوع انسان کا خاصہ عرفی ہے جو زمین وآسمان اور پہاڑوں میں یا اُن میں سے جنم پانے والے کسی اور مخلوق میں نہیں پایا جاتا۔ انسان کا یہی خاصہ جملہ خلائق سے اُسے ممتاز کرتا ہے یہی مدار مکلفیت ہے، یہی واحد نکتہ جزاء وسزا ہے جس میں امانتدار ہونے کی بدولت انسان رشک خلائق بن جاتا ہے اور اس جوہرِ اختیار کو مقصدِ تخلیق کے خلاف استعمال کر کے خیانت گر ہونے کے نتیجہ میں ''اَسۡفَلَ سَافِلِیۡنَ'' کا مستحق بن جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَالۡعَصۡرِ O اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ O اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

یعنی مجھے خلائق کے دورانیہ وجود وظرف حیات کی قسم ہے کہ مقصدِ تخلیق کو اختیاری طور پر خالق ومالک کے منشاء کے مطابق استعمال کرنے والے عملی مومنوں کے سوا باقی سب نقصان میں مبتلا ہیں۔

آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں یا ان سے جنم پانے والے دوسرے خلائق کے برعکس نوع

۱۔ فصلت:10۔

انسان میں پائے جانے والے اس جوہرِ اختیار کا مکلفیت اور جزاء و سزا کے دار و مدار ہونے کی بنیاد پر اِس کے بغیر کسی بھی ظرف وجود میں امانت الٰہی کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جیسے قبل ظہور الکائنات مرتبہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم حضوری ازلی کے مطابق عرضِ علمی کے طور پر اس امانت کو یعنی بشمول انسان جملہ کائنات کی تخلیق و پیدائش میں پوشیدہ مقاصد کو ارادی و اختیاری طور پر انجام دینے کو اِن سب پر اپنی شان کے لائق انداز علمی میں پیش کر کے انسان کے سوا باقی کسی ایک میں بھی یہ صلاحیت نہیں دیکھی کہ وہ اپنے اختیار سے اِن مقاصد کو انجام دینے کی صلاحیت رکھے جس وجہ سے اِس امانت کے ساتھ اُنہیں اس وجود علمی کے مرتبہ میں بھی مکلّف نہیں فرمایا جبکہ انسان میں یہ صلاحیت موجود تھی یعنی اپنی ہستی سے متعلق مقصد تخلیق کو اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ انجام دینے کے لیے جوہرِ اختیار اُس میں موجود تھا جس وجہ سے مرتبہ ازل کے عرضِ علمی کے وقت اس بار امانت کے ساتھ بھی مکلّف کیا گیا۔ کیوں کہ مدار مکلفیت یہی اختیار ہے تو جس میں پایا جائے گا وہ اصل مالک و خالق ﷻ کی طرف سے بھی مکلّف قرار دیا جائے گا جیسے انسان میں ہوا اور جس میں یہ نہیں پایا جائے گا وہ مکلّف بھی نہیں ٹھہرایا جائے گا جیسے زمین و آسمان اور پہاڑوں یا اُن کے متعلقات میں ہوا۔ یہی حال پیدائش کے بعد یا ظہور و تفصیل میں آنے کے بعد کا ہے کہ نوع انسان مرتبہ ازل کے عرضِ علمی کے وقت سے یعنی اُس وقت سے جبکہ وقت کا وجود بھی وہیں پر نہیں تھا۔ اِس امانت الٰہی کے ساتھ مکلّف چلا آ رہا ہے لیکن بعد الظہور فی العالم الظاہر اُس کے جن افراد میں مدار مکلفیت کا یہ جوہر نہیں پایا جاتا یعنی ذہنی توازن خراب ہونے یا عقل ماؤف ہونے کی وجہ سے کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے سے متعلق جوہر اختیار جب معدوم ہو جاتا ہے تو اصل مالک جل جلالہٗ کی طرف سے بھی اُسے کسی امانت کی ادائیگی کے لیے مکلّف نہیں کیا جاتا۔ اِسی طرح عمر کے کسی بھی حصہ میں کسی دماغی عارضہ کی وجہ سے اُس کے اندر سے اختیار کا یہ جوہر جب ختم ہو جاتا ہے تب بھی اس امانت الٰہی سے متعلقہ مکلفیت ساقط ہو جاتی ہے کیوں کہ مدارِ مکلفیت یہی ہے کہ جس میں بھی جس وقت بھی یہ موجود ہوگا تو وہ لازماً اس امانت الٰہی کی ادائیگی پر مکلّف قرار دیا جائے گا

اور جس میں یہ موجود نہیں ہوگا یا جب بھی ختم ہوگا تو اس امانت الٰہی کے کسی فرد یا کسی حصہ کے ساتھ بھی وہ مکلف نہیں ہوگا۔

کل مکاتب فکر اہل اسلام کے ذخیرہ مذہبیات میں موجود اور قرآن وحدیث کے صریح نصوص کے مدلول (اِن احکام ومسائل) کی روشنی میں سورۃ احزاب کی آخری آیتوں میں مذکور امانت الٰہی کے مفہوم ومصداق اور مظاہر وافراد بھی واضح ہوجاتے ہیں کہ اس امانت سے مراد کرایہ کے اس گھر یعنی عالم خلائق کے جملہ موجودات کا اپنی ہستی سے متعلقہ فرائض وذمہ داریوں کو اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ اصلی مالک وخالق جل جلالہ کے منشاء ورضا کے مطابق انجام دینا ہے اور امانت الٰہی کا یہ مفہوم ایک کلی ہے جو توحید سے لے کر تسبیح تک، تہذیب الاخلاق سے لے کر تدبیر منزل وسیاست مدنی تک اور حقوق اللہ سے لے کر حقوق العباد تک اُن جملہ فرائض وذمہ داریوں کو بالفعل شامل ہے جن کا وجود ظرف خارج میں متحقق ہے یعنی جن پر اپنی رضا واختیار کے ساتھ اہل ایمان عمل کررہے ہیں۔

امانت الٰہی کا یہ مفہوم ایک ایسا جنس ہے جس کے تحت تین انواع میں سے ظرف خارج کے اندر صرف ایک نوع موجود ہے جبکہ دو کا وجود خارج میں نہیں ہے۔ ان کے علاوہ امانت الٰہی کے اس مفہوم عام وکلی کا کوئی فرد اور مظہر فی الواقع موجود نہیں ہے کیوں کہ یہ ایسا جنس ہے جس کے ماتحت وجودِ کتابی، وجودِ کلامی یا وجودِ ذہنی کے اعتبار سے صرف تین انواع موجود ہیں جن میں سے نوع اول یعنی زمین وآسمان اور پہاڑ یا اُن سے جنم پانے والی کسی بھی چیز کا اپنی ہستی سے متعلقہ فرائض ومقاصد اور ذمہ داریوں کو اختیاری طور پر انجام دینے کا فی الواقع ظرف خارج میں کوئی وجود نہیں ہے کیوں کہ اُن میں اختیار کا فقدان ہے جو فصل مُقوِم بنتا تھا تو ظاہر ہے کہ جس نوع کے لیے فصل مُقوِم یعنی اُسے قِوام اور وجود خارجی بخشنے والا جزو ذاتی نہیں ہوگا تو فی الواقعہ اُس کا وجود و قِوام کہاں سے آئے گا۔ لہٰذا بات کو سمجھنا نہایت آسان ہے کہ امانتِ الٰہی کے اس مفہوم کلی کے ماتحت پہلی قسم یعنی زمین وآسمان اور پہاڑوں اور اُن سے جنم پانے والی کسی بھی چیز کا اپنی ذات و

ہستی سے متعلقہ اصل مالک کے مقاصد اور اُس کی طرف سے مقرر کردہ ذمہ داریوں کو اختیاری طور پر انجام دینے کا کوئی فرد و مظہر اور مصداق فی الواقع موجود نہیں ہے بلکہ وہ سب کے سب اصل مالک کی طرف سے عائد کردہ جملہ ذمہ داریوں کو غیر اختیاری طور پر انجام دے رہے ہیں، جبلی تقاضا سے پورا کر رہے ہیں، محض خلقی و فطری اور خود کار نظام قدرت کے تحت انجام دے رہے ہیں جس میں ثواب ہے نہ عذاب، مدحت ہے نہ مذمت اور جنت ہے نہ دوزخ۔ اِسی فلسفہ کی بنیاد پر اُن میں کوئی ایک فرد بھی یعنی زمین وآسمان اور پہاڑوں جیسے جملہ خلائق میں کوئی فرد، کوئی جز و اور کوئی شئی ایسی نہیں ہے جو مشرک و کافر یا منافق ہو یا عاصی و نافرمان ہو یا اپنے اصل مالک جل جلالہٗ کی منشاء کے خلاف کچھ کر سکے یا اُس کی معرفت و تسبیح سے غافل ہو بلکہ یہ سب کے سب اصل مالک کائنات جل جلالہٗ کی طرف سے مقررہ خود کار نظام قدرت کے مطابق فطری طور پر بغیر اختیار کے مقاصد فطرت کی تکمیل میں مصروف ہیں یہی اُن کی عبادت و تسبیح ہے۔ جیسے مالک کائنات جل مجدہ الکریم نے ارشاد فرمایا:

"وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ"(۱)

الغرض سورۃ احزاب کی اِن آخری آیتوں میں مذکور امانت الٰہی کے اِس مفہوم کلی کے تحت پہلی قسم کو وجود ذہنی، وجود کلامی اور وجود کتابی اگرچہ حاصل ہیں کہ ذہن میں آتا ہے کلام میں بولا جاتا ہے اور نقوش و کتابت میں لایا جاتا ہے لیکن باوجود این ہمہ وجودِ حقیقی اور وجودِ واقعی اِسے حاصل نہیں ہے کیوں کہ انسان کے ماسوا ان سب خلائق میں اختیار نہ ہونے کی وجہ سے اِس مفہوم کے مصداق و افراد کو فی الواقع قِوام اور وجود مل نہیں سکتا۔ اِس کی ایسی مثال ہے جیسے عمومی فلسفہ کے مطابق انسان کا وجود و قِوام بغیر وجود ناطق کے ناممکن ہے، حیوان کا وجود و قِوام حساس کے بغیر ناممکن ہے، اشجار و نباتات کا وجود و قوام نامی کے بغیر ناممکن ہے اور جسم مطلق کا وجود و قِوام اطلاق کے بغیر ناممکن و محال ہے۔ دوسری قسم یعنی امانت الٰہی کے اس مفہوم کلی کے تحت دوسرے نوع جو مشرک و کافر

۱۔ الاسراء:44۔

اور منافق انسانوں کا اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ اپنے متعلقہ فرائض و ذمہ داریوں کو انجام دینے کے مظاہر و مصداق کا بھی فی الواقع کوئی وجود نہیں ہے لیکن اس کے عدم وجود اور قسم اول کے عدم وجود میں فرق یہ ہے کہ اُس کے عدم وجود کا سبب عدم وجود اختیار تھا جبکہ یہاں پر ایسا نہیں ہے کیوں کہ یہاں پر اختیار تو موجود ہے لیکن اُس کا استعمال خلاف منشاء الٰہی ہو رہا ہے۔

گویا مشرک و کافر اور منافقوں کے ہاتھوں ظلم و جہل کی وجہ سے جوہرِ اختیار کو غلط صرف کیا جا رہا ہے، بے مصرف استعمال کیا جا رہا ہے اور اصل مالک جل جلالہٗ کے منشاء کے برعکس اُس کی امانت میں خیانت کی جا رہی ہے۔ انجام کار امانت کو ضائع کرنے کی خیانت کاری کا مرتکب ہو کر یہی ظلوم وجہول انسان قابل مذمت و مستحق عذاب قرار پا کر "لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ" (۱) کا منظر بن رہا ہے جو عین مقتضاء فطرت و عدل ہے۔

نوع ثالث یعنی صحیح معنی میں اہل ایمان کا اپنی ذات و ہستی سے متعلقہ اصل مالک و خالق جل جلالہٗ کو مطلوب فرائض و ذمہ داریوں کو اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ انجام دینے کے افراد و مظاہر کا وجود فی الحقیقت موجود ہے، ظرف خارج میں متحقق ہے چاہے فطری و اسلامی عقائد کی شکل میں ہو یا اسلامی احکام کی بجا آوری کی صورت میں، حقوق اللہ کی ادائیگی کے حوالہ سے ہو یا حقوق العباد کی بجا آوری کے انداز میں بہر حال اللہ کے فرمان "فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (۲) کے عین مطابق یہ سب کچھ اہل ایمان انسانوں کے اختیاری کردار کے نتائج ہیں۔ انجام کار جوہرِ اختیار کو اصل مالک و خالق جل جلالہٗ کے منشاء کے مطابق استعمال کر کے انسان اپنی ہستی سے متعلقہ ذمہ داریوں کو اختیاری طور پر انجام دے کر امانت دار قرار پایا جس کی بدولت "وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" (۳) کی شکل میں اصل

۱۔ الاحزاب:73۔

۲۔ البقرۃ:38۔

۳۔ الاحزاب:73۔

مالک ﷻ کے غیر متناہی انعامات کے مستحق ٹھہرے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ سورۃ احزاب کی مذکورہ آیات کی تفسیر سے متعلق میری اِس کاوش پر غور فرمائیں اور فلسفہ اسلامی کے جن حقائق کی روشنی میں ہم نے اِن دونوں آیتوں کی تفسیر پیش کی اِسے قرآنی حقائق، تقاضاء عقل اور اسلام کے مسلمہ احکام وتعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے جس کے لیے ضروری ہوگا کہ باریک فلسفہ اسلامی کے رموز پر مبنی میری اس کاوش کو سب سے پہلے اچھی طرح سمجھ کر پڑھا جائے ورنہ سرسری نظر کرنے والوں کو کچھ ہاتھ نہیں آسکتا۔

اِس آیت کریمہ میں مذکورہ امانت کی تفسیر میں جہاں تک میں نے قدیم وجدید تفاسیر وتاویلات صوفیاء کو چھانٹا تو اس کے تحت سولہ اقوال میرے سامنے آئے جن میں سے دو نا معقول و نا قابل توجہ تھے اور باقی چودہ کسی طرح قرین قیاس ہوسکتے تھے لیکن میں نے اُن میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور ابن زید سے منقولہ روایات کو پیش نظر رکھ کر جس انداز سے اِن مقدس آیات کی تفسیر پیش کی اس کے مطابق یہ نہ صرف اِن چودہ اقوال کو جامع ہوتی ہے بلکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، حضرت شاہ نعمت اللہ ولی اور حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی جیسے عظیم صوفیاء کرام سے اِس سلسلہ میں جو اشارات منقول ہیں اُنہیں بھی شامل ہو رہی ہے بشرطیکہ دیکھنے والے اور مطالعہ کرنے والے حضرات باریک نگاہ سے اِسے دیکھ لیں۔ ''وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ''۔

سورۃ احزاب کی آخری آیات سے استدلال کی نوعیت

میرا اصل مقصد اس آیت کریمہ سے فدائی حملوں کی جائز صورتوں میں مرنے والوں کی شہادت اور جہاد کی اعلیٰ مثال ہونے پر استدلال پیش کرنا تھا تو اُس کی نوعیت اس طرح ہے کہ بشمول اس آیت کریمہ قرآن شریف کی دیگر متعدد آیات سے بھی یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ قوت فکری سے لیکر قوت عملی تک اور ظاہری اجزاء بدن سے لے کر اندرونی کمالات تک انسان کی متاع حیات

علی الاطلاق اللہ کی مملوک ہے یعنی اللہ کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن اپنے اس مِلک ومتاع کو انسان ہی کے پاس بطور امانت رکھ کر اُس کے جن جن اعضاء واجزاء کی پیدائش سے اصل مالک کے جو مقاصد ہیں اُنہیں اپنے اختیار کے ساتھ اُس کے منشاء کے مطابق انجام دینے پر امانت دار بنایا ہے کہ وہ اپنی ذات وہستی سے متعلقہ فرائض وذمہ داریوں کو اپنے اندر فطری وجبلی طور پر موجود جوہر اختیار کو اُس کے منشاء اور اُس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کر کے انجام دے اور ساتھ ساتھ اُسے یہ بھی بتایا ہے کہ اِس سلسلہ میں جو جتنا زیادہ تکلیف اُٹھائے گا، نامساعد ماحول کا مقابلہ کریگا اور قربانی دے گا اُس کے مطابق ہی اُسے ثواب وانعامات سے نوازا جائے گا یعنی'' اَلْعَطَایَا عَلٰی مَتْنِ الْبَلَایَا''، جیسے فرمایا:

''ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی''(۱)

نیز فرمایا:''اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ''(۲)

یعنی اپنی متاع حیات اور اُس کے متعلقہ جملہ کمالات کی اس امانت کو اُس کے اصل مالک کے منشاء کے مطابق بہتر طریقے سے استعمال کر کے امانتداری کے تقاضوں کو پورا کرنے والے خوش نصیبوں کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

تو ظاہر ہے کہ فدا کاری کی مذکورہ جائز صورتوں میں سے ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی شامل ہے جسے حاصل کرنے کے لیے یہ فدا کار اس اقدام میں اپنی ہلاکت کا یقین ہونے کے باوجود اِس امانت کو اُس کے اصل مالک جل جلالہ کی رضامندی کے مطابق صرف کر کے محسن قرار پاتا ہے، امانتدار کہلاتا ہے اور اصل مالک جل جلالہ کی ہدایات کے مطابق اُسے کھپا کر رضاء مولیٰ کو پاتا ہے جس کے صلہ میں ''وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ''(۳) اور ''ثُمَّ یُجْزٰهُ

۱۔ النجم:41۔

۲۔ الصافات:110۔

۳۔ الاحزاب:73۔

اَلْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ''(۱) جیسے نصوص کے عین مطابق اصل مالک ﷻ کے تقاضاء رحمت سے پورا پورا جزاء وحسنات اورانعامات کے ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ اور شہادت عظمیٰ کی شکل میں سرفراز کیا جاتا ہے۔ایسے عظیم مقاصد کے حصول کی غرض سے منشاء الٰہی کے مطابق اپنی متاع حیات کواُس کے اصل مالک کے سپرد کرنے والے،موت وحیات کورضاء مولیٰ کے سامنے یکساں تصور کرنے والے اور جان عزیز کواپنی رضا واختیار کے ساتھ جان آفرین ﷻ کے احکام وہدایات کے مطابق کھپا کر امانتداری کی اعلیٰ مثال قائم کرنے والے یہ امانتدار انسان نہ صرف مجاہد فی سبیل اللہ اورشہادت عظمیٰ کے رُتبہ پرفائز ہیں بلکہ رشک کائنات اور جملہ انسانیت کے لیے قابل فخر بھی ہیں۔(فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآء)

خواہشاتِ نفس کے برعکس جان عزیز کی امانت کواُس کے اصل مالک ﷻ کی منشاء کے مطابق کھپا کرامانتداری کی اعلیٰ مثال قائم کرکے رشک کائنات بننے والے یہ فداکار درحقیقت اپنا کچھ بھی صرف نہیں کرتے ہیں بلکہ اللہ کی امانت کوتقاضاء وقت کے مطابق اُس کے سپرد کرکے خودکو امانت دار ثابت کرتے ہیں،عہدِ وفا پورا کرکے وفاداری کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں،اِس امانت سے مزید مستفید ہونے پراکسانے والے نفس اَمّارہ وخواہشات نفس کے علی الرغم امانت داری کی راہ اختیار کرکے حقِ امانت پورا کرتے ہیں اسی جوہر اختیار کی بنیاد پر انسان جملہ کائنات سے ممتاز ہوکر بار امانت کواُٹھانے کے قابل ہوا۔یعنی اپنی قوت فکری وعملی اورظاہری وباطنی کمالات وہستی کی پیدائش میں پوشیدہ مقاصد وفرائض کواختیاری طور پر منشاء مولیٰ کے مطابق استعمال کرنے کی امانت کو جواُٹھایا تھا اُس کے ساتھ وفاءِ عہد کرکے امانتدار ثابت ہونے میں بنیادی کردار انسان کے اختیار کوحاصل ہے جس وجہ سے انسان کے خود اختیاری اعمال ہی مجازات اعمال کے مدار ٹھہرے کہ اپنی ہستی سے متعلقہ مقاصدِ فطرت وفرائض کوخوداختیاری عمل کے تحت اُس کے اصل مالک ﷻ کے منشاء وہدایات کے مطابق استعمال کرنے کی صورت میں جزاوانعامات کا مستحق قرار پاتا ہےاوراُس

۱۔ النجم:41۔

کی رضا و ہدایات کے خلاف استعمال کرنے کی صورت میں سزا وعذاب کا سزاوار قرار پاتا ہے۔ جیسے بد اختیاری یعنی اپنی ہستی اور اُس کی قوت فکری و عملی کی صلاحیتوں سے متعلقہ فرائض کو اختیاری طور پر منشاء مالک کے مطابق استعمال کرنے کے برعکس کردار اختیار کرنے کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں کہ اُن میں کچھ شکلیں ادنیٰ ہوتی ہیں کچھ اعلیٰ۔

اہل علم جانتے ہیں کہ خلافِ اولیٰ یا مکروہ تنزیہ ملکر بھی اسائت کی معصیت کو نہیں پہنچ سکتے اور اسائت و مکروہ تحریم ملکر بھی حرام قطعی کے گناہ کو نہیں پہنچ سکتے پھر یہ بھی ہے کہ حرام قطعی میں بھی اونچ نیچ کا بڑا فرق ہے۔ اِسی طرح حُسن اختیاری یعنی اپنی ہستی سے متعلقہ مقاصد و فرائض کو نفس امّارہ کی کشش کے برعکس اختیاری طور پر اُس کے اصل مالک ﷻ کے منشاء و ہدایات کے مطابق استعمال کرنے کے بھی مختلف مدارج ہیں جس کے فرد ادنیٰ و اعلیٰ کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے کیوں کہ مستحب یا کسی سنت غیر مؤکدہ کی ادائیگی اختیار کرنے میں نفس امّارہ کے خلاف اتنا مجاہدہ نہیں کرنا پڑتا جتنا سنت مؤکدہ یا واجب کی ادائیگی کو اختیار کرنے میں کرنا ہوتا ہے۔ خواہشات اور نفس امارہ کی منفی کشش کے برعکس کسی سنت مؤکدہ اور واجب پر عمل اختیار کرنا مل کر بھی کسی فرضِ عین کے رُتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔

الغرض خیانت کی نوعیت جتنی شدید ہوتی ہے اُسی تناسب سے اصل مالک جل جلالہٗ کی طرف سے سزا وعذاب بھی شدید ہوتا ہے۔ یہی حال امانت داری پر عہد وفا پورا کرنے والے خوش نصیب امانتداروں کے حسنِ مراتب کا ہے کہ خواہشات نفس اَمّارہ کی منفی جاذبیت کے برعکس اپنی ہستی اور اُس کی قوت فکری و عملی سے متعلقہ مقاصد و فرائض کو اُس کے اصل مالک جل جلالہٗ کے منشاء و ہدایات کے مطابق اختیاری طور پر انجام دینے میں قربانی کا عنصر جتنا زیادہ ہوتا ہے اُتنا رُتبہ بڑھ جاتا ہے۔ نفس امّارہ کے منفی رُجحانات کو پاؤں تلے کچل کر رضاء مولیٰ کو جتنی زیادہ ترجیح دی جاتی ہے اتنا زیادہ قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ امانتداری کے اس امتحان میں کامیابی کے لیے جتنی محنت کی جاتی ہے اُتنا صلہ مل جاتا ہے اور مجاہدہ کی کیفیت جتنی مشکل ہوتی ہے مراتب و درجات بھی اُسی کے

مطابق پائے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ"(۱)

یعنی ہم تمہارے اعمال کی کیفیت کو دیکھ کر اُس کے مطابق جزاء وسزا دیں گے۔

نیز فرمایا: "ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى"(۲)

یعنی ہر انسان کو اُس کے اختیاری اعمال کی کمیت وکیفیت کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

کیوں کہ تقاضاء فطرت ہے کہ اَلْعَطَايَا عَلٰى مَتْنِ الْبَلَايَا ۔فدا کاری کی قسمیں اور جن مقاصد کے حصول کے لیے اِن کا ارتکاب کیا جاتا ہے گزشتہ صفحات میں ہماری پیش کردہ تفصیل کے مطابق ان میں سے ہر جائز صورت رتبہ شہادت سے کم نہیں ہے چاہے وہ صہیونیت کے مظالم سے آزادی پانے کی غرض سے فلسطینی نوجوانوں کی فدا کاری کی شکل میں ہو، ظلم کے خلاف عالم اسلام کو بیدار کرنے کی غرض سے ہو، ظالم کے خلاف عالمی رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لیے ہو یا ظلم کا خاتمہ اور قیام عدل کی نیت سے ہو، جابر کے ہاتھوں شعائر اللہ کو پامالی سے بچانے کی خاطر ہو یا کسی فریب کار ومکّار دجال صفت ظالم کے زیر تصرف التباس الحق بالباطل ہونے سے ملک وملت کو بچانے کی خاطر امر بالمعروف نہی عن المنکر کی صورت میں ہو، اپنی عصمت کو بچانے کی خاطر ہو یا لشکر اسلام کی فتحیابی کے لیے یا اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے یا اُس کی راہ میں رکاوٹوں کو دور کر کے اُسے استحکام بخشنے کی خاطر۔

الغرض اپنی ہستی سے متعلقہ مقاصد وفرائض کو اُس کے اصل مالک جل جلالہ کی ہدایات و احکام کے مطابق اختیاری طور پر انجام دینے کی امانت کو ادا کرنے میں ہر اُس اقدام سے زیادہ ثواب ورتبہ کسی اور عمل میں نہیں ہے جس میں اپنی جان کی ہلاکت کا بھی یقین ہو۔ اللہ کے فرمان

۱۔ یونس:14۔

۲۔ النجم:41۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا"(۱) کے جملہ مظاہر پر عمل کرنے میں بھی وہ ایثار وقربانی نہیں ہے جو فداکاری کی صورت میں ہے اور ادائیگی امانت کی کسی اور شکل میں نفس امّارہ کی منفی خواہشات کے علی الرغم وہ مجاہدہ نہیں ہے جو اس کمیاب ایثار واخلاص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق کی خاطر اپنی جان کو قربان کرنے والے یہ عظیم فداکاراللہ کے فرمان "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"(۲) پر پورا پورا عمل کرنے والے خوش نصیبوں میں شمار ہونے کی وجہ سے نہ صرف امانتدار ہوتے ہیں، ایفائے عہد پر پورا پورا اُترنے والے وفادار ہوتے ہیں اور "وَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ"(۳) کے مصداق کامل ایماندار ہوتے ہیں بلکہ رضاءِ مولیٰ اور اُس کے احکام وہدایات کی خاطر خواہشات نفس امّارہ کے علی الرغم اللہ کے فرمان "وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ"(۴) کا مظہر بن کر جہاد کی اعلیٰ مثال اور شہادت کے عظیم سے عظیم تر رُتبہ پر بھی فائز ہوتے ہیں، بارِ امانت کو اُس کی منزل مقصود تک فی الجملہ پہنچانے والے عام مؤمنین ومؤمنات کے لیے باعث فخر ہوتے ہیں، گلشن اسلام کے حفظ وبقاء کے ضامن ہوتے ہیں، انسانیت کو اُن پر فخر ہوتا ہے، جملہ کائنات کو اُن پر رشک آتا ہے پھر یہ کہ عظمت مقام و اولو العزمیت میں بھی مخلصین اسلام کے یہ فداکار سب کے سب یکساں نہیں ہوتے بلکہ بارِ امانت کی ادائیگی کی اس اعلیٰ مثال میں باہمی اشتراک عمل کے باوجود مادۂ اخلاص میں شدت واشدیت اور کمی وبیشی کے حوالہ سے جو فرقِ مراتب عنداللہ عالم غیب میں اُن کے لیے مختص ہے وہ اُن میں مابہ الامتیاز ہے۔

☆☆☆☆

۱۔ النسآء:58۔

۲۔ الانعام:162۔

۳۔ الانعام:162۔

٤۔ الحج:78۔

اختتامیہ

فداکاری کی جائز صورتوں کا جہاد کی اعلیٰ مثال اور اس میں مرنے والوں کا شہید فی سبیل اللہ ہونے پر جدا جدا فقہی استدلال کی تفصیل اس طرح ہوگی:

شرعی حکم:۔فداکاری کی تمام مذکورہ جائز صورتیں جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال ہیں۔

صغریٰ:۔کیوں کہ وہ نفس امّارہ کی کشش کے برعکس رضاء مولیٰ کے موجب عمل ہیں۔

کبریٰ:۔نفس امّارہ کی کشش کے برعکس رضاء مولیٰ کے موجب ہر عمل جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال ہوتا ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔لہٰذا فداکاری کی یہ تمام جائز صورتیں بھی جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال ہیں۔

اِس استدلال میں صغریٰ کا حکم کہ فداکاری کی مذکورہ جائز صورتیں نفس امّارہ کی کشش کے برعکس رضاء مولیٰ کے موجب ہیں ناقابل انکار حقیقت ہونے کی وجہ سے محتاج دلیل نہیں ہے۔اِسی طرح کبریٰ کا حکم کہ نفس امّارہ کی کشش کے برعکس رضاء مولیٰ کے موجب بننے والا ہر عمل جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال ہوتا ہے۔اہل علم کی نگاہ میں بدیہی امر ہے،قرآن وسنت کی تعلیمات سے ہر آشنا ذہن بلا استدلال اسے سمجھ سکتا ہے۔اِن دونوں بدیہی حکموں کے باہمی اقتران واتصال ویکجائیت سے قیاس اقترانی کی شکل میں فداکاری کی جائز صورتوں کا فقہی حکم ظاہر ہوگیا کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال ہیں۔

یہی حال فداکاری کے اقدامات میں مرنے والوں کا فقہی حکم معلوم کرنے کے لیے استدلال کا ہے مثلاً یہ کہ:

شرعی حکم:۔فداکاری کی جائز صورتوں میں مرنے والے شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ وہ نفس اَمّارہ کے علی الرغم اپنی ہستی سے متعلقہ مقاصد و فرائض کو اُس کے اصل مالک کے احکام ادا کرتے ہوئے مرتے ہیں۔

کبریٰ:۔ اور نفس امّارہ کے علی الرغم اپنی ہستی سے متعلقہ مقاصد و فرائض کو اُس کے اصل مالک کے احکام کے مطابق ادا کرتے ہوئے مرنے والے سب کے سب شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا فداکاری کی جائز صورتوں میں مرنے والے بھی شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

اِس دلیل میں بھی دونوں مقدموں میں مذکور احکام بدیہیات سے ہیں جن کا بشکل قیاس اقترانی و یکجائیت سے فداکاری میں ہلاک ہونے والوں کا شرعی حکم معلوم ہوگیا کہ وہ شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

اِس سلسلہ میں ضروری وضاحت یہ ہے کہ فداکاری کی مذکورہ تمام جائز صورتوں کے حوالہ سے شریعت کے یہ دونوں احکام یعنی فداکاری کی اِن صورتوں کا جہاد کی اعلیٰ مثال ہونا اور اس میں ہلاک ہونے والوں کا شہادت کے اعلیٰ رُتبے پر فائز ہونا اِس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فدائیانہ اقدام کرتے وقت فداکار کی نیت میں صرف اور صرف وہی جائز مقصد پیشِ نظر ہو جس کی خاطر یہ اقدام کر رہا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ثانیاً و بالعرض اور غیر ارادی طور پر اُسے اس اقدام میں خود اپنی ہلاکت کا بھی یقین ہوتا ہے لیکن شریعت کی نگاہ میں یہ ضمنی معلوم اور غیر ارادی طور پر ہونے والی ہلاکت جرم نہیں ہے۔

هٰكَذَا قُدِّرَ لي التحقيق والله ولي التَوْفِيق. اَللّٰهم اغفرلي بِهم خطِئَطيتي في الدنيا وَالآخرة واحشرني مَعَهُم يوم النُشورِ آمين يا اكرم الاكرمين يا اَرحَمَ الرّحمين بِحَقِّ اِيَاكَ نَعبُدُ وَاِيَّاكَ نَستَعِين وصل الله تبارك وتَعالىٰ

علی حبیبہٖ وَافضل خَلقہٖ محمدٍ وَآلہٖ الطیّبین الطاھرین واصحابہ اجمعین

برحمتك یا اَرحم الرّٰحمین

حَرّرہ ترابُ اقدام عِبادِاللّٰہ الصالحین

پیر محمد چشتی

19/02/2003

اہل سلوک کے لیے خوش خبری

سلوک وعرفان کی معرکۃ الآراء کتاب اور حضرت امام اہل الکشف و العرفان شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی آخری تصنیفِ عرفان "فصوص الحکم" شریف جو نبی اکرم سید الاولین والآخرین رحمۃ للعلمین ﷺ کے حکم سے لکھی گئی ہے اُس کی قابلِ فہم اور جامع شرح حضرت پیر طریقت، رہبرِ شریعت مولانا پیر محمد چشتی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے قلم سے تیار ہو چکی ہے۔ جس کی اول جلد چھپ کر مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

سلوک وعرفان کے متلاشیوں کے لیے اِس سے استفادہ اور استفاضہ کرنے کا اچھا موقع ہے۔ حضرت پیر طریقت رہبرِ شریعت شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی رَحِمَہُ اللّٰہُ جہاں ظاہری علوم میں دُنیائے تدریس کے تاجدار حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی اور حضرت شیخ الحدیث والطریقہ سید سعید احمد کاظمی کے فیوضات و برکات کے امین ہیں وہاں شریعت کے حصہ باطن میں حضرت امام الواصلین پیر امام شاہ اور منبع الفیوضات والبرکات حضرت پیر مہر علی شاہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَھُمَا کے فیوضات کے بھی امین ہیں اور فی الوقت درسِ عرفان کے حوالہ سے اہل سلوک کے امام و مرجع ہیں۔

شائقین حضرات انتظار فرمائیں سلوک وعرفان کی یہ شاہکار تحریر عنقریب مارکیٹ میں آنے والی ہے۔

حقیقت کا اظہار

اسلام میں جہاد کی فرضیت اُن مسائل میں سے ہے جن پر شروع سے ابتک کل مکاتب فکراہل اسلام کا اتفاق واجماع چلا آرہا ہے لیکن اِس کی نوعیت اور بعض جزیات کی شرعی حیثیت نظر وفکر کی محتاج ہونے کی بناء پر محلِ اجتہاد ہے۔

جن کی فہرست میں ''فدائی حملوں کی شرعی حیثیت''، حریتِ فکر، آزادی وطن اور فطری حقوق کے حصول یا تحفظ کے سلسلہ میں جہاد کے نام سے اُٹھنے والی تحریکوں کے جواز وعدمِ جواز سمیت جہاد اور دہشت گردی کی تفریق کے حوالہ سے مختلف خطہائے اَرض کے قابل ذکر علماء کرام نے کافی کچھ لکھا ہے۔ جامع ازہر، سعودیہ عربیہ، ایران، سوڈان، لبنان اور عراق کے فقہاء اسلام کی طرف سے اِس پر ابتک لکھی گئی تحریروں کا مفاد ایک دوسرے سے تضاد کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

انجام کار اسلامیان عالَم کو اِس حوالہ سے ایسی جامع تحریر کی ضرورت تھی جو سب کے لیے قابل اطمینان ہوتی اور قرآن وسنت سے ثابت ہونے کے ساتھ مقتضائے عقل بھی ہوتی، جسے محسوس کرتے ہوئے اِس کتاب کے مصنف پیر طریقت، رہبر شریعت، مردِ حریت، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

کتاب کی نمایاں خصوصیات

☆ قرآن وسنت کی روشنی میں جہاد کی حقیقت اور اُس کی اقسام کے جامع ومانع بیان کے ساتھ جہاد اور دہشت گردی کے مابین حدِ فاصل کی تفصیل اِس کتاب کا طرہ امتیاز ہے۔

☆ فداکاری اور دہشت گردی کی جدا جدا تعریفیں اور اُن کی شرعی حیثیت کی تفصیل اِس کے سوا کسی اور میں ناپید ہے۔

☆ فداکاری کی معروضی شکلوں کے ساتھ اُس کی ممکنہ صورتوں کی تفصیل اور ہر ایک کی شرعی حیثیت کا تعین صرف اِسی کتاب کا خاصہ ہے۔

☆ جہاد سے متعلق بعض آیاتِ قرآنی وحدیث نبوی ﷺ کی ایسی تفسیر وتشریح پیش کی گئی ہے کہ جسے اِس کتاب کی زینت کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔

☆ فداکاری اور خودکشی کی حقیقتوں کا اور اُن کے شرعی احکام کا ایک دوسرے سے مختلف ہونے پر ایسی شرعی وعقلی دلائل پیش کی گئی ہیں جو اِس کے سوا کہیں اور نہیں ملتیں۔

Abid Printers > 091-2564366

المکتبۃ النظامیہ
0300-... / 0335-8317496

مکتبہ آوازِ حق
www.aawazehaq.org

حقیقت کا اظہار

اسلام میں جہاد کی فرضیت اُن مسائل میں سے ہے جن پر شروع سے ابتک کل مکاتب فکر اہل اسلام کا اتفاق و اجماع چلا آ رہا ہے لیکن اِس کی نوعیت اور بعض جزئیات کی شرعی حیثیت نظر و فکر کی محتاج ہونے کی بناء پر محلِ اجتہاد ہے۔ جن کی فہرست میں ''فدائی حملوں کی شرعی حیثیت''، حریتِ فکر، آزادی وطن اور فطری حقوق کے حصول یا تحفظ کے سلسلہ میں جہاد کے نام سے اُٹھنے والی تحریکوں کے جواز و عدمِ جواز سمیت جہاد اور دہشت گردی کی تفریق کے حوالہ سے مختلف خطہائے اَرض کے قابل ذکر علماء کرام نے کافی کچھ لکھا ہے۔ جامع ازہر، سعودیہ عربیہ، ایران، سوڈان، لبنان اور عراق کے فقہاء اسلام کی طرف سے اِس پر ابتک لکھی گئی تحریروں کا مفاد ایک دوسرے سے تضاد کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

انجام کار اسلامیان عالَم کو اِس حوالہ سے ایسی جامع تحریر کی ضرورت تھی جو سب کے لیے قابل اطمینان ہوتی اور قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے ساتھ مقتضائے عقل بھی ہوتی، جِسے محسوس کرتے ہوئے اِس کتاب کے مصنف پیر طریقت، رہبر شریعت، مردِ حریت، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

کتاب کی نمایاں خصوصیات

☆ قرآن و سنت کی روشنی میں جہاد کی حقیقت اور اُس کی اقسام کے جامع و مانع بیان کے ساتھ جہاد اور دہشت گردی کے مابین حدِ فاصل کی تفصیل اِس کتاب کا طرہ امتیاز ہے۔

☆ فداکاری اور دہشت گردی کی جدا جدا تعریفیں اور اُن کی شرعی حیثیت کی تفصیل اِس کے سوا کسی اور میں ناپید ہے۔

☆ فداکاری کی معروضی شکلوں کے ساتھ اُس کی ممکنہ صورتوں کی تفصیل اور ہر ایک کی شرعی حیثیت کا تعین صرف اِسی کتاب کا خاصہ ہے۔

☆ جہاد سے متعلق بعض آیاتِ قرآنی و حدیث نبوی ﷺ کی ایسی تفسیر و تشریح پیش کی گئی ہے کہ جسے اِس کتاب کی زینت کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔

☆ فداکاری اور خودکشی کی حقیقتوں کا اور اُن کے شرعی احکام کا ایک دوسرے سے مختلف ہونے پر ایسی شرعی و عقلی دلائل پیش کی گئی ہیں جو اِس کے سوا کہیں اور نہیں ملتیں۔

Abid Printers > 091-2564366

المکتبۃ النظامیہ
0300-5098316 | 0335-8317496

مکتبہ آوازِ حق
www.aawazehaq.org